اصلاحی مواعظ

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہید رحمہ اللہ تعالیٰ

مقصد حیات دنیا نہیں۔۔ آخرت
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لیلۃ القدر کی برکات
فضائل اعتکاف
عظمت قرآن
توبہ کیسے کریں؟
حسد کا علاج
غیبت ایک اخلاقی برائی
دنیا کی حقیقت
صبر کے درجات

جلد اوّل

مکتبہ لدھیانوی

اصلاحی مواعظ

شہیدِ اسلام

حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہ

باہتمام : محمد طلحہ طاہر

نبیرہ شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نوراللہ مرقدہ

ناشر

مکتبہ لدھیانوی

سلام کتب مارکیٹ بنوری ٹاؤن کراچی

03212115502

www.shaheedeislam.com

اصلاحی مواعظ

تالیف: شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

ہمارے دادا جان شہیدِ اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی نور اللہ مرقدہ جہاں تصنیف و تالیف اور تحریر و انشاء کے امام تھے وہاں اللہ تعالیٰ نے آپؒ کو وعظ وتقریر اور زبان و بیان کے میدان میں بھی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا، آپؒ کے مواعظ و بیانات نہایت سادہ ،موثر، عام فہم اور مسحور کن ہوتے تھے۔ اندازِ بیان میں ناصحانہ و مشفقانہ رنگ غالب ہوتا، مسلمانوں کی خیر خواہی کے جذبہ سے سرشار اور دل کی گہرائیوں سے نکلنے والے وہ موثر مواعظ و بیانات جن سے ہزاروں لوگوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا ہوا، انہیں کیسٹ میں محفوظ کرلیا گیا تھا جسے بعد میں ڈیجیٹائز کیا گیا۔ جو کہ ''شہیدِ اسلام پورٹل'' کے پلیٹ فارم پر دستیاب ہیں۔ ان میں سے تقریباً ۱۳۵ کیسٹوں سے ۸ ضخیم جلدیں ''اصلاحی مواعظ'' کے نام سے مرتب کی گئیں۔ جن میں تخریج کے ساتھ ساتھ قرآنی آیات اور احادیثِ مبارکہ پر اعراب کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ اس طرح آٹھ جلدوں پر مشتمل یہ خوبصورت گلدستہ تیار ہوگیا ہے جو کہ علماء، طلبا، خطبا، مقررین، واعظین اور عوام الناس کے لیے بیش بہا خزانہ ہے۔

حضرت شہیدِ اسلامؒ کی دیگر تصانیف کی طرح ''اصلاحی مواعظ'' (آٹھ جلدوں) پر مشتمل اس گلدستے کو بھی ''شہیدِ اسلام پورٹل'' کے پلیٹ فارم سے عام کرنے پر ہم

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے حضور سر بسجود ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو شرفِ قبولیت عطا فرمائے، ہمارے اکابر کے علوم و فیوض کو عام فرمائے ، خلقِ خدا کے لیے نافع اور ہمارے اکابرین کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔آمین

جن حضرات کی دعاؤں،توجہات اور سرپرستی سے اس اہم کام کی تکمیل ہو پائی،میں ان کا بے حد شکرگزار ہوں،خصوصاً میرے والد ماجد مولانا حافظ محمد سعید لدھیانوی دامت برکاتہم،شاہینِ ختمِ نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا دامت برکاتہم اور شیخ ڈاکٹر ولی خان المظفر حفظہ اللہ،جن کی بھرپور سرپرستی حاصل رہی۔اللہ تعالیٰ ان کے علم وعمر میں برکت عطا فرمائے اورصحت و عافیت کے ساتھ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔اسی طرح حافظ محمد طلحہ طاہر(ناظم مکتبہ لدھیانوی) جناب امجد رحیم چوہدری سمیت تمام معاونین کہ جن کا کسی بھی طرح تعاون حاصل رہا،تہہ دل سے شکر گزار ہوں۔اللہ سبحانہ وتعالیٰ ہم سب کو اپنی رضا و رضوان سے نوازے۔آمین

محمد الیاس لدھیانوی
بانی ومنتظم ”شہیدِ اسلام پورٹل“
www.shaheedeislam.com
info@shaheedeislam.com
+92 321 9264592
۱۵/۹/۱۴۴۷ھ - ۵/۳/۲۰۲۶ء

نوٹ: Mobile اور iPad وغیرہ میں بہتر طور پر دیکھنے کے لیے Adobe Acrobat کو PDF Reader کے طور پر استعمال کریں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

پیش لفظ

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے ہمیں اپنے فضل بے پایاں کا مورد بنایا اور ہمیں اپنے والد گرامی، داعی کبیر اور حکیم العصر حضرت اقدس مولانا محمد یوسف لدھیانوی دامت برکاتہم کے علوم ومعارف تشنگانِ علم ومعرفت کی خدمت میں پیش کرنے کی سعادت عطا فرمائی۔

میرے مرشد ومربی حضرت ابا جان کو اللہ تعالیٰ نے جو محبوبیت ومقبولیت عطا فرمائی ہے، وہ کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ آپ کی تحریر وبیان میں جو لذت ومٹھاس ہے، اس کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جو اس میخانۂ محبت سے لطف اندوز ہوچکا ہے۔

ہمارے ایک مخدوم ومحسن اور حضرت والد صاحب کے سچے محبّ ودوست ایک دن حضرت ابا جان سے فرمانے لگے کہ حضرت! معلوم ہوتا ہے کہ آپ لوگوں کو ہیروئن کا نشہ پلاتے ہیں۔ حضرت ابا جان نے ان کا یہ جملہ سنا تو خفگی کے انداز میں فرمایا: ''لاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کیا میں لوگوں کو ہیروئن پلاتا ہوں؟ یہ کیوں کر ممکن ہے؟ اس پر انہوں نے ہنستے ہوئے وضاحت کی کہ حضرت آپ ہیروئن ہی تو پلاتے ہیں کہ جو شخص آپ کا بیان سن لیتا ہے، اس کے بعد اسے کسی کا بیان اچھا نہیں لگتا۔ ایسا عشق تو لوگوں کو ہیروئن ہی سے ہوتا ہے۔

سچ ہے کہ جو شخص حضرت کا بیان سن لیتا ہے، اس کی نظر کسی اور جگہ نہیں ٹکتی۔ چنانچہ حضرت کے متعلقین، محبین اور عوام الناس کا حضرت کی تالیفات کی اشاعت کے بعد ہم پر مسلسل دباؤ تھا کہ حضرت کے مواعظ بھی شائع کئے جائیں، چنانچہ پیش نظر کتاب اصلاحی مواعظ کے نام سے دس مواعظ پر مشتمل اس سلسلہ کی پہلی جلد ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس کام کو مزید جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور اس کتاب کو ہم سب اور پوری امت کے لئے نافع بنائے۔ آمین

(مولانا) محمد طیب لدھیانوی

فہرست مقالات

تفصیلی فہرست

مقصدِ حیات دُنیا نہیں، بلکہ آخرت

محبتِ رسول اور اس کے تقاضے

لیلۃ القدر کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

اِعتکاف، فضائل و مسائل

عظمتِ قرآن اور اس کی تلاوت کے
فوائد وثمرات

حقوق اللہ

ذکر اللہ کی فضیلت

ضمیمہ از ’’تبلیغِ دین‘‘

دُنیا کی محبت کے بُرے اثرات

صبر کے درجات

مقصدِ حیات

دُنیا نہیں، بلکہ آخرت

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دُنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے، اور اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنارہے ہیں، یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ ایک نسل چلی گئی، دُوسری نسل اس کی جگہ آگئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!“

”عَنْ اَبِی سَعِیْدِ نِ الْخُدْرِیِّ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَطِیْبًا بَعْدَ الْعَصْرِ، فَلَمْ یدع شَیْئًا یَکُوْنُ اِلٰی قِیَامِ السَّاعَۃِ اِلَّا ذَکَرَہٗ، حَفِظَہٗ مَنْ حَفِظَہٗ وَنَسِیَہٗ مَنْ نَّسِیَہٗ، وَکَانَ فِیْمَا قَالَ: اِنَّ الدُّنْیَا حُلْوَۃٌ خَضِرَۃٌ وَاِنَّ اللّٰہَ مُسْتَخْلِفُکُمْ فِیْھَا فَنَاظِرٌ کَیْفَ تَعْمَلُوْنَ؟ اَلَا! فَاتَّقُوا الدُّنْیَا وَاتَّقُوا النِّسَآءَ۔ وَذَکَرَ اَنَّ لِکُلِّ غَادِرٍ لِوَآءً یَّوْمَ الْقِیَامَۃِ بِقَدْرِ غَدْرَتِہٖ فِی الدُّنْیَا، وَلَا غَدْرَ اَکْبَرَ مِنْ غَدْرِ اَمِیْرِ الْعَامَّۃِ، یُغْرَزُ لِوَاءُہٗ عِنْدَ اِسْتِہٖ۔ قَالَ: وَلَا یَمْنَعَنَّ اَحَدًا مِّنْکُمْ ھَیْبَۃُ النَّاسِ اَنْ یَّقُوْلَ بِحَق اِذَا

عَلمه۔ وَفِیْ رِوَایَةٍ: ان راٰی مُنْکَرًا اَنْ یُّغَیِّرَهٗ۔ فَبَکٰی اَبُوْ سَعِیْدٍ وَقَالَ: قَدْ رَاَیْنَاهُ فَمَنَعْتَنَا هَیْبَةَ النَّاسِ اَنْ نَّتَکَلَّمَ فِیْهِ، ثُمَّ قَالَ: اَلَا! اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی، فَمِنْهُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا، وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَّیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا، وَمِنْهُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَّیَحْیٰی مُؤْمِنًا وَّیَمُوْتُ کَافِرًا، وَمِنْهُمْ مَّنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَیَحْیٰی کَافِرًا وَّیَمُوْتُ مُؤْمِنًا۔ قَالَ: وَذَکَرَ الْغَضَبَ فَمِنْهُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَئِی فاحداهما بِالْاُخْرٰی، وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءَ الْغَضَبِ بَطِیْءَ الْفَیْءِ فَاِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰی، وَخِیَارُکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ بَطِیْءُ الْغَضَبِ سَرِیْعَ الْفَیْءِ، وَشِرَارُکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَرِیْعَ الْغَضَبِ بَطِیْءِ الْفَیْءِ۔ قَالَ: اِتَّقُوا الْغَضَبَ! فَاِنَّهٗ جَمْرَةٌ عَلٰی قَلْبِ ابْنِ اٰدَمَ، اَلَا تَرَوْنَ اِلَی انْتِفَاخِ اَوْدَاجِهٖ وَحُمْرَةُ عَیْنَیْهِ؟ فَمَنْ اَحَسَّ بِشَیْءٍ مِّنْ ذٰلِکَ فَلْیَضْطَجِعْ وَلْیَتَلَبَّدْ بِالْاَرْضِ۔ قَالَ: وَذَکَرَ الدَّیْنَ فَقَالَ: مِنْکُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ حَسَنُ الْقَضَاءِ وَاِذَا کَانَ لَه اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰی، وَمِنْهُمْ مَّنْ یَّکُوْنُ سَیِّیْءُ الْقَضَاءِ، وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلُ فِی الطَّلَبِ فَاِحْدَاهُمَا بِالْاُخْرٰی، وَخِیَارُکُمْ مَنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ اَحْسَنَ الْقَضَاءِ وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَجْمَلُ فِی الطَّلَبِ، وَشِرَارُکُمْ مَنْ اِذَا کَانَ عَلَیْهِ الدَّیْنُ اَسَاءَ الْقَضَاءَ وَاِنْ کَانَ لَهٗ اَفْحَشَ فِی الطَّلَبِ۔ حَتّٰی اِذَا کَانَتِ الشَّمْسُ عَلٰی رُؤُسِ النَّخْلِ وَاَطْرَافِ الْحِیْطَانِ۔ فَقَالَ: اَمَا اَنَّهٗ لَمْ یَبْقَ مِنَ

الدُّنْیَا فِیْمَا مَضٰی مِنْھَا اِلَّا کَمَا بَقِیَ مِنْ یَّوْمِکُمْ ھٰذَا فِیْمَا مَضٰی مِنْہُ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۳۷)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ خطبہ شریفہ، مشکوٰۃ شریف باب الامر بالمعروف (صفحہ:۴۳۷) میں بحوالہ ترمذی منقول ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ:... ”حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھائی اور نماز کے بعد منبر پر تشریف لے گئے اور خطبہ ارشاد فرمایا، قیامت تک جتنے اہم واقعات رُونما ہونے والے تھے، سب کے سب بیان کردیئے، کچھ بھی نہیں چھوڑا، جن کو یاد رہا ان کو یاد رہا، اور جنھوں نے بھلادیا انہوں نے بھلادیا۔ اور جو باتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمائیں ان میں سے ایک یہ تھی کہ: دُنیا میٹھی ہے (لذیذ ہے، خوشنما) اور سرسبز ہے، اور اللہ تعالیٰ تم کو اس دُنیا میں دُوسروں کے جانشین بنارہے ہیں، پس دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو؟ سنو! پس دُنیا سے بچو! اور عورتوں سے بچو!

اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ذکر فرمایا کہ: قیامت کے دن ہر عہدشکنی کرنے والے کے لئے ایک جھنڈا ہوگا جو دُنیا میں اس کی عہدشکنی کے بقدر ہوگا، اور کسی کی عہدشکنی اتنی بڑی نہیں جتنی کہ مسلمانوں کے حاکم کی عہدشکنی بڑی ہے، اس کی عہدشکنی کا جھنڈا اس کی سرین کے پاس گاڑا جائے گا۔ اور تم میں کسی کو لوگوں کی ہیبت، حق بات کہنے سے نہ روکے، جبکہ اس کو حق کا علم ہو- اور ایک روایت میں ہے کہ: کسی بُرائی کو دیکھے تو

اس کو بدلنے سے کوئی چیز مانع نہیں ہونی چاہئے- یہ بیان کرکے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ رونے لگے اور فرمایا کہ: ہم نے بُرائی کو دیکھا، مگر لوگوں کی ہیبت اس سلسلے میں بات کرنے سے ہمیں مانع ہوئی۔

پھر فرمایا کہ: سنو! بے شک لوگ مختلف طبقوں پر پیدا کئے گئے ہیں، چنانچہ ۱:...بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔ ۲:...اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ۳:...بعض مؤمن پیدا ہوتے ہیں، مؤمن جیتے ہیں اور کافر مرتے ہیں۔ ۴:...اور بعض کافر پیدا ہوتے ہیں، کافر جیتے ہیں اور مؤمن مرتے ہیں۔

پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غصّے کا ذکر فرمایا کہ:

بعض کو بہت جلدی غصہ آتا ہے، اور جلدی ہی اُتر بھی جاتا ہے، پس یہ ایک خصلت دُوسری کے بدلے میں ہوئی، اور بعض کو دیر سے غصہ آتا ہے اور دیر سے اُترتا ہے، پس یہ بھی ایک خصلت دُوسری کے بدلے میں ہوئی، اور تم میں سب سے اچھے لوگ وہ ہیں جن کو دیر سے غصہ آئے اور جلدی اُتر جائے، اور تم میں سے بدترین لوگ وہ ہیں جن کو جلدی غصہ آئے اور دیر سے اُترے۔

پھر فرمایا: غصّے سے بچو! کیونکہ یہ آگ کا انگارہ ہے جو اِبنِ آدم کے دِل پر رکھ دیا جاتا ہے، کیا تم دیکھتے نہیں کہ اس کی رگیں پھول جاتی ہیں اور آنکھیں سرخ ہوجاتی ہیں، پس جو شخص کچھ غصہ محسوس کرے تو لیٹ جائے اور زمین سے چپک جائے۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض کا ذکر فرمایا،

پس ارشاد فرمایا کہ: تم میں سے بعض قرض ادا کرنے میں بہت اچھا رویہ اختیار کرتے ہیں، اور جب کسی سے قرض وصول کرنا ہو تو بدگوئی کرتے ہیں، پس یہ ایک بُری خصلت دُوسری اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔

اور بعض بُری طرح قرض ادا کرتے ہیں، اور اگر کسی کے ذمے ہو تو اس کے وصول کرنے میں نرمی کرتے ہیں، پس یہ بھی ایک بُری خصلت ایک اچھی خصلت کے بدلے میں ہوگئی۔ اور تم میں سب سے اچھے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمے قرض ہو تو خوبی سے ادا کردیں، اور جب ان کا کسی کے ذمے ہو تو مطالبے میں نرمی کریں، اور تم میں سے بدتر وہ لوگ ہیں کہ جب ان کے ذمے قرض ہو تو اَدا کرنے میں بُرے ہوں اور ان کا کسی کے ذمے ہو تو مطالبہ کرتے ہوئے بدگوئی کریں۔

حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ جاری رہا، یہاں تک کہ دُھوپ کھجوروں کی چوٹیوں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: خوب یاد رکھو! کہ دُنیا کی جتنی عمر گزر چکی ہے اس کے مقابلے میں اس کی صرف اتنی عمر باقی رہ گئی ہے جتنا کہ تمہارے آج کے دن کے گزرے ہوئے وقت کے مقابلے میں دن کا باقی حصہ۔“

دُنیا امتحان گاہ ہے:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

دُنیا بڑی میٹھی اور بڑی سرسبز ہے، اور اللہ تمھیں اس میں خلیفہ بنا رہے ہیں، یعنی پہلے لوگوں کا جانشین بنا رہے ہیں کہ ایک نسل چلی گئی، دُوسری نسل اس کی جگہ آ گئی، پس اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ تم یہاں رہ کر کیا عمل کرتے ہو؟

واقعی دُنیا بڑی میٹھی اور سرسبز ہے، کہ ہر شخص کو اس کی رغبت ہے، یہاں کا مال و دولت، یہاں کی لذتیں اور راحتیں، یہاں کا ساز و سامان ہر شخص کو مرغوب ہے اور وہ اسے حاصل کرنا چاہتا ہے۔

ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو یوں ارشاد فرمایا ہے کہ برسات کے موسم میں زمین میں خوب سبزہ اُگتا ہے اور زمین خوب سرسبز ہو جاتی ہے، نرم اور سرسبز چارہ جانوروں، مویشیوں کو بہت بھاتا ہے، اب جانور نے یہ سبزہ دیکھا تو اس کو کھانا شروع کر دیا، چونکہ بہت میٹھا، سرسبز اور لذیذ تھا لہٰذا مسلسل کھاتا رہا، یہاں تک کہ بدہضمی ہوگئی اور پیٹ پھول گیا اور تخمہ سے جانور مرگیا۔ اور ایک جانور وہ تھا جس نے ضرورت کے بقدر کھایا، اور بقدرِ ضرورت کھانے کے بعد دُھوپ میں چلا گیا، جگالی کی اور اس کو ہضم کرلیا، ہضم کرنے کے بعد پھر اسی طرح کھانا شروع کر دیا یعنی بقدرِ ضرورت کھایا۔ پھر اِرشاد فرمایا کہ دُنیا میٹھی اور سرسبز ہے، پس جو شخص حرص کے ساتھ دُنیا کماتا چلا جائے گا اور سمیٹتا ہی چلا جائے گا، اس کو ''جوع البقر'' کی بیماری لاحق ہوجاتی ہے کہ کھاتا رہے اور پیٹ نہ بھرے، یہ شخص اس جانور کی طرح ہلاک ہوجائے گا، اس کا پیٹ پھٹ جائے گا اور اسے تخمہ ہوجائے گا۔ اور جو شخص کہ اس کو حق کے ساتھ لے اور حق کے ساتھ رکھے، یعنی شریعت کے قواعد کے مطابق دُنیا حاصل کرے اور جہاں اللہ نے اس کو خرچ کرنے کا حکم فرمایا ہے وہاں خرچ کرے تو وہ البتہ محفوظ رہے گا۔

یہ دُنیا ایسی سرسبز ہے اور آنکھوں کو ایسی بھاتی ہے کہ اس سے کسی کا جی نہیں بھرتا، اور اس کو چھوڑنے کا کسی کا جی نہیں چاہتا، بھئی! بڑی عمر ہوگئی ہے، بڑھاپا آ گیا ہے، اعضاء وقویٰ کمزور ہوگئے ہیں، دِماغ اب سوچتا نہیں، آنکھیں دیکھتی نہیں، ٹانگیں چلنے پھرنے سے معذور ہوگئی ہیں، معدہ ہضم نہیں کرتا، گردے کام نہیں کرتے، مثانہ کام نہیں کرتا، ظاہری اور باطنی قویٰ میں اِختلال پیدا ہوگیا ہے، چلو اب چھوڑو اس قصے کو، اس مصیبت کے گھر کو چھوڑو اور اَب آخرت کی فکر کرو، لیکن نہیں! کسی کا جی نہیں چاہے گا کہ اس کو چھوڑوں، پتا نہیں کہ اس میں کیا مٹھاس رکھی ہوئی ہے؟ حالانکہ یہاں مصائب پر مصائب ہیں، آفات ہیں، پریشانیاں ہیں، دُکھ ہی دُکھ ہیں، یہاں کی خوشی کم اور یہاں کا رنج زیادہ ہے، راحت کم، تکلیف زیادہ، اور جو راحتیں ہیں وہ ظاہری و باطنی مشقتوں اور تکلیفوں میں لپٹی ہوئی ہیں، خالص راحت جس کو کہنا چاہئے وہ کہیں نہیں ہے، لیکن ان تمام چیزوں کے باوجود ہے بہت میٹھی، بڑی سرسبز ہے، دِل کو بھاتی ہے، بلکہ لبھاتی ہے۔

دُنیا کی مثال نقش ونگار والے سانپ کی ہے:

شیخ عطار رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

زہر دار در دروں دُنیا چوں مار
گرچہ بینی ظاہرش نقش و نگار
زہر ایں مارِ منقش قاتل است
باشد ازوے دور ہر کو عاقل است

یعنی دُنیا کی مثال منقش سانپ کی سی ہے، اُوپر سے اس کی جلد بہت

خوبصورت نظر آرہی ہے، نقش و نگار نظر آتے ہیں، عقل مند آدمی اس کو دیکھ کر ڈر جاتا ہے کیونکہ اس کو معلوم ہے کہ یہ سانپ ہے، بہت زہریلا سانپ! لیکن ایک نادان بچہ، جس کو اس کی حقیقت کا پتا نہیں، وہ اس کے نقش و نگار کو دیکھ کر اس کو پکڑنے کی کوشش کرے گا، اسی لئے فرمایا کہ یہ دُنیا ظاہر میں منقش ہے لیکن اندر زہر بھرا ہوا ہے، ظاہر میں نادان اس کے نقش و نگار پر ریجھ جاتے ہیں، لیکن جو دانا اس کی حقیقت سے باخبر ہیں، وہ اس کے زہر سے خوف زدہ ہیں کہ:

"یہ منقش سانپ ہے، ڈَس جائے گا!"

اِمام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دُنیا اور دُنیا والوں کی مثال سانپ اور سپیرے کی ہے، جو اس کے دانت توڑ دیتا ہو، اس کا تریاق جانتا ہو، کہ اوّل تو وہ اس سانپ کے دانت توڑ دیتا ہے اور اس کو اس لائق ہی نہیں چھوڑتا کہ اسے کاٹ کھائے، علاوہ ازیں اس کو معلوم ہے کہ اگر سانپ کاٹ لے تو اس کا یہ توڑ ہے اور اس کا یہ علاج ہے، چنانچہ وہ سانپ کو کندھے پر اُٹھائے پھرتا ہے، سانپ اس کو کچھ نہیں کہہ سکتا، کیونکہ وہ اس کا تریاق جانتا ہے، اور جو بے چارہ سانپ کا تریاق نہیں جانتا، وہ اگر سانپ کو ہاتھ لگائے گا تو وہ اس کو کاٹ کھائے گا۔ یہی مثال ہے دُنیا کی اور دُنیا والوں کی، جو لوگ اس کے دانت توڑ دیتے ہیں اور اس کا علاج جانتے ہیں ان کو یہ سانپ ضرر نہیں پہنچاتا، لیکن جن لوگوں نے اس کا منتر نہیں سیکھا، اس کے دانت نہیں توڑے اور اس کے کاٹے کا علاج نہیں سیکھا، وہ ان کو کاٹ کھائے گا۔ چنانچہ ہماری یہی حالت ہے، نہ مال کمانے کے اَحکام سیکھے، نہ اس کو رکھنے کے آداب کا علم حاصل کیا، یہ بھی نہیں معلوم کہ مال کو کہاں اور کس طرح خرچ کیا جائے، کہاں خرچ نہ کیا

جائے؟ اسی کا نتیجہ ہے کہ اس دُنیا نے ہمیں کاٹ کھایا اور ہماری زندگی کے تمام اعضاء میں اس کا زہر پھیل چکا ہے، اس کا زہر کیا ہے؟ آخرت سے غفلت، ہمیں بس ایک ہی بات یاد ہے کہ: ''جی! بچوں کے لئے کمانا بھی تو فرض ہے!'' ہمیں بس یہی ایک فرض یاد رہا، باقی سب کچھ بھول گئے۔

حضرت جی مولانا محمد یوسف رحمہ اللہ (اَمیرِ تبلیغ) ایک بار بیان فرما رہے تھے، جوش میں آگئے، فرمانے لگے: تمہیں کس نے کہا تھا کمانے کو؟ کہ دُکانیں کھولو اور روٹی کماؤ؟ تم نے غلط سمجھا کہ کمانا بھی فرض ہے، جس طرح تم اندھا دُھند کماتے ہو یہ فرض نہیں بلکہ حرام ہے، پہلے کمانے کا ڈھنگ سیکھو، پھر روٹی کماؤ۔ حلال وحرام اور جائز و ناجائز کو پہچانو، پھر کماؤ۔ حلال اور حرام کی تم کو تمیز نہیں، جائز اور ناجائز کی تم کو پروا نہیں، تو تمہارے لئے کمانا حلال ہی نہیں، کہتے ہو کہ: ''کمانا بھی تو فرض ہے!''

بہرحال! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دُنیا میٹھی ہے، اللہ جل شانہٗ پہلے لوگوں کو لے گئے اور تمہیں ان کی جگہ لے آئے ہیں، یہاں تمہیں عیش اُڑانے کے لئے نہیں لائے ہیں، کہ یہ بچے ذرا یہاں کھاپی لیں اور عیش اُڑالیں، نہیں! بلکہ اس لئے لائے ہیں کہ اللہ تعالیٰ یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ یہاں سے تم نے اگلے سفر کے لئے اعمال کا کیا توشہ لیا؟ اور تم نے یہاں رہ کر اپنے سے پہلے لوگوں کی حالت سے بھی عبرت حاصل کی ہے کہ نہیں؟ لیکن ہم میں سے اکثر ایسے ہیں جنھوں نے اپنے سے پہلے لوگوں کے حال سے کوئی عبرت حاصل نہیں کی، اللہ جل شانہٗ ہمیں معاف فرمائیں، ہماری اس غفلت کو معاف فرمائیں۔

زندگی کے پانچ دور:

میرے بھائیو! یہ دُنیا کی زندگی بہت مختصر سا وقفہ ہے جو تمہیں دیا گیا ہے، آج کے اخبار میں آپ نے پڑھا ہوگا، میں نے گورنر پنجاب کے نام خط لکھا ہے، جس میں دُنیا کی حقیقت کو ذکر کیا ہے کہ ماں کے پیٹ کا وقفہ، اس کے بعد دُنیا کی زندگی کا وقفہ، پھر قبر میں رہنے کا وقفہ، پھر حشر کے میدان کا وقفہ، پھر اس کے بعد ابدی زندگی: جنت یا جہنم۔ یہ پانچ وقفے یا یوں کہو کہ تمہاری زندگی کی پانچ منزلیں ہیں، ماں کے پیٹ میں آئے تھے تو چار مہینوں تک تو پہلے پانی کی شکل میں رہے، پھر جمے ہوئے خون کی شکل میں، پھر گوشت کے لوتھڑے کی شکل میں، پھر بے جان دھڑ کی شکل میں رہے، جس کی کوئی قیمت ہی نہیں تھی، چار مہینے بعد رُوح ڈال دی گئی، اب تم انسان بن گئے، یہاں سے تمہاری زندگی شروع ہوئی، لیکن ماں کے پیٹ کی یہ زندگی ایسی زندگی تھی کہ عقلاء اس کو زندگی ہی نہیں سمجھتے، کیسی تنگی اور تاریکی کی زندگی تھی؟ لیکن یہ نادان اسی زندگی پر مطمئن تھا، چنانچہ وہاں سے آتے ہوئے بھی یہ رو رہا تھا اور یوں سمجھ رہا تھا کہ میرا جہان مجھ سے چھڑا رہے ہیں، میری زندگی مجھ سے چھین رہے ہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ چیونٹی کے انڈے کے اندر جو بچہ ہے اس کے لئے انڈے کا خول ہی زمین و آسمان ہے، اور وہ یوں سمجھتا ہے کہ اس سے بڑا آسمان اور زمین اس دُنیا میں ہے ہی نہیں، اور نہ ہوسکتا ہے۔ بالکل یہی حال ہمارا یہاں دُنیا کی زندگی میں قدم رکھنے کے بعد ہوا، ہم نے یہاں آکر زمین و آسمان کو دیکھا تو سمجھ لیا کہ اس سے بڑی دُنیا ہو ہی نہیں سکتی، چنانچہ زندگی کے اگلے ادوار، یعنی عالمِ برزخ، عالمِ حشر اور جنت و دوزخ کو بھول بھال گئے۔ انبیائے کرام علیہم السلام نے اور ان کے سچے جانشینوں نے ہمیں یاد دِلایا کہ اس ”بیضۂ مور“ (چیونٹی کے انڈے) میں دِل

نہ لگاؤ، اس زندگی کو زندگی سمجھ کر اگلی زندگی کو نہ بھول جاؤ، لیکن ہم نے اس زندگی کی ترقیات کو کمال سمجھ لیا، اور جو حضرات اس زندگی سے منہ موڑ کر آخرت کی زندگی کی طرف متوجہ ہونے کی تعلیم دیتے ہیں، ان کا مذاق اُڑانا شروع کردیا۔ اچھی بات ہے! کھاؤ، کماؤ، مُلّاؤں کا مذاق اُڑاؤ، کہ: ''یہ کچھ نہیں کماتے کھاتے، ڈگریاں حاصل نہیں کرتے، دُنیا کی ترقیات سے روکتے ہیں'' بہت جلد تم کو معلوم ہوجائے گا کہ یہ مُلّا مذاق اُڑانے کے لائق تھے یا تم خود مابدولت اس لائق تھے کہ تمہارا مذاق اُڑایا جائے؟ شب و روز ہمارے سامنے عبرت کے نمونے ظاہر ہوتے رہتے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمیں عبرت نہیں ہوتی۔

دُنیا کی ڈگریوں کا انجام:

میرے پاس پرسوں ایک صاحب آئے، کہنے لگے کہ: ''امریکا سے چھ لاشیں آرہی ہیں، تابوتوں کی شکل میں، تو کیا ان تابوتوں کو کھول کر دفن کیا جائے یا ایسے ہی یعنی بغیر کھولے دفن کیا جائے؟'' میں نے کہا کہ: اگر لاشیں کچھ اچھی حالت میں ہوں تو کھول کر دفن کیا جائے، اور اگر اچھی حالت میں نہیں تو پھر ایسے ہی تابوت سمیت ہی دفن کردی جائیں، لیکن لاش کی بے حرمتی نہ کرو۔ وہ کہنے لگے: ان چھ میں سے دو لاشیں سگے بھائیوں کی ہیں، ایک بھائی انجینئرنگ کی اعلیٰ ڈگری حاصل کرنے کے لئے امریکا گیا تھا، اور دُوسرے نے میڈیکل کی سب سے بڑی ڈگری حاصل کرلی تھی اور اِنگلستان کی حکومت نے اسے وہاں پر ملازمت دے دی تھی، (یہ بھائی اس انجینئرنگ کرنے والے بھائی کو ملنے امریکا گیا تھا) بڑی اُونچی تنخواہ تھی، بڑا اُونچا عہدہ تھا، بڑی اعلیٰ تعلیم اور بڑی اُونچی ڈگری تھی، بھائی سے ملنے امریکا گیا تھا،

دونوں بھائی کہیں گھومنے گئے، وہیں ختم ہوگئے، انا للہ وانا الیہ راجعون! بس یہی قیمت تھی ان ڈگریوں کی جن پر ناز کر رہے تھے؟ اس زندگی کی یہی قیمت تھی جس پر ناز کر رہے ہو؟ اور یہ بے چارے تو ابھی نوجوان ہی تھے کہ دھر لئے گئے، لیکن میں پوچھتا ہوں کہ کیا ہم میں سے ہر ایک کی زندگی کا یہی نقشہ نہیں ہے...؟

دُنیا کی زندگی آخرت کے مقابلے میں:

کسی کی پچاس سال کی زندگی تھی، کسی کی ساٹھ سال کی، کسی کی اَسّی سال کی، اور ماں کے پیٹ میں وہ پانچ مہینے کی زندگی تھی، اس زندگی کو ذرا اَسّی سال کی زندگی پر تقسیم کرو تو یہ ماں کے پیٹ والی زندگی اس پچاس، ساٹھ اور اَسّی سالہ زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر نظر آئے گی؟ اور ہم میں سے ہر شخص اس پیٹ والی زندگی کے بارے میں کہے گا کہ: ''بھلا وہ زندگی بھی کوئی زندگی تھی؟'' اچھا اب آگے چلئے، یہاں اَسّی برس گزار کر ہم قبر میں پہنچ گئے، وہاں آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وقت سے آج تک لوگ قبروں میں پڑے ہوئے ہیں، اور ابھی خدا جانے کب تک پڑے رہیں گے؟ اب اِس دُنیا کی زندگی کو اُس قبر کی طویل زندگی پر تقسیم کرو تو ہماری یہ دُنیا کی زندگی اس برزخی زندگی کے مقابلے میں کتنی مختصر معلوم ہوگی؟ اور وہ برزخ کی زندگی بھی، خواہ دُنیا کی زندگی کے مقابلے میں کتنی ہی طویل نظر آئے لیکن وہ دائمی نہیں، بلکہ ایک دن وہ بھی کٹ جائے گی، اس کے بعد ایک دن آنے والا ہے حشر کا، جس کا ایک دن پورے پچاس ہزار سال کا ہے، اب برزخ کی زندگی کو (قبر والی زندگی کو)، اس روزِ حشر کے پچاس ہزار سال پر تقسیم کرو تو برزخ کی زندگی کالعدم نظر آئے گی، پھر اس پچاس ہزار سال والے دن کے بعد اصل زندگی اب شروع ہونے

والی ہے۔ قیامت کا دن ختم ہوگا تو وہ زندگی شروع ہوگی جو دائمی اور ابدی ہے، جس کا کوئی سرا ہی نہیں، کوئی انتہا ہی نہیں، تمہاری سوچ وفکر سوچتے سوچتے تھک جائے گی لیکن وہ زندگی ختم نہیں ہوگی۔ انبیائے کرام علیہم السلام ہمیں اس زندگی کی دعوت دیتے ہیں جو لازوال ہے، جو اَبدی ہے، جو کبھی ختم ہونے والی نہیں۔ اس زندگی کی کامیابی کی دعوت دیتے ہیں اور وہاں کی ناکامی سے ڈراتے ہیں، یعنی ان اعمال سے تم وہاں کی زندگی میں کامیاب ہوجاؤ گے اور ان اعمال سے تم وہاں ناکام ہوجاؤ گے، یہ حضرات ہمیں اس زندگی کی کامیابی اور ناکامی سے بچنے کی دعوت دیتے ہیں، اور ہماری اس دُنیا کی زندگی کو زندگی نہ سمجھنے کی دعوت دیتے ہیں، چونکہ لوگوں کو ان حضرات کی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی اس لئے کفار کہتے تھے کہ یہ پاگل ہے، مجنون ہے، دیوانہ ہے، اور نہ جانے کیا کیا کہتے تھے۔ انبیائے کرام علیہم السلام کے وقت کی بات تھی، آج تم نے، ہاں! مسلمان کہلانے والوں نے کہا کہ: ''یہ مُلَّا ہے، یہ صوفی ہے، یہ دورِ حاضر کے تقاضوں سے بے خبر ہے، اس کو کچھ پتا نہیں کہ دُنیا کہاں سے کہاں پہنچ گئی ہے؟ یہ صوفی و مُلَّا آج تک بسم اللہ کے گنبد میں بند ہے''، ''مسجد کے مینڈھے''، ''قل اعوذیئے'' اور نہ جانے کیا کیا خطاب تم غریب مُلَّا کے لئے تجویز کرتے ہو، جس کا قصور صرف اتنا ہے کہ وہ آج وہی بات کہہ رہا ہے جو اپنے وقت میں انبیائے کرام علیہم السلام کہتے آئے ہیں۔

دُنیا سے آخرت کا توشہ حاصل کرو:

تو یہ دُنیا میٹھی ہے، سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں یہاں اس لئے لارہے ہیں اور تمہیں پہلوں کا جانشین بنارہے ہیں کہ تم کچھ عبرت حاصل کرو اور دیکھو

کہ یہاں سے کیا توشہ لے کر جارہے ہو؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو ذرغفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا تھا:

''اے ابو ذر! توشہ لے لینا، کیونکہ سفر بہت لمبا ہے، اور ذرا بوجھ ہلکا رکھنا کیونکہ گھاٹی بڑی دُشوار گزار ہے'' جس پر چڑھنا ہے، کمر پر سارا بوجھ لاد کر چڑھنا پڑے گا۔ قرآنِ کریم میں ہے: ''اور وہ لادے ہوئے ہوں گے بوجھ اپنی کمروں پر۔''

مشکوٰۃ شریف (صفحہ:۴۴۳) میں حدیث ہے کہ:

''عن اُمّ الدرداء قالت: قلت لأبی الدرداء: مالک لا تطلب کما یطلب فلان؟ فقال: انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول: ان أمامکم عقبة کؤودًا لا یجوزها المثقلون۔ فأحب ان اتخفف لتلک العقبة۔''

ترجمہ:...''حضرت اُمّ الدرداء رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے اپنے شوہر ابو الدرداءؓ سے کہا کہ: آپ کیوں روزی نہیں کماتے جیسا کہ فلاں شخص کماتا ہے؟ کہنے لگے: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ: تمہارے آگے ایک گھاٹی ہے، بہت دُشوار گزار، جن کا بوجھ بھاری ہوگا وہ اس گھاٹی کو عبور نہیں کرسکیں گے۔ اس لئے میں اس گھاٹی کی خاطر اپنا بوجھ ذرا ہلکا رکھنا چاہتا ہوں۔''

اور حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: ''عمل ذرا خالص لے کر جانا، اس لئے کہ پرکھنے والا بڑا باریک بین ہے۔'' وہاں کھوٹ نہیں چلے گا۔

اس دفعہ دورانِ طواف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک دُعا بہت یاد آئی

اور میں اکثر اسی کو پڑھتا رہا:

”وَاَسْئَلُکَ نَفْسًا بِکَ مُطْمَئِنَّۃً تُؤْمِنُ بِلِقَآئِکَ وَتَرْضٰی بِقَضَائِکَ وَتَقْنَعُ بِعَطَآئِکَ۔“

ترجمہ:... ”یا اللہ! میں آپ سے مانگتا ہوں ایسا نفس جو آپ پر مطمئن ہوجائے، جو آپ کی ملاقات پر اِیمان رکھتا ہو، اور جو آپ کے قضا اور قدر کے فیصلوں پر راضی ہو، اور جو آپ کی عطا پر قناعت کرلے (کہ جتنا میرے مالک نے دیا ہے وہ میرے لئے بہت کافی ہے، بس اس سے زیادہ نہیں چاہئے، بس یہی بہت ہے)۔“

عورتوں کا فتنہ:

جس خطبے کو میں نے شروع میں ذکر کیا تھا اس میں دُنیا کے بے ثباتی ذکر کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

”خبردار! پس دُنیا سے ڈرو اور عورتوں سے ڈرو!“

یعنی ان کے فتنے سے بچو، کیونکہ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتوں سے ہوا۔ مشہور ہے کہ تین چیزیں فساد کی جڑ ہیں: زَن، زَر اور زمین۔ دُنیا میں جتنے بھی فتنے ہو رہے ہیں ان تین چیزوں کی وجہ سے ہیں، یا عورت کا چکر ہے، یا زَر کا، یا زمین کا۔ یہ بھی دُنیا کی ایک مثال ہے کہ ان چیزوں سے آدمی جیسا دھوکا کھاتا ہے، ویسا ہی دُنیا سے دھوکا کھاتا ہے، خاص طور سے عورتوں کا فتنہ بڑا سخت ہے۔

مشکوٰۃ شریف میں صحیح بخاری و مسلم کے حوالے سے حدیث منقول ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”میں نے اپنے بعد کوئی ایسا فتنہ نہیں چھوڑا جو مردوں کے حق میں عورتوں سے زیادہ مضر ہو۔“

یعنی مردوں کے حق میں سب سے زیادہ نقصان دہ فتنہ عورتوں کا ہے، پس دُنیا پر فریفتہ ہوکر اللہ تعالیٰ کو اور اپنی عاقبت کو نہ بھول جاؤ، راہِ حق سے برگشتہ نہ ہوجاؤ اور زَر، زمین اور عورتوں کے فتنے میں مبتلا ہوکر دِین سے ہاتھ نہ دھوبیٹھو...!

خاتمے کے لحاظ سے لوگوں کی چار قسمیں:

اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

”لوگ چار قسم کے ہوتے ہیں، ایک آدمی مؤمن پیدا ہوتا ہے، مؤمن جیتا ہے اور مؤمن مرتا ہے۔“

اللہ جل شانہٗ ہم سب کو ان میں سے کردے، آمین! پیدا بھی مسلمان کے گھر میں ہوا، الحمدللہ زندگی بھی مسلمانوں والی گزاری، اور الحمدللہ موت بھی مسلمانوں والی آئی، اللہ جل شانہٗ یہ بھی نصیب فرمائے، یہ سب سے بڑا خوش قسمت ہے۔

”دُوسرا شخص وہ جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا اور کافر مرا، (نعوذ باللہ! یہ سب سے بدتر شخص ہے)۔ تیسرا وہ شخص جو کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن مرا، (اس کی خوش قسمتی کہ خاتمہ ایمان پر ہوا)۔ اور چوتھا آدمی اس کے برعکس کہ مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر مرا (نعوذ باللہ!)۔“

بُرے خاتمے سے اللہ جل شانہٗ پناہ میں رکھے، عملوں کا مدار خاتموں پر ہے، اگر خاتمہ اچھا ہوا تو آدمی اچھا رہا، اور اگر نعوذ باللہ خاتمہ بُرا ہوا تو پہلے کی اچھائی کا کوئی اعتبار نہیں، اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے، ایسا شخص تو مارا گیا، اگر خدانخواستہ خاتمہ اچھا نہیں ہوا تو اس کے نماز اور روزے کا، حج اور زکوٰۃ کا کوئی اعتبار نہیں، اس لئے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرماتے تھے:

”اَللّٰھُمَّ اجعَلُ اَوسَعَ رِزُقِک عَلَیَّ عِندَ کِبَرِ سِنّیِ وَانُقِطَاعِ عُمُرِی، وَاجعَلُ خَیرَ عُمُرِی اٰخِرَہٗ وَخَیرَ عَمَلِیُ خَوَاتِیمَہٗ وَخَیرَ اَیَّامِیُ یَومَ اَلُقَاکَ فِیہِ۔“

(کنز العمال ج:۲ ص:۱۸۸ حدیث:۳۶۸۲)

ترجمہ:... ”یا اللہ! اپنا سب سے زیادہ وسیع رزق مجھے اس وقت عطا فرمانا جب میری عمر زیادہ ہوجائے (میں بڑھا ہوجاؤں، اور زندگی ختم ہونے والی ہو) یا اللہ! میری عمر کا سب سے اچھا حصہ اس کو بنا جو میری عمر کا سب سے آخری حصہ ہو، یا اللہ! میرے اعمال میں سب سے بہتر عمل اس عمل کو بنا جس پر میرا خاتمہ ہو، اور میرا سب سے بہتر دن اس دن کو بنا جس دن میں آپ سے ملاقات کروں (یعنی موت آئے)۔“ (آمین یا ربّ العالمین!)

بہرحال اعتبار خاتمے کا ہے، اور یہ وہ بات ہے جس نے عارفین کی کمر توڑ رکھی ہے، اور وہ سوءِ خاتمہ سے ترساں ولرزاں رہتے ہیں، کہ خدا جانے کس حالت میں خاتمہ ہو؟ (یا اللہ! ہمیں حسنِ خاتمہ نصیب فرما، اور سوءِ خاتمہ سے پناہ عطا فرما) اس لئے فرماتے ہیں کہ اپنی طاعت وعبادت پر ناز نہ کرو، اور کسی گناہگار کو دیکھ کر اسے نظرِ حقارت سے نہ دیکھو اور اسے حقیر نہ جانو، اگر تم اچھے راستے پر لگ گئے ہو تو یہ تمہارا کمال نہیں، میرے مالک کا کرم ہے، اس کی عنایت ہے، اس کا لطف ہے۔

شیخ ابوعبداللہ مغربیؒ کا عبرتناک واقعہ:

حضرت مفتی محمد شفیع رحمہ اللہ نے کسی زمانے میں ایک رسالہ شائع کیا تھا، اب شاید کم چھپتا ہے، کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے، اس میں اس قصے کو بڑی تفصیل سے لکھا تھا، اور ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے بھی اس واقعے کو لکھا ہے مگر مختصر، حضرت

حکیم الاُمتؒ نے بھی لکھا ہے مگر مختصر، اور میں مختصر کا بھی مختصر سنادیتا ہوں۔

شیخ ابوعبداللہ مغربی رحمہ اللہ ایک بزرگ تھے، بہت بڑے عالم، بہت بڑے محدث، بہت بڑے شیخ، ہزاروں لوگ ان کے حلقۂ درس میں ہوتے تھے اور لاکھوں ان کے مرید تھے۔ ایک بار اپنے مریدوں کے ساتھ کہیں جارہے تھے، ایک بستی میں پہنچے، یہ عیسائیوں کی بستی تھی، لڑکیاں کنویں پر پانی بھر رہی تھیں، ایک لڑکی پر شیخ کا دِل آگیا، اپنے ساتھیوں سے کہنے لگے کہ: ''تم لوگ تو جاؤ، میں تو یہیں رہوں گا!'' مریدوں میں کہرام مچ گیا، شیخ بھی رو رہے تھے لیکن کہہ رہے تھے کہ: ''قضا و قدر کا وقت ہے، اس لڑکی کی محبت میرے دِل میں گھر کرگئی ہے، جب تک اس لڑکی کو حاصل نہیں کروں گا یہاں سے قدم آگے نہیں بڑھاؤں گا، تم جاؤ!'' لڑکی کے والد کو پیغام دیا، وہ کہنے لگا: ''دو شرطیں ہیں، ایک یہ کہ عیسائی ہوجاؤ، زنار پہن لو، اور دُوسری یہ کہ ایک سال تک جنگل میں سوَر چراؤ'' شیخ نے کہا: ''مجھے منظور ہے!'' نعوذ باللہ! عیسائی ہوگئے، اور جنگل میں خنزیر چرانے لگے، کچھ عرصہ بعد ایک شاگرد، مرید اور خلیفہ کو خیال آیا کہ شیخ کو دیکھنا تو چاہئے کہ کس حالت میں ہیں؟ جنگل میں پہنچے تو دیکھا کہ خنزیر چرا رہے ہیں، وہی عصا جس کو ہاتھ میں لے کر شیخ خطبہ پڑھا کرتے تھے، اسی پر ٹیک لگاکر سوَر چرا رہے ہیں، اس مرید نے سلام کیا، انہوں نے ''وعلیکم السلام'' سے جواب دیا، مرید نے کہا کہ: ''حضور! قرآن کے حافظ تھے، کوئی آیات یاد ہے؟'' کہا: ''کچھ یاد نہیں، سورۃ الفاتحہ سے والناس تک سب بھول گیا ہوں، کچھ بھی یاد نہیں رہا، بس ایک آیت کا ٹکڑا یاد ہے: ''مَنْ یُّضْلِلِ اللہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ'' یعنی جس کو اللہ جل شانہٗ گمراہ کردے اس کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتا۔

پوچھا کہ: ''آپ احادیث کے بھی حافظ تھے، کوئی حدیث یاد ہے؟'' کہا: ''کچھ یاد نہیں، صرف ایک حدیث یاد ہے: مَنْ بَدَّلَ دِیْنَہٗ فَاقْتُلُوْہُ!'' یعنی جو شخص اپنے

دِین کو تبدیل کر کے مرتد ہو جائے، اس کو قتل کر دو۔

پوچھا کہ: ''حضرت! کیا بات ہوئی کہ ایمان سلب ہو گیا؟'' فرمایا: ''جب ہم بستی میں داخل ہوئے اور ان لوگوں کو دیکھا تو میرے دِل میں خیال آیا کہ کیسے گندے لوگ ہیں، احمق لوگ ہیں، کیسا گندا مذہب ان لوگوں نے اِختیار کر رکھا ہے، ان کو اتنی بھی عقل نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر ایک بندے کو خدا بنا رکھا ہے؟ فوراً غیرتِ اِلٰہی جوش میں آئی اور فرمایا کہ: تم نے اس ہدایت کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ ایمان کو اپنا کمال سمجھا ہے؟ یہ تمہارا کمال نہیں، ہماری عطا ہے۔ اور جب اس لڑکی پر نظر پڑی تو ایسا لگا کہ دِل سے ایک پرندہ اُڑ کر نکل گیا، اور وہ ایمان تھا، اب میں خالی ہوں۔'' یہ رو دھو کر واپس آگئے، ان کے مریدوں نے گڑگڑا کر دُعا کی، اُدھر شیخ بھی اتنا روئے کہ ان کی گریہ و زاری کو دیکھ کر خنزیر بھی رونے لگے، اللہ تعالیٰ نے ان کی گریہ و زاری سن لی اور دوبارہ نورِ اِیمان عطا فرمادیا، یہ وہیں جنگل سے بھاگ کھڑے ہوئے، آگے ایک دریا پڑتا تھا، مرید وہاں پہنچے، تو دیکھا کہ شیخ دریا میں غسل فرما رہے ہیں، یہ قریب آئے تو شیخ نے کہا کہ: ''مجھے کوئی چادر لنگی پاک کپڑا دو'' بہرحال لمبا قصہ ہے، وہ لڑکی بھی مسلمان ہو کر آگئی، شیخ نے ان کو اپنی خانقاہ کے ایک حجرے میں ٹھہرا دیا اور کہا کہ: ''دُنیا میں ملاقات نہیں ہوسکتی، آخرت میں ہوگی''۔

اپنے آپ کو سب سے بدتر سمجھو:

الغرض! اپنی اچھی حالت پر ناز نہ کرو، اور دُوسروں کو اپنے سے اچھا جانو، اسی بنا پر اِمامِ ربانی مجدّد الف ثانی رحمہ اللہ فرماتے تھے کہ:

''بندہ حقیقتِ تقویٰ تک نہیں پہنچ سکتا جب تک اپنے آپ کو کافرِ فرہنگ سے بھی بدتر نہ سمجھے۔''

جس کو تم فرنگی کافر سمجھتے ہو، کیا پتا اس کا خاتمہ کس طرح ہوتا ہے؟ اور کیا معلوم کہ تمہارا خاتمہ کیسا ہو؟ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنا چاہئے اور اِیمان کی سلامتی کی

دُعا مانگتے رہنا چاہئے، ناز کرنے کا کوئی مقام نہیں ہے، ایمان کی سلامتی میسر آجائے اور اِیمان پر خاتمہ نصیب ہوجائے تو بڑی دولت ہے، ورنہ سب کچھ ہیچ اورلغو ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک بادشاہ اپنے وزیر کے ساتھ جارہا تھا، راستے میں ایک درویش ملے، جو اپنی کٹیا سے باہر بیٹھے تھے، پاس ان کا کتا تھا، بادشاہ نے درویش کو چھیڑنے کے لئے کہا کہ: ''میاں درویش! تم اچھے ہو یا تمہارا کتا؟'' درویش کہنے لگے کہ: ''بادشاہ سلامت! میرے سامنے ایک گھاٹی ہے، جس کو موت کہتے ہیں، اگر میں اس گھاٹی سے ایمان سلامت لے گیا تو اِن شاء اللہ میں کتے سے اچھا ہوں، ورنہ کتا مجھ سے اچھا ہے۔''

الغرض! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہٗ نے لوگوں کو چار قسم کا پیدا کیا ہے، ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا اور مؤمن مرا۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا اور کافر ہی مرا، نعوذ باللہ۔ اور ایک کافر پیدا ہوا، کافر جیا، لیکن مؤمن ہوکر مرا۔ اور ایک مؤمن پیدا ہوا، مؤمن جیا، لیکن کافر ہوکر مرا، نعوذ باللہ!

ایک جنتی جس نے ایک بھی نماز نہیں پڑھی:

رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کسی جہاد میں تشریف لے گئے تھے، وہاں ایک صاحب آئے کہنے لگے: ''میں بھی مسلمان ہونا چاہتا ہوں!'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مسلمان کرلیا، جہاد ہو ہی رہا تھا، جہاد میں شریک ہوا اور شہید ہوگیا، ایک بھی نماز نہیں پڑھی، ایک بھی نماز اس پر فرض نہیں ہوئی، مسلمان ہوا شہید ہوگیا، نہ معلوم کتنی زندگی کفر میں گزاری ہوگی؟

غصّے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں:

اس کے بعد فرمایا کہ:

''غصّے کے اعتبار سے لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک

وہ آدمی ہے جس کو بڑی دیر سے غصہ آتا ہے اور فوراً ہی اُتر جاتا ہے، فرمایا: یہ شخص سب سے افضل ہے۔''

مجھے ایسے لوگوں پر بڑا رشک آتا ہے کہ ان کو کبھی غصہ ہی نہیں آتا ہے، اور آئے بھی تو وہ بھی بس وقتی غصہ ہوتا ہے کہ دُوسرے وقت میں اس کا کوئی اثر نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سب سے بہتر ہے، سب سے اچھا آدمی ہے، جس کو بہت دیر سے غصہ آئے اور فوراً ہی اُتر جائے۔

دُوسرا وہ ہے جس کو بہت جلدی غصہ آتا ہے اور جب آتا ہے تو اُترتا بھی نہیں، بہت دیر کے بعد غصہ جاتا ہے۔

اس غریب کی ہر ایک کے ساتھ لڑائی رہتی ہے، کیونکہ ہر آدمی کے مزاج کے خلاف تو کوئی نہ کوئی بات پیش آئے گی، اس غریب کی مصیبت یہ ہے کہ جس سے ایک دفعہ غصہ ہوگیا پھر مان جانے کی کوئی صورت نہیں، ناراضگی دُور نہیں ہوتی، فرمایا: یہ بدترین آدمی ہے جس کو غصہ فوراً آئے اور غصہ آنے کے بعد جانے کا نام نہ لے۔

ایک وہ آدمی ہے جس کو دیر سے غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی دیر سے ہے، ایک وہ ہے جس کو جلدی غصہ آتا ہے اور اُترتا بھی جلدی ہے، یہ دونوں برابر ہیں کہ ان میں ایک اچھائی ہے اور ایک عیب۔

غصّے کا سبب اور اس کا علاج:

ارشاد فرمایا کہ:

''غصہ دراصل آگ کا انگارہ ہے، جو آدمی کے دِل پر رکھ دیا جاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ اس کی رگیں کیسی پھول جاتی ہیں اور اس کی آنکھیں کیسی سرخ ہوجاتی ہیں؟ سو اگر کسی شخص کو غصّے کی کیفیت پیش آئے تو اسے چاہئے کہ لیٹ جائے اور زمین

سے چپک جائے۔“

گویا غصّے کا علاج یہ ہے کہ کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔ ہوتا اس کے اُلٹ ہے، کہ غصّے میں لیٹا ہوا آدمی اُٹھ بیٹھتا ہے، بیٹھا ہو تو کھڑا ہو جاتا ہے، کھڑا ہو تو آستین چڑھا کر لڑنے کے لئے آگے بڑھتا ہے۔ ہر چیز کا علاج بالضد ہوتا ہے، غصّے کا علاج بھی یہ ہے کہ اس کے مقتضا کی ضد پر عمل کرے، یعنی کھڑے ہو تو بیٹھ جاؤ، بیٹھے ہو تو لیٹ جاؤ۔

آپ نے دیکھا ہوگا کہ جب دو آدمی لڑتے ہیں تو لوگ جب کسی کو پکڑتے ہیں تو وہ کہتا ہے کہ: ”چھوڑ دو مجھے!“ لوگ پکڑ رہے ہیں مگر وہ کہتا ہے: ”چھوڑو مجھے!“ ہاتھوں سے نکلا جاتا ہے، یہ غصّے کا اثر ہے۔ تو غصّے کا علاج یہ ہے کہ زمین پر لیٹ جاؤ اور اس کو لازم پکڑو۔ اس کی ایک تو ظاہری خاصیت ہے، اور ایک باطنی خاصیت ہے۔ ظاہری خاصیت تو یہ ہے کہ تجربہ ایسا ہے کہ اگر آدمی لیٹ جائے گا تو غصّے پر عمل نہیں ہوسکے گا، کھڑا ہے تو بیٹھ جائے گا تو بھی غصّے پر عمل نہیں ہوسکے گا، اور یوں غصّے کا علاج اس کی ضد پر عمل کرنا ہوا، اور باطنی خاصیت یہ ہے کہ زمین ہماری ماں ہے، اور یہ ہمارے سارے بوجھ کو برداشت کرتی ہے، چنانچہ ارشادِ الٰہی ہے:

”اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ کِفَاتًا۔ اَحْیَآءً وَّاَمْوَاتًا۔“

(المرسلات:۲۵، ۲۶)

ترجمہ:... ”کیا ہم نے نہیں بنایا زمین کو سمیٹنے والی، تمہارے زندوں کو بھی مردوں کو بھی۔“

یہ زمین سب کو سمیٹتی ہے، لوگ نہ جانے اس پر کیا کیا مارتے ہیں، مگر برداشت کرتی ہے، تو مٹی کے اندر سکون ہے، وقار ہے، تواضع ہے، اور پھر ہماری ماں بھی ہے، تو جتنا ماں کی گود کے قریب آؤ گے، اتنے زیادہ اس شر سے محفوظ رہو گے، اور

اتنا ہی تم میں حلم اور وقار پیدا ہوگا، تواضع پیدا ہوگی، اب اس تفصیل کا موقع نہیں کسی دُوسرے وقت میں اِن شاء اللہ بیان کروں گا کہ غصّے کی اصل کبر ہے، جس کی وجہ سے غصہ آتا ہے، لہٰذا اپنے سے چھوٹے پر غصہ آتا ہے بڑے پر نہیں آتا، تو اگر آدمی کے اندر عجز اور تواضع پیدا ہوجائے، مسکنت پیدا ہوجائے، سکون پیدا ہوجائے، وقار پیدا ہوجائے تو پھر غصّے کا علاج ہوجائے گا۔ یہاں یہ بات بھی یاد رہنی چاہئے کہ ایک تو غصّے کی کیفیت طبعی ہے کہ غصہ آدمی کے اندر اُبھرتا ہے اور جوش مارتا ہے، یہ تو ایک طبعی بات ہے، چونکہ یہ غیر اِختیاری چیز ہے اس لئے اس پر تو مؤاخذہ نہیں ہے، پکڑ نہیں ہے۔ اور ایک ہے اپنے غصّے پر عمل کرنا، چاہے زبان سے ہو یا ہاتھ پاؤں سے، اس پر مؤاخذہ ہے، اور اسی لئے اسے رفع کرنے کی تدبیر بتانے کی ضرورت پیش آئی۔

غصّے کو رفع کرنے کی تدبیر پیش کرنے کی ضرورت اس لئے پیش آئی کہ جب آدمی غصّے میں ہوتا ہے تو ایک جنون کی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے، آدمی آپے میں نہیں رہتا، اس سے ناشائستہ حرکات صادر ہوجاتی ہیں، اور اس کی زبان سے ناشائستہ الفاظ نکل جاتے ہیں، بے قابو ہوجاتا ہے، اس لئے غصّے کا علاج ضروری ہے، اور غصّے کا علاج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زمین کے قریب ہوجاؤ، جس سے تم میں مسکنت پیدا ہوگی، اور اس رذیلے کی اصلاح ہوجائے گی۔

حافظ ابنِ قیمؒ نے لمبی فہرست دی ہے غصّے کے علاج کی، انہی میں سے ایک یہ ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لو، اور یہ بھی حدیث میں آتا ہے کہ ٹھنڈا پانی پی لوگے تو تم میں خنکی پیدا ہوجائے گی اور اندر جو غصّے کی آگ بھڑک رہی ہے وہ بجھ جائے گی۔

اور ایک علاج یہ ہے کہ ''لا حول ....'' پڑھو، لیکن ''لا حول'' کا پڑھنا صرف لفظوں کے اعتبار سے نہیں بلکہ معنی کا تصوّر کرتے ہوئے، اس لئے کہ غصہ شیطان کے

اُبھارنے اور چوکا دینے سے پیدا ہوتا ہے، اس لئے اس کو ''نزغۂ شیطان'' فرمایا گیا ہے، تو ''لاحول ولاقوۃ اِلَّا باللّٰہ'' پڑھو تاکہ شیطانی اثرات دُور ہوجائیں۔

ادائے قرض میں لوگوں کی چار قسمیں:

پھر فرمایا کہ: قرض ادا کرنے اور وصول کرنے کے لحاظ سے بھی لوگوں کی چار قسمیں ہیں، ایک وہ شخص ہے کہ اگر کسی کا قرض دینا ہو تو بہت اچھے طریقے سے ادا کرتا ہے کہ سامنے والے سے بار بار چکر نہیں لگواتا، بلکہ خود ہی بروقت ادا کردیتا ہے، لیکن کسی سے وصول کرنا ہو تو اس میں ذرا بھی رواداری نہیں کرتا، بلکہ بُری طرح تقاضا کرتا ہے، فرمایا کہ: اس کی تو ایک اچھی عادت بُری عادت کے مقابلے میں ہوگئی، کہ بروقت قرض ادا کرنا بڑی اچھی بات ہے، جبکہ سختی سے وصول کرنا بُری بات ہے، تو اس شخص میں ایک اچھی بات پائی گئی اور ایک بُری، یوں اس کا معاملہ برابر کا رہا۔

اور دُوسرا آدمی وہ ہے کہ کسی کو قرضہ دینا ہو تو بُری طرح دیتا ہے، دُوسرے کو پریشان کرکے دیتا ہے، لیکن کسی سے لینا ہو تب بھی سختی نہیں کرتا، یہاں بھی ایک اچھی عادت ایک بُری عادت کے ساتھ مل کر معاملہ برابر کا ہوگیا۔

اور تم میں سب سے بہتر اور سب سے اچھا آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا دینا ہو تو فوراً دے، بروقت دے، بغیر مانگے کے دے، اور کسی سے لینا ہو تو سختی سے تقاضا نہ کرے۔ یہ تیسرے نمبر کا آدمی ہوا جو سب سے بہتر اور سب سے اچھا ہے کہ اس میں دونوں خوبیاں پائی جاتی ہیں، ادا کرنے کی خوبی یہ کہ بروقت ادا کرے، اور وصول کرنے کی خوبی یہ کہ اس میں سختی نہ کرے۔

اور تم میں سب سے بدتر آدمی وہ ہے کہ اگر کسی کا قرض ادا کرنا ہو تو دینے کا نام نہ لے، اور اگر کسی سے لینا ہو تو سختی بلکہ فحش کلامی کے ساتھ تقاضا کرے اور اس معاملے میں ذرا بھی رُو رعایت نہ کرے، یہ چوتھا آدمی سب سے بدتر ہے کہ اس نے

دونوں بُرائیاں جمع کرلیں، قرض لے کر واپس نہ کرنے کی بُرائی بھی، کہ واپس کرنے کا نام ہی نہیں لیا، اور کسی سے قرض وصول کرنے کی بُرائی بھی، کہ نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ قرض کا تقاضا نہیں کرتا، بلکہ سختی اور بدکلامی کے ساتھ تقاضا کرتا ہے۔

دُنیا کی عمر ختم ہوچکی ہے:

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خطبہ اتنا طویل فرمایا کہ دُھوپ درختوں کے سروں اور دیواروں کے کناروں تک پہنچ گئی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: دُنیا کی عمر بس اتنی باقی رہ گئی ہے جس قدر پورے دن کے مقابلے میں اب دن کا حصہ باقی رہ گیا ہے۔''

مطلب یہ ہے کہ ایک تو آدمی کی زندگی ناپائیدار ہے، کوئی بھروسہ نہیں کہ کب وقتِ موعود آجائے، علاوہ ازیں خود دُنیا بھی بوڑھی ہوچکی ہے، اور اَب پورے عالم کی موت کا وقت بھی کچھ زیادہ دُور نہیں، اسی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک نام ''نبی الساعة'' ہے، یعنی ''قیامت کا نبی'' جس کا مطلب یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری بجائے خود قربِ قیامت کا اعلان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی نبی نہیں ہوگا، بس اب قیامت ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی دوبارہ تشریف آوری گویا فنائے عالم کے آثار شروع ہونے کی علامت ہے۔

حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں آخرت کی تیاری کی توفیق عطا فرمائیں، آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

بیان کا منظوم خلاصہ

(از شاہین اقبال اثر جونپوری)

حضرت نے یوں بیان کیا مقصدِ حیات
خوش رنگ ایک سانپ ہے دُنیائے بے ثبات

جو اس کے حسنِ ظاہری سے دھوکا کھا گیا
وہ اپنے جسم و رُوح کو خود ہی ڈسا گیا

دُنیا تو درحقیقت ہے اِک امتحان گاہ
وہ آخرت میں فیل ہے، کی جس نے اس کی چاہ

دُنیا کی ڈگریوں کی حقیقت بھی کچھ نہیں
عقبیٰ میں ایسے علم کی وقعت بھی کچھ نہیں

دُنیا سے آخرت کے لئے توشہ لے کے چل
دُنیائے بے ثبات کے دھوکے سے تو نکل

ہرگز نہ اپنے آپ کو بہتر قیاس کر
سارے جہاں سے خود کو ہی بدتر قیاس کر

غصہ نہ کر کہ غصہ علامت ہے کبر کی
غصہ کسی قوی پر تو آتا نہیں کبھی

اور اب ذرا سی بات ہو دُنیا کی عمر کی
دُنیا دراصل دوستو! اب بوڑھی ہوچکی

بعثت رسولِ پاک ﷺ کی خود اس کی ہے دلیل
دُنیا کی عمر رہ گئی ہے اب بہت ہی قلیل

ختم الرسل کی دہر میں تشریف آوری
پہلی نشانی قربِ قیامت کی ہے یہی

آخر میں اِلتجا ہے ہماری کہ یا مجیب!
تیاری آخرت کی ہمیں بھی ہو اب نصیب

محبتِ رسول

صلی اللہ علیہ وسلم

اور اس کے تقاضے

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

’’اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔‘‘ (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۲۶)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی، وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَاَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!"

آج کی مجلس میں اِن شاء اللہ چند باتیں ذکر کرنے کا خیال ہے۔

دستار بندی:

سب سے پہلے تو یہ کہ ستائیسویں شب کو یہاں مدرسے کے ان بچوں کی دستار بندی ہوئی تھی، جنھوں نے قاری مقبول احمد صاحب کے پاس قرآن مجید کا حفظ مکمل کیا تھا، کسی کی گردان ہوگئی، کسی کی نہیں ہوئی ہوگی، لیکن اس سال کے حفظ مکمل کرنے والے سب حفاظ کی دستار بندی ہوئی۔ میرے دوست مولانا سعید احمد جلال پوری بھی ہمارے ساتھ اِعتکاف میں ہیں، یہ میرے بہت پُرانے رفیق ہیں، انہوں نے ایک عرصہ تک میری سردی گرمی کو، اور میری کڑوی، کسیلی باتوں کو برداشت کیا ہے، اور میرے عیوب سے جتنا یہ واقف ہیں شاید دُوسرے رُفقاء میں کوئی واقف نہیں ہوگا۔ میں چاہتا تھا کہ ان حفاظ کے ساتھ ان کی دستار بندی بھی کردوں، مگر اس دن یہ مجھے نظر نہیں آئے، اس لئے سب سے پہلے تو آج ان کی دستار بندی کرتا ہوں، یہ ان کے لئے دستارِ خلافت ہے، (اس کے بعد مولانا سعید احمد جلال پوری صاحب مدظلہ العالی کی دستار بندی کی گئی)۔

خدمت میں کوتاہی پر معذرت:

دُوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ آپ حضرات اللہ تعالیٰ کے گھر میں اِعتکاف کرنے کے لئے یہاں تشریف لائے، ہمارے خدمت والے ساتھیوں نے کوشش کی ہے کہ آپ کو راحت پہنچائی جائے، لیکن مجمع زیادہ ہوتا ہے تو ہر آدمی کی راحت کا پورا خیال بھی نہیں رکھا جاسکتا، ہر شخص کے مزاج کی رعایت مشکل ہوجاتی ہے۔ اِعتکاف شروع ہونے سے پہلے مجھے بہت تشویش تھی کہ اتنے مہمانوں کا نظم کیسے ہوگا؟ لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے اس کو اتنا آسان فرمادیا کہ پتا بھی نہیں چلا۔ بہرکیف! کسی صاحب کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اِعتکاف کے دوران پہنچی ہو، یا ہمارے منتظمین اور خدمت والے ساتھیوں میں سے کسی سے خدمت میں کوتاہی ہوئی ہوتو آپ حضرات للہ معاف فرمادیں، اللہ تعالیٰ آپ حضرات کو بہت ہی برکتیں عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ شانہٗ ہم سب کو صحت کے ساتھ، عمر کے ساتھ، عافیت کے ساتھ اس کی آئندہ بھی توفیق عطا فرمائیں۔

ہمارا اِعتکاف قبول ہوگیا یا نہیں؟

ایک بات یہ ذکر کرنی ہے کہ ابھی نماز کے بعد ایک صاحب نے پرچہ دیا کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ ہمارا اِعتکاف قبول ہوگیا؟ اس پر اس وقت تو میں نے ان صاحب کو یہ لطیفہ سنا دیا تھا کہ عربی کا ایک مقولہ ہے کہ:

"اَلْحَائِکُ اِذَا صَلّٰی رَکْعَتَیْنِ اِنْتَظَرَ الْوَحْیَ"

یعنی جولاہا جب دو رکعت نماز پڑھ لیتا ہے تو سمجھتا ہے کہ اب وحی آنے والی ہے، وحی کا منتظر ہوجاتا ہے۔ ارے میاں! کیا ہم؟ اور کیا ہمارا اِعتکاف؟ اور کہاں کی قبولیت؟ بس یہ شکر کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے مؤاخذہ نہ ہو، کیونکہ ہم اس کے گھر کا صحیح ادب اور صحیح حق ادا نہیں کرسکے، اور جو حقوق اِعتکاف کے ہمیں بجالانے

چاہئے تھے، بجا نہیں لائے، تو بس یہی بہت ہے کہ ہم پر مؤاخذہ نہ ہو۔ شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ ایک عارف کو میں نے دیکھا کہ کعبے کا غلاف پکڑے ہوئے ہیں، ملتزم پر رو رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں:

من نہ گویم کہ طاعتم بہ پذیر
قلمِ عفو بر گناہم کش

ترجمہ:... ''یہ تو میرا منہ نہیں کہ میں کہوں کہ میری عبادت قبول کرلیجئے، اتنی درخواست کرتا ہوں کہ معافی کا قلم میرے گناہوں پر پھیر دیجئے۔''

اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو، یہی غنیمت ہے:

قبولیت کے اُمیدوار تو آپ حضرات ہوں گے، بڑے لوگ ہوں گے، جہاں تک ہمارا تعلق ہے، تو ہم تو اسی کو بہت غنیمت سمجھتے ہیں کہ ہمارے اعمال پر مؤاخذہ نہ ہو۔ واللہ العظیم! قسم کھا کر کہتا ہوں، اللہ کے گھر میں بیٹھا ہوں کہ نماز پڑھنے کے بعد کبھی خیال نہیں آتا کہ میری نماز قبول ہوگئی ہوگی، یا یہ کہ نماز قابلِ قبول ہے، بس یہی سمجھتا ہوں کہ اللہ کرے اس پر مؤاخذہ نہ ہو کہ: ''او نالائق! ایسی نماز پڑھا کرتے ہیں؟'' کبھی بھی ایسا نہیں ہوا کہ دِل میں قبولیت کا وسوسہ آگیا ہو، بس یہی خیال ہوتا ہے کہ لپیٹ کر منہ پر نہ ماردی جائے۔

اللہ تعالیٰ نے طاعات کی قبولیت کو مخفی رکھا ہے:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی قدس سرہٗ عارف تھے، اپنے وقت کے قطب تھے، حضرتؒ ارشاد فرماتے تھے کہ: ''بھائی! اللہ تعالیٰ کا ایک نام ''سَتَّار'' ہے، ستار کے معنی ہیں: پردہ پوشی کرنے والا، ''سَتَّارُ الْعُیُوْبِ'' عیوب کو ڈھانکنے والا، اللہ تعالیٰ نے

میری بھی اور آپ کی بھی سب کی پردہ پوشی کر رکھی ہے۔'' ہمارے حضرتؒ اس کی مثال دیتے تھے کہ آدمی کا پورا وجود نجاست سے بھرا ہوا ہے، یہاں ذرا سی خراش لگا دو، خون نکل آئے گا، خون پاک ہے کہ ناپاک؟ کیوں بھئی خون ناپاک ہے نا! پس ہمارے وجود میں نجاست بھری ہوئی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ستاری دیکھو کہ اُوپر سے اللہ تعالیٰ نے کیسا نفیس چمڑا چڑھا دیا ہے، اندر خون ہی خون، نجاست ہی نجاست، لیکن اُوپر حسین چمڑے کا غلاف، اسی طرح پیٹ کے اندر سیروں غلاظت لئے پھر رہے ہیں، اور یہ میرے اللہ کا کرم ہے کہ اُوپر اس کا کوئی نام و نشان تک نہیں، باہر اس کی بدبو بھی نہیں آنے دیتے، بعض بے چارے ایسے ہوتے ہیں جن کا آپریشن ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے، اور ڈاکٹر، اطباء لوگ نجاست کے نکلنے کے لئے تھیلی لگا دیتے ہیں، اب اس میں سے بدبو آتی ہے، آپریشن کے دوران پیشاب کے لئے تھیلی لگا دیتے ہیں، میرا جب آپریشن ہوا تھا تو میرے بھی پیشاب کے لئے تھیلی لگا دی تھی، تیسرے دن میں نے کہا: ''اُتارو بھئی اس کو، یہ مجھ سے نہیں چلتی!'' تو اتنی غلاظت ہم پیٹ میں لئے پھرتے ہیں، اسی حالت میں نماز پڑھتے ہیں، اسی حالت میں تلاوت بھی کرتے ہیں، اسی حالت میں محفلوں میں بھی جاتے ہیں۔ میرے مالک کی ستاری ہے کہ اس کو کیسا چھپا رکھا ہے، اگر اللہ تعالیٰ ہمارے ظاہری عیوب کی اور باطنی عیوب کی ستاری نہ فرماتے تو خود سوچو کیا حال ہوتا؟ مثلاً: ستر پوشی کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ لباس عطا فرما دیا، اگر ننگے ہوتے تو کیا ہوتا؟ اللہ تعالیٰ کسی کا پردہ نہ ہٹائے، اللہ تعالیٰ کسی کی پردہ دری نہ کرے، ہم لوگ کم ظرف ہیں، کسی کا عیب معلوم ہو جائے تو جب تک دو چار آدمیوں کے پاس گائیں نہیں ہماری روٹی ہضم نہیں ہوتی، پیٹ پھول جاتا ہے، لیکن میرا مالک بڑا حلیم ہے، شیخ سعدی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول:

''گناہ بیند و پردہ پوشد ہمی''

گناہوں کو دیکھتے ہیں، ہماری ایک ایک حالت کو جانتے ہیں، لیکن پھر بھی

پردہ ڈال دیتے ہیں، پردہ پوشی فرماتے ہیں، رُسوا نہیں کرتے، کسی کا پردہ ہٹادیا جائے، تو یہ اس کی رُسوائی ہے۔ تو خیر میں عرض کررہا تھا کہ ہمارے حضرتؒ فرماتے تھے کہ: بھئی! لوگ ستار کے معنی سمجھتے ہیں: ''عیوب کو ڈھانکنے والا، پردہ پوشی کرنے والا'' لیکن میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اس معنی کی رُو سے تو ستار ہے ہی، لیکن ہماری نیکیوں کی بھی پردہ پوشی کرنے والے ہیں، اس معنی میں بھی اللہ تعالیٰ ستار ہیں کہ ہماری نیکیوں کو ڈھانک دیتے ہیں، اور ان کی پردہ پوشی فرماتے ہیں، کسی نے کتنا کمایا ہے؟ کسی کو اس کا پتا نہیں چلنے دیتے، نیکیوں پر پردہ ڈال دیتے ہیں، ان کو چھپا کر رکھتے ہیں اور قیامت کے دن حق تعالیٰ شانہٗ پردہ ہٹادیں گے تو نیکیوں کے پہاڑ نظر آئیں گے، لیکن یہاں کچھ پتا نہیں چلتا۔

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: تم نے نماز پڑھی، تمہیں کیا ملا؟ تم نے اِعتکاف کیا، تمہیں کیا ملا؟ تم نے روزہ رکھا، تمہیں کیا ملا؟ ارے بہت کچھ ملا ہے! لیکن اللہ تعالیٰ نے اس اَجر وثواب پر پردہ ڈال دیا ہے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ کیا کچھ ملا ہے؟ بات یہ ہے کہ ہم لوگ دو چیزوں کو چھپا کر رکھا کرتے ہیں، ایک تو کوئی عیب کی چیز ہو تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، کیونکہ آدمی نہیں چاہتا کہ اس کا عیب لوگوں کے سامنے ظاہر ہو۔ دُوسرے، کوئی قیمتی چیز ہوتی ہے تو اس کو چھپایا کرتے ہیں، گھر میں پیسے وغیرہ ہوں تو ان کو بے پروائی سے یوں نہیں بکھیر دیا کرتے بلکہ محفوظ رکھتے ہیں، اگر کوئی زیور وغیرہ ہو تو اس کو برتنوں کی طرح یوں ہی سب کے سامنے نہیں پھینک دیتے، بلکہ اس کو حفاظت کے ساتھ چھپا کر رکھتے ہیں۔

تو ایک تو بندوں کے عیب قابلِ ستر ہیں، چھپانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ستاری فرماتے ہیں اور لوگوں کے سامنے اپنے بندوں کے عیوب ظاہر نہیں فرماتے۔ دُوسرے اگر بندوں نے اللہ تعالیٰ کی توفیق سے کچھ نیکیاں کمائی ہیں، کچھ اچھے کام کئے ہیں، تو وہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں بڑے قیمتی ہیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو چھپا کر رکھتے

ہیں تا کہ ڈاکوؤں کو پتا نہ چلے، ورنہ یہ ساری نیکیاں لوٹ کر لے جائیں گے۔ نفس اور شیطان دونوں انسان کے دُشمن ہیں، دونوں ڈاکو ہیں، ان کو پتا چلا تو یہ لوٹ کر لے جائیں گے، کبھی اس کا نفس عُجب میں مبتلا ہوجائے گا، ''عُجب'' کہتے ہیں خودپسندی کو، اپنی حالت کو اچھا سمجھنے لگے گا، کبھی کبر میں مبتلا ہوجائے گا اور دُوسروں کو نظرِ حقارت سے دیکھنے لگے گا، کبھی اپنی نیکیوں پر مغرور ہوجائے گا اور اللہ تعالیٰ کی گرفت سے بے خوف ہوجائے گا، یہ وہ بلائیں ہیں جن سے نیکی برباد اور گناہ لازم آتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے نیکیوں کو بندے کی نظر سے بھی چھپا کے رکھتے ہیں۔

کاملین کو عُجب نہیں ہوتا:

ہاں! جب آدمی اس مرتبے پر پہنچ جاتا ہے کہ اس کو اپنی حقیقت معلوم ہوجاتی ہے تو پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی بھی آجائے کہ تو مقبول ہے تب بھی اس کو گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، میری بات کو آپ حضرات نے سمجھا نہیں ہوگا، کسی شخص کے بارے میں وحیٔ اِلٰہی آجائے، آسمان سے جبریل علیہ السلام نازل ہوجائیں اور آکے کہیں کہ یہ شخص مقبول ہے، تب بھی اس کے دِل میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوگا۔ آپ حضرات جانتے ہیں کہ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے وحیٔ اِلٰہی سے حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی اور حضرات عشرہ مبشرہ رضی اللہ عنہم کو جنت کی بشارتیں دی تھیں، کیا اس بشارت سے ان میں گھمنڈ پیدا ہوگیا تھا؟ نہیں! بلکہ اس کے باوجود ان حضرات پر کتنا خوف طاری رہتا تھا؟ حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے زیادہ کس کی زبان سچی اور پاک ہوسکتی ہے؟ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو بشارتیں دی تھیں وہ وحیٔ اِلٰہی سے دی تھیں، لیکن ان قطعی بشارتوں کے باوجود ان حضرات میں عُجب پیدا نہیں ہوا، بلکہ جلالِ اِلٰہی سے ہمیشہ ترساں ولرزاں رہتے تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا خوف:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے خوف کا عالم یہ تھا کہ کہا کرتے تھے:

”یَا لَیْتَنِی شَجَرَۃٌ تُعْضَدُ ثُمَّ تُؤْکَلُ۔“

(صفۃ الصفوۃ ج:۱ ص:۱۰۴)

ترجمہ:... ”اے کاش! میں کوئی درخت ہوتا جس کو کاٹ کر پھینک دیا جاتا، اور پھر جانور اس کو چر لیتے۔“

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کا خوف:

اور حضرت فاروقِ اعظم عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا یہ حال تھا کہ زمین سے تنکا اُٹھا کر فرماتے تھے:

”اے کاش! میں یہ تنکا ہوتا، اے کاش! میں پیدا ہی نہ ہوا ہوتا، اے کاش! میری ماں نے مجھ کو جنم نہ دیا ہوتا، اے کاش! میں کوئی چیز نہ ہوتا، اے کاش! میں بھولا بسرا ہوتا۔“

(صفۃ الصفوۃ ج:۱ ص:۱)

الغرض حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی، دُوسرے اکابر صحابہ اور حضراتِ اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہم اجمعین کے خوف کے واقعات سے حدیث و سیرت کی کتابیں بھری پڑی ہیں، اور یہ اس لئے تھا کہ وہ حقیقت تک پہنچ گئے تھے، ان کو بشارت اس وقت ملی جب وہ حقیقت تک پہنچ گئے، اور حقیقت تک پہنچنے کے بعد پھر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت آئی، اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے بشارت آئی تب بھی ان میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا، بلکہ ان کے عجز میں اور ان کے خوف میں مزید اضافہ ہوجاتا ہے۔

صحابہ رضی اللہ عنہم سے اللہ تعالیٰ کا راضی ہونا:

قرآنِ کریم ان حضرات سے اللہ کے راضی ہونے کا اعلان کرتا ہے:

”لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَۃِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِھِمْ....“ (الفتح:۱۸)

ترجمہ:...”راضی ہوگیا اللہ تعالیٰ مؤمنین سے جبکہ اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) وہ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے تھے درخت کے نیچے، پس اللہ کو معلوم تھا جو کچھ ان کے دِلوں میں ہے۔“

یعنی ان کے دِلوں کو جانچ کر، پرکھ کر اللہ تعالیٰ نے ”رضی اللہ عن المؤمنین“ کا اعلان فرمایا، اور منبر ومحراب پر قیامت تک یہ اعلان گونجتا رہے گا، لیکن اس کے باوجود ان کے دِلوں میں گھمنڈ پیدا نہیں ہوا، اس لئے کہ ان کی رسائی حقیقت تک ہوگئی تھی، تو ایسے لوگوں کے سامنے سے اگر پردہ ہٹا دیا جائے اور ان کی قبولیت عنداللہ ان کو جتا بھی دی جائے، اللہ تعالیٰ خود وحی کے ذریعے سے اس کا اعلان فرمادیں تب بھی ان میں عُجب اور گھمنڈ پیدا نہیں ہوتا ہے، کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ یہ محض مولائے کریم کی عنایت ہے، اس کا فضل ہے، اور بغیر اِستحقاق کے اس کی عطا ہے، ورنہ ہمارے پاس کیا ہے؟ وہ ان عنایاتِ ربانی کو اپنی طرف منسوب نہیں کرتے، بلکہ مالک کے فضل سے اس کی عنایت اور اس کے لطف کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

قبولیتِ اِعتکاف کی علامت:

تو میاں! قطعی قبولیت کا تو خیال چھوڑ دو، اور یہ بھی کہ کیسے معلوم کیا جائے کہ ہمارا اِعتکاف قبول ہوگیا؟ کیونکہ وحی تو میرے پاس بھی نہیں آتی، اور تمہارے پاس بھی نہیں آتی، جس کے ذریعے قبولیت کا قطعی فیصلہ ہوجائے، البتہ ایک علامت

ہے، اس سے کچھ کچھ اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور وہ یہ کہ دس دن تک آپ حضرات مسجد میں جم کر بیٹھے تو کیا اس اِعتکاف کے نتیجے میں مسجد سے بھی تعلق پیدا ہوا؟ تم تو مسجد میں بیٹھے، کیا مسجد بھی تمہارے دِل میں بیٹھی؟ تم نے قرآنِ کریم کی تلاوت کی، کیا وہ تلاوت بھی تمہارے دِل میں آئی؟ تم نے اللہ پاک کا نام لیا، کیا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے اور اس کے پاک نام سے کچھ تعلق بھی پیدا ہوا؟ کچھ دِل میں چاشنی بھی آئی؟ کچھ دِل کو ذِکر سے رغبت بھی ہوئی؟ تم مسجد کے اس نورانی ماحول میں کچھ وقت گزار کر واپس جارہے ہو اپنے ماحول کا اور اس نورانی ماحول کا کچھ فرق بھی محسوس ہوا؟ اور اس ماحول کی رغبت بھی پیدا ہوئی؟ اور اس ماحول کے اثرات بھی ساتھ لے جارہے ہو یا سب کچھ یہیں چھوڑ کر جارہے ہو؟ اور کیا آئندہ کے لئے اپنی زندگی کی لائن بدلنے کا بھی فیصلہ ہوا؟ اور کیا رضائے اِلٰہی کے لئے اپنی ہویٰ یعنی خواہش کو چھوڑنے کا بھی جذبہ اور داعیہ پیدا ہوا؟ اگر یہ چیزیں تم میں پیدا ہوگئی ہیں تو جس درجے کی پیدا ہوئی ہیں اس درجے کی قبولیت اِن شاء اللہ تمہیں حاصل ہوگئی، اور اگر یہ نہیں ہوا، تو پھر جیسے آئے تھے ویسے ہی چلے گئے۔

حجِ مبرور کی فضیلت:

حدیث شریف میں فرمایا ہے:

"وَالْحَجُّ الْمَبْرُوْرِ لَیْسَ لَهٗ جَزَآءٌ اِلَّا الْجَنَّةَ۔"

(متفق علیہ من حدیث ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ:... "حجِ مبرور کی جزا جنت کے سوا کچھ نہیں۔"

ایک دُوسری حدیث میں ہے:

"مَنْ حَجَّ لِلّٰہِ فَلَمْ یَرْفِثْ وَلَمْ یَفْسُقْ رَجَعَ کَیَوْمٍ وَّلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔" (متفق علیہ عن حدیث ابی ہریرۃؓ، مشکوٰۃ ص:۲۲۱)

ترجمہ:... ”جس شخص نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے حج کیا، پھر اس نے نہ کسی قسم کی فحش کلامی کی، اور نہ گناہ کا ارتکاب کیا، تو وہ اس حالت میں واپس ہوگا گویا آج اس کی ماں نے اس کو جنا ہے۔“

یعنی پاک صاف ہوکر واپس آئے گا، اور ایسا حج، ”حجِ مبرور“ کہلاتا ہے۔

حجِ مبرور کی علامت:

اکابرؒ فرماتے ہیں کہ ”حجِ مبرور“ کی علامت یہ ہے کہ حج کے بعد حاجی کی زندگی کی لائن بدل جائے، معاصی سے فرماں برداری کی طرف آجائے، غفلت سے ذکر کی طرف آجائے، بے پروائی سے اہتمام کی طرف آجائے، پہلے نمازوں کا کوئی اہتمام نہیں کرتا تھا، قضا ہوگئی تو ہوگئی، کوئی افسوس نہیں، کوئی رنج وصدمہ نہیں، اسی طرح دُوسری چیزوں کی پروا نہیں کرتا تھا، لیکن حج کرنے کے بعد اس کی زندگی کی کایا پلٹ گئی کہ اب فرائضِ شرعیہ کا اہتمام ہونے لگا، حقوق اللہ وحقوق العباد کے ادا کرنے کی فکر پیدا ہوگئی، اور زندگی میں ایک رُوحانی انقلاب برپا ہوگیا، تو سمجھو کہ اس کا یہ حج ”حجِ مبرور“ ہے۔

حضرت مولانا محمد اِدریس میرٹھیؒ کا ذکرِ خیر:

ہمارے بزرگ مولانا محمد اِدریس میرٹھیؒ، جامعۃ العلوم الاسلامیہ کے بزرگ اُستاذِ حدیث تھے، اور جامعہ سے شائع ہونے والے ماہنامہ ”بینات“ کے مدیر تھے، اور وہ میرے خاص محسن تھے کہ مجھے کراچی لانے کا سبب بنے، میں ضلع فیصل آباد کے ایک چھوٹے سے قصبے ماموں کانجن میں مدرّس تھا، ایوب خان کے زمانے میں جب ڈاکٹر فضل الرحمٰن کا فتنہ اُٹھا تو میں نے اس کے خلاف مضامین لکھنا شروع کئے، ایک

مضمون میں نے مولانا مرحوم کو بھیج دیا، اس مضمون کو پڑھ کر انہوں نے میرے حضرت بنوریؒ سے کہا تھا کہ: ’’اس کو کراچی بلوالو!‘‘ وہ مجھے جانتے نہیں تھے، نہ حضرت بنوریؒ سے میرا تعارف تھا، لیکن مرحوم نے میرا وہ مضمون پڑھا تو بغیر کسی سابقہ تعارف کے مجھے حاضری کا خط لکھ دیا، اور میں حضرتؒ کی دعوت پر ان کی خدمت میں حاضر ہوگیا، اس طرح حضرتؒ سے اور ان کے مدرسے سے میرا تعلق ہوگیا۔ پس میرے کراچی آنے کا سبب حضرت مولانا محمد اِدریس میرٹھیؒ بنے تھے۔ ماہنامہ ’’بینات‘‘ جس کا میں ایڈیٹر ہوں، اس کے پہلے مدیر مولانا مرحوم تھے، اور اَب میں ان کا جانشین ہوں، اس لئے ان کو اپنا محسن سمجھتا ہوں۔ مولانا مرحوم شروع میں کسی سے بیعت نہیں تھے (بعد میں حضرتِ اقدس مولانا شاہ عبدالقادر رائے پوری قدس سرہٗ کے خلیفۂ اعظم حضرت شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ رائے پوری سے بیعت ہوگئے تھے) لیکن اللہ تعالیٰ نے بیت اللہ شریف کی محبت وعظمت ان کے دِل میں ڈال دی تھی، حج وعمرہ سے ان کو والہانہ عشق تھا، جتنا پیسہ کماتے سب حج وعمرہ کے لئے جمع کرتے رہتے تھے اور سال میں دو مرتبہ، ایک مرتبہ عمرے پر اور ایک مرتبہ حج پر جانا گویا اپنے اُوپر لازم کر رکھا تھا۔

میرا مرشد تو بیت اللہ ہے:

مرحوم فرمایا کرتے تھے کہ: ’’میرا مرشد تو بیت اللہ ہے، میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں، لوگ تو حج وعمرہ کرنے کو جاتے ہوں گے، مگر میں تو اپنے مرشد کی زیارت کے لئے جاتا ہوں۔‘‘ اور واقعی انہوں نے اپنے مرشد سے عجیب فیض اُٹھایا تھا، یہ میری آنکھوں دیکھی بات ہے کہ ان کے مرشد (بیت اللہ شریف) نے ان کی زندگی میں انقلاب برپا کردیا تھا۔

مولانا مرحوم کی نماز کی کیفیت:

اتنی اچھی اور نفیس نماز پڑھتے تھے کہ ان کے پاس کھڑا ہونے والا بھی اس کی لذّت و حلاوت محسوس کرتا تھا، نماز کے سجدے میں مأثورہ دُعائیں بڑے درد اور سوز سے کرتے تھے۔ ایک دن مجھ سے کہنے لگے: ''حنفیہ سجدے میں دُعائیں کیوں نہیں کرتے؟'' (ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ اِمام سجدے میں بس تسبیحات پڑھے، لمبی دُعائیں نہ پڑھے، تاکہ مقتدیوں کو تشویش نہ ہو، جبکہ دُوسرے ائمہ فرماتے ہیں کہ جو دُعائیں حدیث میں منقول ہیں وہ بھی پڑھے)۔ میں نے حضرت مولانا کے اس سوال کے جواب میں کہ ''حنفیہ سجدے میں دُعا کیوں نہیں کرتے؟'' ان کی خدمت میں اپنے اکابر کی توجیہ عرض کی، اس توجیہ کو وہ بھی جانتے تھے، لیکن ان کا ذوق تھا کہ سجدے میں خوب دُعا کی جائے، اس لئے جھنجھلا کر کہنے لگے: ''نہیں جی! چھوڑو!'' وہ خوب مزے کے ساتھ سجدہ کرتے تھے اور اس میں دُعائیں مانگتے تھے، ایک دفعہ کچھ بیمار ہوگئے تھے، فرمانے لگے: اب میں ٹھیک ہوجاؤں گا اس لئے کہ میں نے سجدے میں یہ دُعا کی ہے:

''اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ''

(الانبیاء:۸۳)

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے:

ترجمہ:... ''(اے میرے پروردگار!) مجھے تکلیف پہنچ رہی ہے، اور آپ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہیں۔''

یعنی آپ ارحم الراحمین ہیں، آپ کی رحمت بھی کامل، قدرت بھی کامل، اپنی رحمت کے صدقے میری تکلیف کو دُور فرمادیجئے۔

مولانا مرحوم کی وفات کا عجیب وغریب واقعہ:

مدرسے میں تفسیر جلالین شریف کا بھی سبق پڑھایا کرتے تھے، اور ظہر کے بعد اس کا وقت تھا، لیکن وفات کے دن صبح گیارہ بجے درس گاہ میں تشریف لائے، یہ گھنٹہ دُوسرے اُستاذ کا تھا، اور وہ اپنا سبق پڑھا رہے تھے، ان اُستاذ کو یہ کہہ کر اُٹھادیا کہ: ''اُٹھو! مجھے سبق پڑھانا ہے۔'' مدرسے کے اکثر اساتذہ چونکہ حضرت مولانا مرحوم کے شاگرد تھے، یوں بھی آپ مدرسے میں سب سے معمر بزرگ تھے، اس لئے سبق پڑھانے والے اُستاذ، حضرت مولانا کا حکم سن کر فوراً اپنا سبق چھوڑ کر اُٹھ گئے، حضرتؒ سبق پڑھانے لگے، سورۃ المطفّفین چل رہی تھی اور آج کا سبق یہ تھا:

''کَلَّآ اِنَّ کِتٰبَ الْاَبْرَارِ لَفِیْ عِلِّیِّیْنَ۔ وَمَآ اَدْرٰکَ مَا عِلِّیُّوْنَ۔ کِتٰبٌ مَّرْقُوْمٌ۔ یَّشْھَدُہُ الْمُقَرَّبُوْنَ۔ اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِیْ نَعِیْمٍ۔ عَلَی الْاَرَآئِکِ یَنْظُرُوْنَ۔ تَعْرِفُ فِیْ وُجُوْھِھِمْ نَضْرَۃَ النَّعِیْمِ۔ یُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِیْقٍ مَّخْتُوْمٍ۔ خِتٰمُہٗ مِسْکٌ، وَفِیْ ذٰلِکَ فَلْیَتَنَافَسِ الْمُتَنٰفِسُوْنَ۔ وَمِزَاجُہٗ مِنْ تَسْنِیْمٍ۔ عَیْنًا یَّشْرَبُ بِھَا الْمُقَرَّبُوْنَ۔'' (المطفّفین:۱۸-۲۸)

ترجمہ:... ''ہرگز نہیں! بے شک اعمال نامہ نیک لوگوں کا علّیّین میں ہے، اور تجھ کو کیا خبر ہے کیا ہے علّیّین؟ ایک دفتر ہے لکھا ہوا، اسے دیکھتے ہیں مقرّب فرشتے، بے شک نیک لوگ ہیں آرام میں، تختوں پر بیٹھے دیکھتے ہوں گے، پہچان لے تو ان کے منہ پر تازگی آرام کی، ان کو پلائی جاتی ہے شراب خالص مہر لگی ہوئی، جس کی مہر جمتی ہے مشک پر، اس پر چاہئے کہ حرص کریں حرص کرنے والے، اور اس کی ملونی تسنیم سے ہے، وہ

ایک چشمہ ہے جس سے پیتے ہیں نزدیک والے (مقرّب حضرات)۔‘‘ (ترجمہ شیخ الہند بتصرفِ یسیر)

یہاں تک سبق پڑھایا، پڑھا کر کے اُوپر چلے گئے، بستر پر لیٹے اور اِنتقال ہوگیا، گیارہ بجے کے بعد سبق پڑھا رہے تھے، وفات کے وقت ہمارے رفیق حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزّاق اسکندر ان کے پاس بیٹھے تھے، ان کے سامنے انتقال ہوا۔

وفات کے بعد ان کی کرامت:

وفات کے بعد تجہیز و تکفین ہوئی، ظہر کے بعد دارالحدیث میں ان کی میّت زیارت کے لئے رکھی گئی، آخری دیدار کے لئے میں گیا تو دیکھ کر میں نے دوستوں سے کہا: ’’بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا ہے؟‘‘ اتنا سفید چہرہ تھا کہ سبحان اللہ! چہرے پر نور برس رہا تھا، حالانکہ حضرتؒ کا رنگ ذرا سانولا تھا، لیکن وفات کے بعد چہرہ اتنا سفید اور ایسا نورانی تھا کہ واقعتاً پاؤڈر لگانے کا شبہ ہوتا تھا، اس لئے میں نے کہا کہ: ’’بڑے میاں کو اتنا پاؤڈر کیوں لگادیا؟‘‘ چہرے کا اتنا سفید ہونا ان کی کرامت تھی۔

الغرض! جن کو حجِ مقبول نصیب ہوجاتا ہے، حج سے یوں ان کی زندگیاں بدلتی ہیں، حج کرنے والے یوں حج کرتے ہیں کہ بیت اللہ ان کا مرشد بن جاتا ہے۔ تو میرے بھائی! تم نے جو اِعتکاف کیا ہے اگر اس سے یہ چیزیں تمہیں حاصل ہوگئیں، اور قبولیت کے یہ آثار تمہیں نصیب ہوگئے تو توقع رکھو کہ اِن شاء اللہ کچھ نہ کچھ لے کر گئے، بس یہ مضمون ختم ہوا۔

اِعتکاف کی سوغات لے کر جاؤ:

اب اصل بات جو مجھے آپ سے کہنی تھی وہ عرض کرتا ہوں، میرا اِرادہ تھا کہ آج میں آپ حضرات سے درخواست کروں کہ یہاں سے جاتے ہوئے اس اِعتکاف

کی سوغات لے کر جاؤ، اور اِعتکاف کی سوغات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہے، یہاں سے جاتے ہوئے یہ سوغات لے کر جاؤ، اس لئے جی چاہا کہ آپ حضرات کو آج رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت تقسیم کروں۔

''حکایاتِ صحابہؓ'' میں عشقِ نبوی کا بیان:

اور یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ہمارے ڈاکٹر وسیم احمد صاحب نے عشاء کے بعد جب ''حکایاتِ صحابہؓ'' سنائی، تو اس میں بھی وہی مضمون نکل آیا جو میں عرض کرنا چاہتا ہوں، ماشاء اللہ ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے یہ مضمون بہت والہانہ انداز میں لکھا ہے جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے حضراتِ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے عشق و محبت کے واقعات ذکر کئے ہیں۔

محبتِ نبوی کا صلہ

اور یہ حدیث بھی نقل کی ہے جو مشکوٰۃ ص:۴۲۶ پر حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص حاضرِ خدمت ہوئے اور عرض کیا:

''یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ! مَتَی السَّاعَۃُ؟''

ترجمہ:... ''یا رسول اللہ! قیامت کب آئے گی؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''وَیْلَکَ! وَمَا اَعْدَدْتَّ لَھَا؟''

ترجمہ:... ''تیرا ناس ہوجائے! تو نے اس کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟''

وہ شخص نہایت سادگی سے کہنے لگا:

''مَا اَعْدَدْتُّ لَھَا کَثِیْرَ صَلٰوۃٍ وَّلَا صِیَامٍ اِلَّا اِنِّیْ اُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔''

ترجمہ:...''میں نے اس کے لئے زیادہ نماز روزے کی تیاری تو نہیں کی، مگر یہ بات ضرور ہے کہ میں اللہ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) سے محبت رکھتا ہوں۔''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ!''

ترجمہ:...''قیامت کے دن تو اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ خادمِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اس حدیث کے راوی ہیں، ارشاد فرماتے ہیں کہ:

''فَمَا رَأَیْتُ الْمُسْلِمِیْنَ فَرِحُوْا بِشَیْءٍ بَعْدَ الْاِسْلَامِ فَرْحَھُمْ بِھَا۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۲۶)

ترجمہ:...''اللہ کی قسم! اسلام لانے کے بعد صحابہ کرامؓ کو کبھی کسی بات سے اتنی خوشی نہیں ہوئی جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد سے ہوئی کہ: آدمی اسی کے ساتھ ہوگا جس سے محبت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت رکھنے کا یہ عظیم صلہ ہے کہ ان حضرات کو جنت میں معیتِ نبوی نصیب ہوگی۔

خوب یاد رکھو! جن لوگوں سے محبت رکھتے ہو، تمہارا حشر انہی لوگوں کے ساتھ ہوگا، اگر اہل اللہ سے محبت رکھتے ہو تو اِن شاء اللہ ان کے ساتھ حشر ہوگا، اور اگر فاسقوں، بدکاروں سے محبت رکھتے ہو تو ...نعوذ باللہ... ان کے ساتھ حشر ہوگا، قادیانیوں، مرزائیوں سے دوستی اور محبت کا تعلق رکھتے ہو تو انہی کے ساتھ اُٹھائے جاؤ گے۔

دُنیا میں محبت کا صلہ:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں بہت سے حضرات جاہلیت کے زمانے میں شراب کے عادی تھے، اور جب تک شراب کی حرمت کا اعلان نہیں ہوا، اسلام لانے کے بعد بھی پیتے تھے، پھر یکا یک اعلان ہوگیا تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جس طرح چھوڑ دی تھی وہ آپ کو معلوم ہی ہے کہ شراب کے برتن توڑ دیئے گئے، اور شراب مدینہ کے گلی کوچوں میں سیلاب کی طرح بہنے لگی، لیکن انسان آخر اِنسان ہے، اس سے کبھی ایسی غلطی سرزد ہوجاتی ہے، صحیح بخاری میں یہ قصہ مذکور ہے کہ ایک صحابی جن کا نام عبداللہ اور ان کا لقب ''حمار'' تھا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی خوش طبعی کی باتوں سے ہنسایا کرتے تھے، ان سے یہ غلطی ہوئی کہ شراب کے حرام ہوجانے کے بعد انہوں نے شراب پی لی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، ایک دن دوبارہ لائے گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر حد جاری کرنے کا حکم فرمایا، تو ایک شخص کے منہ سے یہ نکل گیا:

''اَللّٰھُمَّ الْعَنْہُ! مَا اَکْثَر مَا یُوْتٰی بِہٖ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔''

ترجمہ:... ''اس پر اللہ کی پھٹکار ہو! اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کتنی کثرت سے بار بار لایا جاتا ہے؟''

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا:

''لَا تَلْعَنُوْہُ، فَوَاللّٰہِ! مَا عَلِمْتُ اِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ۔'' (صحیح بخاری ج:۲ ص:۱۰۰۲)

ترجمہ:... ''اس پر لعنت نہ کرو! کیونکہ اللہ کی قسم! جہاں تک مجھے معلوم ہے یہ صاحب اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول سے محبت رکھتے ہیں۔''

اس حدیث شریف میں ان صحابی رضی اللہ عنہ کے لئے بڑی بشارت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حلفاً ان کے لئے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ثابت فرمائی۔ اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے گناہ سرزد ہوجائے تو اس پر لعنت کرنا جائز نہیں، کیونکہ لعنت کے معنی ہیں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوجانا، اور ایک مسلمان کو اپنے گناہگار بھائی کے لئے یہ دُعا کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمت فرمائیں، یہ دُعا نہیں کرنی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی رحمت سے محروم کردیں۔ کیونکہ جب کوئی شخص ...نعوذ باللہ... اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم ہوگا تو شیطان خوش ہوگا کہ میں نے اس شخص کو تو اپنے جیسا بنالیا۔

اور اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر نفس و شیطان کے بہکانے سے کسی شخص سے کوئی گناہ سرزد ہوجائے اور پھر فوراً ہی اس کو اپنے کئے پر ندامت اور شرمندگی لاحق ہوجائے اور وہ اپنے آپ کو سزائے شرعی کے لئے پیش کردے (جیسا کہ اس صحابی نے یہی کیا) تو اس سے اللہ تعالیٰ کی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا رشتہ نہیں ٹوٹتا، ہاں! کامل ترین محبت یہ ہے کہ اللہ و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی نافرمانی سے اپنے آپ کو بچا کر رکھے۔ اس حدیث سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی فضیلت بھی معلوم ہوئی کہ ان سے اگر کوئی غلطی سرزد ہوجاتی تھی تو فوراً اللہ تعالیٰ کی طرف رُجوع کرتے تھے۔

تو آپ کے اور ہمارے اِعتکاف کی سوغات یہ ہے کہ ہم اور آپ مسجد سے جاتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل محبت لے کر جائیں، ایسی محبت جو ہمارے رگ و ریشے میں سرایت کرجائے، اور وہ محبت ہمیں محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے رنگ میں ڈھال دے۔

محبت کے تقاضے:

محبت کے کچھ تقاضے ہیں، بزرگوں کا ارشاد ہے کہ جب قلب میں محبت آتی ہے تو آدمی آدابِ محبت بھی سیکھ لیتا ہے:

"محبت تجھ کو آدابِ محبت خود سکھا دے گی"

ذرا ہمت کرکے میدانِ محبت میں قدم تو رکھو، محبت کرکے پھر دیکھو کہ یہ تمہیں آداب کس طرح سکھاتی ہے؟ اِن شاء اللہ! حق تعالیٰ شانہٗ کی جانب سے محبت کے آداب ولوازم بھی عطا کردیئے جائیں گے اور محبت کا سلیقہ بھی دے دیا جائے گا۔

محبت کے آداب ولوازم:

اب میں مختصر طور پر محبت کے چند آداب واوصاف ذکر کرتا ہوں۔

محبت کا سب سے پہلا ادب ہے محبوب کی رضا کو اپنی خواہش پر ترجیح دینا۔ محبوب، عاشق کو حکم نہیں دیا کرتے، بلکہ عاشق ان کے اشارۂ چشم و اَبرو سے ان کا منشا پہچان لیتے ہیں، اور محبوب کے اشارۂ چشم و ابرو پر جان قربان کردیتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت اللہ تعالیٰ ہمیں نصیب فرمائیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات کو ہم اپنی خواہش پر ترجیح دینے لگیں، اور اپنی خواہشات کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منشائے مبارک پر قربان کردیں۔

ہماری محبت، خواہشات کی راکھ میں دَبی ہوئی ہے:

میں یہ نہیں کہتا کہ مسلمانوں کے دِلوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت نہیں ہے، بلاشبہ مسلمانوں کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، لیکن ہماری محبت، خواہشات کی راکھ میں دبی ہوئی چنگاری ہے، اس لئے جب ہماری خواہشات کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَحکام و ارشادات سے ٹکراؤ ہوتا ہے تو

محبت کی چنگاری بھڑکتی نہیں، اور ہماری خواہشات کے خس و خاشاک کو جلا کر بھسم نہیں کرتی۔

ایک خان صاحب کا شبہ اور حضرت حکیم الاُمتؒ کا جواب:

حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوئے اور کہنے لگے: ''حضرت! ایک اِشکال ہے'' فرمایا: ''کیا؟'' کہنے لگے: ''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

''لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۱۲)

ترجمہ:... ''تم میں سے کوئی شخص مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کے لئے زیادہ محبوب بن جاؤں اس کے باپ سے بھی، اس کی اولاد سے بھی اور تمام اِنسانوں سے بھی۔''

اور شبہ یہ ہے کہ مجھے اپنے والد سے زیادہ محبت ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنی محبت نہیں جتنی اپنے باپ سے ہے، تو میں مؤمن نہ ہوا۔'' حضرتؒ نے ارشاد فرمایا: ''نہیں خان صاحب! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت آپ کے دِل میں اپنے والد سے زیادہ ہے۔'' کہنے لگا: ''اجی! میں تو اپنے والد میں محبت زیادہ محسوس کرتا ہوں۔'' فرمایا: ''نہیں!'' خیر بات ختم ہوئی، اسی مجلس میں حضرت حکیم الاُمتؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل شریفہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق و عادات، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت و دِل رُبائی کا تذکرہ فرمایا اور ایسے انداز سے تذکرہ فرمایا کہ بقول حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ کے:

کسی کا ذکر ہے اور اہلِ محفل مست و بے خود ہیں
بظاہر یاں نہ ساقی ہے، نہ صہبا ہے، نہ پیمانہ!

حضرت حکیم الاُمتؒ، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکرِ خیر فرمارہے تھے اور اہلِ محفل پر ایک مستی کا عالم طاری تھا، بقول کسی کے:

”ذکر اُس پَری وش کا، اور پھر بیاں اپنا“

اور یہ خان صاحب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکرِ خیر سے سب سے زیادہ جھوم رہے تھے، حضرتؒ نے چلتے چلتے ارشاد فرمایا کہ: ”خان صاحب! خیر اس کو تو چھوڑیئے، آپ کے والد ماجد بہت اچھے تھے“ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ تو اس وقت رہنے دیجئے، آپ کے والد ماجد بہت اچھے آدمی تھے کچھ ان کا ذکرِ خیر بھی ہوجائے۔ خان صاحب کہنے لگے کہ: ”حضرت! یہ آپ نے کیا غضب ڈھایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تذکرہ مقدس ہو رہا تھا اور آپ میرے والد کا قصہ لے بیٹھے؟“ حضرتؒ نے مسکرا کر فرمایا: ”کیوں خان صاحب! آپ تو کہہ رہے تھے کہ مجھے اپنے باپ سے زیادہ محبت ہے، اگر آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ باپ سے محبت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے بجائے اپنے باپ کا تذکرہ شروع ہونے سے آپ کو غیرت کیوں آئی؟“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے دِل میں ہے:

تو میں عرض کر رہا تھا کہ الحمدللہ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہر مؤمن کے قلب میں ہے، خواہ کتنا ہی گناہگار ہو، کتنا ہی لتھڑا ہوا ہو، جو شخص سچے دِل سے ”لَا اِلٰہ اِلَّا اللہ محمد رسول اللہ“ پڑھتا ہے، اس کے دِل میں اللہ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ضرور ہے، اور محبت بھی ایسی جو تمام انسانوں کی محبت سے بڑھ کر ہے، نہ ماں باپ سے ایسی محبت ہوسکتی ہے، نہ اولاد سے، نہ بیوی سے، نہ کسی اور سے، کسی سے ایسی محبت نہیں ہوسکتی ہے جیسی کہ مؤمن کے دِل میں اللہ تعالیٰ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے۔

لیکن محبت کی یہ چنگاری راکھ میں دبی ہوئی ہے، نظر نہیں آتی، اور یہ اپنا اثر نہیں دِکھاتی، اور وہ راکھ کیا ہے؟ خواہشات کی راکھ، نفسانی لذتوں کی راکھ، مادّی تعلقات کی راکھ، آخرت سے غفلت کی راکھ، اور دُنیاوی مفادات کی خاطر اپنی من مانیاں کرنے کی راکھ، میرا کہنا یہ ہے کہ محبت کی اس چنگاری کو اس راکھ کے ڈھیر سے باہر نکالو، اور ذرا اس کو ذکرِ اِلٰہی کی ہوا دو، پھر اس کی تپش دیکھو۔ بقول مولانا رُومی رحمہ اللہ تعالیٰ کے ''عشق وہ شعلہ ہے کہ جب بھڑک اُٹھتا ہے تو سارے جہان کو پھونک ڈالتا ہے۔'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دِل میں پیدا کرو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل اطاعت کا عزم کرکے اس کو خواہشات کی راکھ میں سے نکالو، تمہارے دِلوں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جو محبت دبی ہوئی ہے، وہ تمہارے چہروں پر نظر آئے، تمہارے لباس میں نظر آئے، تمہاری چلت پھرت میں نظر آئے، تمہارے اعمال میں نظر آئے، اخلاق میں نظر آئے، گفتگو میں نظر آئے، تمہارے معاملات میں نظر آئے، تمہارے بازار میں نظر آئے، تمہارے دفتر میں نظر آئے، تمہارے گھر میں نظر آئے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو آنی چاہئے:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کی خوشبو وہ کستوری ہے کہ اگر اس کو بند نہ رکھا جائے اور اس کو خواہشات کی راکھ کے نیچے دبا نہ دیا جائے تو ہر جگہ مہکتی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود مبارک سراپا معطر تھا، تم نے سنا نہیں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جس طرف سے گزر جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے گلی کوچے مہک جاتے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پسینہ مبارک ایسا معطر تھا کہ عنبر و کستوری کی خوشبو اس کے مقابلے میں ہیچ تھی، تم نے سنا نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرۂ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، اور

جب مسکراتے تھے تو دندانِ مبارک سے نور کی شعائیں نکلتی نظر آتی تھیں، تاریک اور اندھیری رات میں گھر کے اندر روشنی ہوجاتی تھی، میں نے کہیں پڑھا تھا کہ اُمّ المؤمنین عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں مسکراہٹ کے وقت دندانِ مبارک سے نکلنے والے نور کی روشنی سے سوئی میں دھاگا ڈال لیتی تھی۔ بہت سے اکابر کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی تو کمرہ منوّر اور معطر ہوگیا، اور بیدار ہونے کے بعد بھی کمرے سے خوشبو آتی رہی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ جمال جہاں آرا اگر ہمارے دِل میں بس جائے تو اس کی شعاعیں ہمارے چہرے سے پھوٹنے لگیں، اور اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہمارے دِل و دِماغ میں رَچ بس جائے تو اس کی خوشبو ہمارے وجود میں سے آنے لگے، اور ہماری اس خوشبو سے بازار مہک اُٹھیں، اس سے ہمارے دفاتر مہک اُٹھیں، اس سے ہمارے گھر مہک اُٹھیں، ایسی محبت کا رنگ اور ایسی محبت کی جھلک تمہیں ہر جگہ نظر آئے، ہماری ہر نشست و برخاست میں نظر آئے۔

دُرود شریف کی خوشبو:

بہت سے اکابرؒ کے واقعات ہیں کہ وہ کثرت سے دُرود شریف پڑھتے تھے تو ان کے بدن سے خوشبو آتی تھی، حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ لکھتے ہیں کہ مولانا فیض الحسن سہارنپوریؒ شبِ جمعہ کو سوتے نہیں تھے، بلکہ ساری رات دُرود شریف پڑھتے رہتے تھے، ان کی وفات کے بعد ان کے کمرے سے خوشبو آتی تھی۔

تو میں اِنکار نہیں کرتا کہ تم میں محبت نہیں ہے، محبت ہے، لیکن دبی ہوئی ہے، میری گزارش یہ ہے کہ خدا کے لئے خواہشات کی راکھ میں سے اس محبت کو نکالو اور ذرا اس کو پھونک لگاؤ، ہوا دو، محبت کی یہ چنگاری بھڑک اُٹھے گی۔ الغرض محبت کی سب سے بڑی علامت تو یہ ہے کہ اپنی خواہشوں پر محبوب کی رضا کو ترجیح دی جائے۔

محبوب کے تعلق والوں سے محبت:

اور دُوسری علامت یہ ہے کہ محبوب کے تعلق والوں سے محبت ہو، مشہور ہے کہ مجنوں، لیلیٰ کی گلی کے کتے کے پاؤں چومتا تھا کہ یہ لیلیٰ کی گلی سے گزرا ہے، بس اتنا تعلق تھا کتے کو لیلیٰ سے، لیکن عاشق کی نظر میں اتنا سا تعلق بھی اس کے پاؤں چومنے کو کافی تھا۔ اگر ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صحیح تعلق ہو، سچی محبت ہو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تعلق رکھنے والے درجہ بدرجہ ہمارے محبوب بن جائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کی وجہ سے ان حضرات کی عزّت و حرمت ہمارے دِل کی گہرائیوں میں اُتر جائے، اور جزوِ اِیمان بن جائے۔ آخر کیا بات تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے تعلق والے حضرات کے بار بار فضائل بیان فرمائے؟ کبھی عام صحابہ رضی اللہ عنہم کے، کبھی خاص خاص حضرات کے، کبھی مہاجرین کے، کبھی انصار کے، کبھی اصحابِ بدر کے، کبھی اصحابِ حدیبیہ کے؟ اس لئے کہ ان حضرات نے اللہ و رسول کی راہ میں محض رضائے اِلٰہی کی خاطر قربانی و جاں نثاری کے بے مثال نمونے پیش کئے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اور تعلق و محبت کا حق ادا کردیا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ان کی عزّت وحرمت ہمارے لئے جزوِ اِیمان بن گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام خدام و متعلقین ہمارے لئے محبوب و معظم بن گئے، صحابہ کرامؓ بھی اہلِ بیت عظامؓ بھی۔

حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ تمام صحابہؓ سے افضل ہیں:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ان سب کے سرتاج تھے، اس لئے وہ سب سے آگے نکل گئے، پوری اُمت میں ان کے برابر کوئی نہیں، حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت ابتدائے

نبوّت سے عطا فرمائی، اور آج تک ”روضۂ مطہرہ“ میں بھی یہ رفاقت حاصل ہے، اِن شاء اللہ! حشر میں بھی حاصل ہوگی، اور جنت میں بھی۔

میں نے اپنی کتاب ”شیعہ سنی اختلافات اور صراطِ مستقیم“ کے مقدمے میں لکھا ہے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما کی قسمت کے کیا کہنے، جو آج بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں آسودۂ راحت ہیں، ان حضرات کو ساری عمر رفاقتِ نبوی حاصل رہی، اور رفاقت کا یہ سلسلہ اس دُنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی منقطع نہیں ہوا، یہ رفاقت آج بھی باقی ہے، اس موقع پر میں نے فارسی کے مشہور شاعر صائب کا یہ فارسی شعر نقل کیا ہے کہ:

از پاک داماں نہ کند حسن احتراز
با آفتاب خفتہ بیک بستر آئنہ

ترجمہ:... ”حسن، پاک دامنوں سے احتراز نہیں کیا کرتا، بلکہ پاک دامنوں کو حسن اپنا جلوہ دِکھاتا ہے، تم دیکھتے نہیں ہو کہ آفتاب جو مظہرِ حسن ہے، آئینہ اس کے ساتھ ایک ہی بستر پر سویا ہوا ہے، کیونکہ وہ پاک و صاف ہے۔“

مطلب یہ ہے کہ آئینہ آفتاب کے سامنے کردو تو وہ آفتاب کو آغوش میں لے لیتا ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آفتابِ حسن ہیں اور ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما آئینے کی طرح پاک صاف ہیں، وہ جمالِ نبوی سے آج بھی ہم آغوش ہیں، اور قیامت تک رہیں گے، اور جب قیامت کے دن لوگ قبروں سے اُٹھائے جائیں گے تو یہ دونوں بزرگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ہاتھ پکڑے ہوئے اُٹھیں گے، گویا حشر کے دن بھی ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی رفاقت حاصل رہے گی، اور پھر

جنت میں بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق ہوں گے، یہ ایک ایسی سعادت ہے جو ان دونوں بزرگوں کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔

اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی آل، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب، بزرگانِ دین، اولیائے عظام اور اللہ تعالیٰ کے وہ تمام بندے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ کے منظورِ نظر ہیں اور جن پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عنایات و الطاف ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق کی وجہ سے ان سے محبت رکھنا لازم ہے۔ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے دُشمنی بھی رکھتے ہو...؟ بھئی! یہ تو آئینِ وفا کے خلاف ہے۔

الغرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت رکھو۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے بغض:

اور آئینِ وفا کا ایک تقاضا یہ ہے کہ محبوب کے دُشمنوں سے بغض اور نفرت رکھو۔ ہمارا جذبہ محبت یہ ہونا چاہئے کہ جو لوگ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن ہیں وہ میرے دُشمن ہیں۔ تمہیں کتے اور خنزیر سے اتنی نفرت نہ ہو، جتنی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے ہو، تمہیں کسی گندگی اور غلاظت سے اتنی بدبو نہ آئے جتنی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے بدبو آتی ہو۔ یہ قادیانی ٹولہ اور اسی طرح کے دُوسرے لوگ، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن ہیں، موذی ہیں، گستاخ ہیں، لیکن تم ان کے ساتھ ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہو، اور دعوئ محبت بھی رکھتے ہو؟ غلط! بالکل غلط...! اگر تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلق ہوتا، محبت ہوتی تو تمہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے بغض ہوتا، ان سے نفرت ہوتی۔

قادیانی دوست...؟

بعض لوگ مجھے خط لکھتے ہیں تو یوں لکھتے ہیں کہ: ''میرا ایک قادیانی دوست ہے''، ''میرا ایک عیسائی دوست ہے''، ''میرا ایک ہندو دوست ہے'' مجھے اس لفظ سے بہت تعجب ہوتا ہے، کہ کیا تمہاری ہر قادیانی سے، ہر عیسائی سے، ہر ہندو سے دوستی ہے؟ اگر تم واقعی مسلمان ہو تو کیا کوئی قادیانی، کوئی ملحد و زِندیق، کوئی بد دِین، بے ایمان، کوئی عیسائی اور چوہڑا تمہارا دوست ہوسکتا ہے؟ میں پوچھتا ہوں کہ کیا کسی غیرت مند کی اپنے باپ کے قاتلوں سے بھی دوستی ہوسکتی ہے؟ کیا تم نے اپنے باپ کے قاتل کے بارے میں بھی کبھی کہا کہ: ''میرا ایک دوست میرے باپ کا قاتل ہے''؟ تم بلاتکلف لکھ دیتے ہو کہ: ''میرا ایک قادیانی دوست ہے'' اور یہ سوچتے نہیں کہ کیا ایک قادیانی مرتد بھی کبھی کسی مسلمان کا دوست ہوسکتا ہے؟ کیا تمہیں الفاظ کے استعمال کرنے کی بھی تمیز نہیں؟ جو لوگ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تاجِ ختمِ نبوّت پر ہاتھ ڈالتے ہیں، جو لوگ کہ ملعون قادیانی کو ''مسیحِ موعود'' اور ''محمد رسول اللہ'' کہتے ہیں، تم ان کو اپنا دوست کہتے ہو...؟ اس لئے میں نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوبوں سے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیاروں سے محبت ہو، اسی طرح ایک تقاضائے محبت یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمنوں سے ایسی نفرت ہو، ان سے ایسا بغض ہو کہ ایسی نفرت اور ایسا بغض پلید سے پلید چیزوں سے بھی نہ ہو۔

اَمیرِ شریعتؒ کی قادیانیوں اور انگریزوں سے نفرت:

اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

''مجھے اپنی زندگی میں صرف دو چیزوں سے نفرت

ہے، ایک قادیانی، دُوسرے انگریز، باقی کسی سے ایسی نفرت نہیں۔"

اور ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ:

"میں ان سوَروں کے ریوڑ کو چرانے کے لئے تیار ہوں جو انگریز کی کھیتی کو نقصان پہنچائے۔"

اور ۱۹۵۳ء کی تحریکِ ختمِ نبوّت میں فرماتے تھے کہ:

"خواجہ ناظم الدین صاحب! مرزائیوں کو مسلمانوں سے الگ کردیجئے! میں اس کی شکرگزاری میں ہر خدمت اور ہر نوکری بجالانے کو تیار ہوں۔"

یہ قادیانیوں اور انگریزوں کے ساتھ انتہائی نفرت کا اظہار تھا، اب اس سے زیادہ نفرت کا اظہار کیسے کریں؟ اور پھر اس کا صلہ بھی دیکھا جو حضرت اَمیرِ شریعتؒ کو بارگاہِ رسالت سے عطا ہوا؟ حضرت مولانا عبداللہ درخواستی رحمہ اللہ فوت ہوگئے ہیں، ان کے صاحب زادے موجود ہیں، ان سے پوچھ لو، حضرت درخواستیؒ مدینہ طیبہ حاضر ہوئے اور وہاں پہنچ کر ہجرت کا ارادہ کرلیا کہ باقی زندگی بس یہیں رہنا ہے، پاکستان واپس نہیں جانا۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ہوئی، حکم فرمایا کہ: "یہاں رہنے کی اجازت نہیں، واپس پاکستان جاؤ، وہاں تمہاری ضرورت ہے، وہاں رہ کر دِین کا کام کرو، اور میرے بیٹے عطاء اللہ شاہ بخاری کو میرا سلام کہہ دینا۔"

محبت والوں کو بارگاہِ عالی سے نوازا جاتا ہے:

تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت کرکے تو دیکھو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے الطاف وعنایات کا لطف دیکھو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر محبت رکھنے والے کو

اس کی محبت کا صلہ محبت سے دیتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے وفادار ہیں، ہماری پنجابی میں اس کو ’’لج پال‘‘ کہتے ہیں، یعنی لاج رکھنے والے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اپنے محبین کی لاج رکھنے والے ہیں، لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے آداب و شرائط کو بجا لاؤ۔

میں نے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ میں کہیں یہ واقعہ پڑھا تھا کہ ایک بزرگ غالباً حضرت جنید بغدادی رحمہ اللہ کے یہاں ایک کتا تھا، ایک دن اس کو دیکھا کہ کتیوں کے پیچھے پھر رہا ہے، فرمایا کہ: ’’اس کو نکال دو یہاں سے، یہ ہمارے دروازے پر رہنے کے لائق نہیں ہے۔‘‘ تم کتیوں کے پیچھے پھرتے ہو، اور چاہتے ہو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازے کے لائق بن جاؤ؟ کتوں اور کتیوں کے پیچھے پھرنے والے یہ چاہتے ہیں کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہاں محبوب ہوجائیں، اور ہم مقبول بن جائیں...؟

عاشق کی نظر محبوب کے سوا کسی پر نہیں ہوتی:

کہتے ہیں کہ: ’’جی! بدنظری ہوجاتی ہے‘‘ ارے اگر تمہاری ایک پر نظر ہوتی تو دُوسرے پر تمہاری نظر جاتی ہی نہیں۔ یوں کہتے ہیں کہ ایک حسینہ جارہی تھی، کوئی لونڈا اس کے پیچھے لگ گیا، وہ اس سے کہنے لگی کہ: ’’تم میرے پیچھے کیوں لگ گئے ہو؟‘‘ اس نے کہا: ’’مجھے تم سے محبت ہے!‘‘ حسینہ نے کہا: ’’ارے تم مجھ سے محبت کرکے کیا لوگے؟ پیچھے میری بہن آرہی ہے، اگر تم اس کو دیکھ لو تو اس پر ایسے فریفتہ ہوجاؤ کہ مجھے بھول جاؤ، میں تو حسن و جمال میں اس کی پاسنگ بھی نہیں ہوں، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا حسن و جمال دیا ہے کہ بس دیکھتے ہی رہو، وہ دیکھو! پیچھے میری بہن آرہی ہے۔‘‘ اس نوجوان نے پیچھے مڑکر دیکھا تو اس حسینہ نے نوجوان کو زور سے ایک تھپڑ رسید کیا، اور کہنے لگی کہ: ’’او بوالہوس! دعویٰ عشق کا، اور دُوسروں کو دیکھنا؟‘‘

عشق اور محبت کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے محبت ہو بس اسی کے ہو رہو، اس کے علاوہ کسی کو دیکھو ہی نہیں، عارف کہتے ہیں:

دِل آرامے کہ داری دِل درو بند
دگر چشم از ہمہ عالم فرو بند

ترجمہ:... ''تمہارا جو محبوب ہے بس اسی میں دِل لگاؤ، اس کے سوا سارے عالم سے آنکھیں بند کرلو۔''

سنو! مسجد میں بیٹھا ہوں، اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین اور صاحبِ جمال دِل رُبا، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں پیدا ہی نہیں کیا، محبت کرنی ہے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرو، تم کن چیزوں کے پیچھے لگ گئے ہو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر تم کن سفید چمڑیوں کے پیچھے لگے ہو؟ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَاَحۡسَنُ مِنۡکَ لَمۡ تَرَ قَطُّ عَیۡنِیۡ
وَاَجۡمَلُ مِنۡکَ لَمۡ تَلِدِ النِّسَآءُ
خُلِقۡتَ مُبَرَّأً مِّنۡ کُلِّ عَیۡبٍ
کَأَنَّکَ قَدۡ خُلِقۡتَ کَمَا تَشَآءُ

ترجمہ:... ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین کبھی کوئی شخص میری آنکھ نے نہیں دیکھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صاحبِ جمال کسی ماں نے بچہ نہیں جنا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر عیب سے مبرا پیدا کئے گئے ہیں، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے چاہتے تھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ویسے بنادیئے گئے۔''

اور میری اَماں اُمّ المؤمنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ''زنانِ مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھا تھا تو اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے'' جیسا کہ قرآنِ کریم

میں ہے کہ جب زنانِ مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو دیکھا تو جمالِ یوسفی سے ایسی مبہوت و مدہوش ہوئیں کہ ہوش و حواس کھو بیٹھیں اور پھلوں کے بجائے اپنے ہاتھ کاٹ لئے۔ اُمّ المؤمنین فرماتی تھیں کہ: ”زنانِ مصر نے زلیخا کے یوسف کو دیکھ کر ہاتھ کاٹ لئے تھے، اگر وہ میرے یوسف کو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو) دیکھ لیتیں تو چھریاں ہاتھوں پر نہ چلتیں بلکہ دِلوں پر چلتیں اور اپنی گردنیں کاٹ لیتیں۔“ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل دُنیا میں نہ کوئی ہوا، نہ ہوگا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع اور شکل و شباہت اختیار کرو:

اللہ کے بندو! تم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت کو چھوڑ کر غیروں کی شکل و شباہت اپناتے ہو؟ تمہیں گمراہ اور ملعون قوموں کی شکل و شباہت اور طور و طریق بھاتے ہیں؟ ہائے! تمہاری نظریں کدھر بھٹک گئیں؟ آؤ جمالِ محمدی کو دیکھو! محبوبِ رَبّ العالمین کے طریقوں کو اپناؤ!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم محبوبِ رَبّ العالمین ہیں:

دیکھو! کسی سے محبت کرتے ہو تو اس کو حسین دیکھ کر اس سے محبت کرتے ہو، اب سوچو کہ جس مقدس ہستی سے رَبّ العالمین محبت کرتا ہے اور جو ہستی حبیبِ کبریاء ہے اس کے حسن و جمال کا کیا عالم ہوگا؟ گویا اللہ تعالیٰ کے حسنِ انتخاب نے پوری کائنات میں سے حسین ترین ہستی کو چن کر اپنا محبوب بنایا ہے، باوجودیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی مخلوق ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق سے محبت فرما رہے ہیں جن کو خود پیدا کیا ہے، اس سے کچھ اندازہ کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کتنے حسین و جمیل ہوں گے جن سے اللہ تعالیٰ خود محبت فرما رہے ہیں؟ الغرض! محبوبِ رَبّ العالمین آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت کا تقاضا یہ ہے کہ دُوسروں کے طور و

طریق سے نظریں ہٹادو اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال پر اپنی نظریں گاڑ دو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبوبیت تو ایسی ہے کہ ہم اس کے لئے اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنے کو اپنی سعادت سمجھیں۔

حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ فرماتے تھے کہ: فارسی کی ایک غزل ہے، اس کے دو شعر بالکل آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حسبِ حال ہیں، اس کا ایک شعر تو یہ ہے:

ہمہ آہواں صحرا سر خود نہادہ بر کف
بامید آنکہ روزے بہ شکار خواہی آمد

ترجمہ:... ''جنگل کے سارے ہرن اپنے سر ہتھیلیوں پر لئے پھر رہے ہیں، اس اُمید پر کہ کسی دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم شکار کے لئے تشریف لائیں۔''

یہ حجۃ الوداع کے قصے کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع میں سو اُونٹ قربان کئے تھے، سات اُونٹوں کے بارے میں آتا ہے کہ ان میں سے ہر ایک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لپک رہا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے بسم اللہ فرمائیں۔

اور فرماتے تھے کہ: دُوسرا شعر ہے:

عشقے کہ بتو دارم نہ گزاردت بدیں ساں
بہ جنازہ گر نیائی بہ مزار خواہی آمد

ترجمہ:... ''مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو عشق و محبت ہے، وہ آپ کو ایسے تو چھوڑے گی نہیں، اگر جنازے پر نہیں تشریف لائیں گے تو مزار پر آئیں گے۔''

اس کی شرح یہ ہے کہ قبر میں مردے سے تین سوال کئے جاتے ہیں:

۱:... تیرا ربّ کون ہے؟

۲:... تیرا دِین کیا ہے؟

۳:... اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ:

''تو ان کے بارے میں کیا کہتا ہے؟''

بعض اکابرؒ فرماتے ہیں کہ قبر میں مردے کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کراکر یہ سوال کیا جاتا ہے۔ حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی روایت میں یہ مضمون نظر سے نہیں گزرا، اگر یہ ثابت ہو تو مؤمن کے لئے بڑی بشارت ہے۔

سنت سے طبعی رغبت ہونا:

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا ایک تقاضا یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے ہمیں طبعی رغبت ہوجائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ''لوکی'' پسند تھی، میں سات سال تک لوکی کھاتا رہا ہوں، دو وقت روزانہ لوکی کا سالن کھاتا تھا، کیونکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغوب تھی، مجھے اس پورے عرصے میں کبھی اس سے اُکتاہٹ نہیں ہوئی، ایک دفعہ بیمار ہوا تو ڈاکٹر، حکیموں نے یہ کہہ کر چھڑادی کہ مسلسل لوکی کھانے سے اس کا معدہ ٹھنڈا ہوگیا ہے، اس کی لوکی چھڑاؤ، تب سے یہ چھوٹ گئی، ورنہ سات سال تک بغیر اُکتاہٹ کے دو وقت کھاتا رہا ہوں، اس لئے کہ میرے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی۔

الغرض! تقاضائے محبت یہ ہے کہ ہماری رغبتیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رغبت میں فنا ہوجائیں اور ہمارا یہ ذوق اور مزاج بن جائے کہ جو چیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو محبوب ہے وہ ہمیں محبوب ہے، مجھے بہت تعجب ہوتا ہے کہ عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ کرنے والے سے داڑھی کے بال نہیں رکھے جاتے، عشقِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دعویٰ اور یہ معمولی سا بوجھ نہیں اُٹھایا جاتا۔ میرے بھائیو!

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ یہ محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے؟ تم یہود و نصاریٰ کے طور طریقے اختیار کرتے ہو لیکن محبوبِ کبریاء صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے تمہیں بھول گئے ہیں، اور بعض تو اللہ کے نیک بندے ایسے ہیں کہ ان کو ان چیزوں سے نفرت ہوگئی ہے، ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت سے نفرت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و اخلاق سے نفرت ہوگئی، انا للہ وانا الیہ راجعون! غور کرو اور انصاف کرو کہ کیا کسی اُمتی کو اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و شباہت سے نفرت ہوسکتی ہے؟ اور جس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضع قطع اور شکل و شباہت سے نفرت ہوجائے اس کو مسلمان کہنا صحیح ہے...؟

ایک حدیث:

اب آخر میں ایک حدیث نقل کرکے ختم کرتا ہوں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”اَحِبُّوا اللّٰہَ لِمَا یَغْذُوْکُمْ مِّنْ نِّعَمِہٖ، وَاَحِبُّوْنِیْ لِحُبِّ اللّٰہِ، وَاَحِبُّوْا اَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ۔“ (مشکوٰۃ ص:۵۷۳)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو اس لئے کہ وہ تمہیں غذا دیتا ہے اپنی نعمتوں سے، اور مجھ سے محبت کرو اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے، اور میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو، میری محبت کی وجہ سے۔“

حق تعالیٰ محبوبِ مطلق ہیں، اور اللہ تعالیٰ شانہٗ کی محبت ان کی ذاتِ عالی کی وجہ سے بھی لازم ہے، ان کی صفاتِ کمال اور جلال و جمال کی وجہ سے بھی، اور ان کی عطاء ونوال کی وجہ سے بھی، چونکہ اِنعامات و اِحسانات کا اِستحضار عام لوگوں کے لئے محبت کا قوی ترین ذریعہ ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے: ”اَلْاِنْسَانُ عَبْدُ الْاِحْسَانِ“ انسان، اِحسان کا غلام ہے۔

اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اِنعاماتِ اِلٰہیہ کو پیشِ نظر رکھنے کا حکم فرمایا، کہ چونکہ اللہ تعالیٰ تمہیں غذائیں دیتا ہے، روزی عطا کرتا ہے، وہ تمہارا خالق بھی ہے، مالک بھی ہے، مربی بھی ہے، رَبّ العالمین بھی ہے، اس لئے اس سے محبت رکھنا لازمۂ عبدیت ہے۔ اور سچ پوچھو تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ عالی بھی اللہ کی عطاؤں میں سے ایک عطاء ہے، اصل معطیٔ حقیقی وہ ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں، ان کی زندگی تمہارے سامنے گزری ہے، جب تم نے اس انسانِ کامل کو نہیں پہچانا تو رَبّ العالمین کو کیسے پہچانوگے؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو تمہیں چلتے پھرتے نظر آتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وشمائل کو تم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا، جب تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھ کر بھی نہیں پہچان سکے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت پر فریفتہ نہیں ہوسکے تو پروردگارِ عالم جل شانہٗ تو ان مادّی آنکھوں سے کبھی نظر نہیں آتے، ان سے تم کیا محبت کروگے؟ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی محبوبِ حقیقی ہیں اور اللہ تعالیٰ ہمارے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے بھی محبوب ہیں، تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے محبوب ہیں، اللہ تعالیٰ کی شانِ محبوبیت کا مخلوق کیا ادراک کرسکتی ہے؟ سبحان اللہ! ہمارے اَمیرِ شریعت سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے، پنجابی میں حسین اور خوبصورت کو ”سوہنا“ کہتے ہیں، شاہ جیؒ فرماتے تھے کہ دُوسرے حسین تو ”سوہنے“ ہیں، یعنی صاحبِ حسن وجمال ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو ”سوہنا“ نہیں بلکہ ”سناہاپ“ کہنا چاہئے، یعنی ”عین حسن وجمال“ اس کا جمال اپنی آخری انتہا کو پہنچا ہوا ہے کہ اس پر اضافہ ممکن نہیں، وہ صاحبِ جمال نہیں بلکہ ”عینِ جمال“ ہیں۔

الغرض! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے محبت رکھو، اس لئے کہ وہ تم کو غذا دیتا ہے، یعنی اگر اللہ تعالیٰ کی ذات بے چون وچگون تک تمہاری نظر نہیں جاتی، اگر اللہ تعالیٰ کی صفاتِ جلال وجمال تک بھی تمہاری نظر نہیں

پہنچتی، تو اتنی بات تو سب جانتے ہیں کہ تمام اِنعامات ظاہری و باطنی اسی کی عطا ہیں، اور اس کے اِنعامات کسی ایک شخص تک محدود نہیں، بلکہ پورے کا پورا جہان اس کے اِنعامات و اِحسانات کے دریا میں غرق ہے۔

ایک جامع دُعائے شکر:

میں نے یہاں مسجد میں ایک دُعا لکھوا کے لگائی تھی، اب شاید اُتار دی گئی ہو، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ جو شخص صبح اور شام تین مرتبہ یہ دُعا پڑھا کرے:

”اَللّٰھُمَّ مَا اَصۡبَحَ بِیۡ مِنۡ نِّعۡمَۃٍ اَوۡ بِأَحَدٍ مِّنۡ خَلۡقِکَ فَمِنۡکَ وَحۡدَکَ لَا شَرِیۡکَ لَکَ، فَلَکَ الۡحَمۡدُ وَلَکَ الشُّکۡرُ۔“

ترجمہ:... ”یا اللہ! آج کے دن مجھ پر یا آپ کی مخلوق میں سے کسی پر جو کوئی بھی احسان ہے اور جو کوئی بھی نعمت ہے، وہ محض اور صرف ایک آپ ہی کی جانب سے ہے، اس کی عطا میں اور کسی کا دخل نہیں، سو آپ ہی کے لئے حمد ہے اور آپ ہی کے لئے شکر ہے۔“

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ دُعا صبح کو تین مرتبہ پڑھے اس نے سارے دن کی نعمتوں کا شکر اَدا کردیا، اور جو شخص شام کو یہ دُعا تین مرتبہ پڑھے اس نے رات بھر کی ساری نعمتوں کا شکر اَدا کردیا۔ سبحان اللہ! کیسی جامع دُعا کی تلقین فرمائی۔ اس دُعا میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حقیقت سے آگاہ فرمایا ہے کہ تمام اِنعامات کا منبع اور تمام فیوضات و برکات کا سرچشمہ حق تعالیٰ شانہٗ کی ذاتِ عالی ہے، وہی پاک ذات لائقِ حمد ہے، اور وہی لائقِ شکر ہے۔ ”اَللّٰھُمَّ لَکَ الۡحَمۡدُ وَلَکَ الشُّکۡرُ“ اس لئے اگر تم کو حق تعالیٰ کے جلال و جمال کا اِدراک نہیں تو

کم سے کم اس کے بے پایاں احسانات کی وجہ سے اس سے محبت رکھو۔

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ:

”وَأَحِبُّوْنِی لِحُبِّ اللّٰہِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۷۳، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... ”اور مجھ سے محبت رکھو، اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے۔“

”اللہ تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے“ کے دو مطلب ہوسکتے ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھ سے محبت رکھتے ہیں، تو تم کو بھی بدرجۂ اَولیٰ مجھ سے محبت رکھنی چاہئے۔ دُوسرا یہ کہ اگر تم اللہ تعالیٰ سے اس کے احسانات کی بنا پر محبت رکھتے ہو تو مجھ سے بھی محبت رکھو، اس لئے کہ میں اللہ تعالیٰ کے انعامات میں سب سے بڑا انعام ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری تعلیم و تربیت کے لئے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے، تمہیں محبوبِ حقیقی کا راستہ بتاتا ہوں، آدابِ عبدیت، آدابِ انسانیت تم کو سکھاتا ہوں، اللہ تعالیٰ نے تمہاری دُنیا و آخرت کی خیر میری پیروی میں رکھی ہے، اس لئے تمہارا اَوّلین فرض ہے کہ مجھ سے محبت کا تعلق رکھو۔

اور فرمایا کہ:

”وَأَحِبُّوْا أَھْلَ بَیْتِیْ لِحُبِّیْ۔“

(مشکوٰۃ ص:۵۷۳، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... ”میری محبت کی وجہ سے میرے اہلِ بیت سے محبت رکھو۔“

گویا جس شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ضرور محبت ہوگی، اور جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہے، اس کو لازماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت رضی اللہ عنہم سے محبت ہوگی، اور جس شخص

کے دِل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اہلِ بیت کی، اَزواجِ مطہرات کی، صحابہ کرام کی اور آل و اولاد رضی اللہ عنہم کی محبت نہیں، اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی محبت نہیں، اس کا دعوائے محبت ہی نہیں بلکہ دعوائے ایمان بھی مشکوک ہے۔

اب دُعا کیجئے:

اب دُعا کیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی سچی محبت نصیب فرمائیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اَصحابِ کبار اور اہلِ بیت عظام رضی اللہ عنہم کی سچی محبت نصیب فرمائیں، اور اللہ تعالیٰ ہمارے دِلوں کو اس محبت کے لئے مستعد فرمادیں، اور ہمارے دِلوں پر جو خواہشات کا زنگ ہے، گرد و غبار ہے، سیاہی و تاریکی ہے، اور نامعلوم کیا کیا گند بلا ہمارے دِلوں میں بھرا ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ان تمام چیزوں کو ہمارے دِلوں سے نکال کر اپنے لطف و کرم سے ان کو پاک صاف فرمادیں، اور پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت سے ہمارے دِلوں کو بھر دیں، اور محبت کی خوشبو ہمیں نصیب فرمائیں۔

یا اللہ! ہم محتاج ہیں، یا اللہ! ہمارے احتیاج پر، ہمارے فقر پر، ہماری بے کسی و بے بسی پر رحم فرما، یا اللہ! ہمیں اپنی اور اپنے حبیبِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سچی محبت نصیب فرما۔

صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ سَیِّدِنَا مُحَمَّدِنِ
النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ وَاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاَزْوَاجِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ،
بِرَحْمَتِکَ یَا اَرْحَمَ الرَّاحِمِیْنَ۔
وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

لیلۃ القدر

کی برکات اور اس کے حصول کا طریقہ

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شبِ قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ: اللہ رَبّ العزّت سے یہ کہنا کہ:

”اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ“

ترجمہ:... ”یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ! مجھے بھی معاف کردیجئے۔“ (مشکوٰۃ شریف ص:۱۸۲)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

فضائلِ رمضان میں ایک جامع حدیث:

حضرت شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالے ’’فضائلِ رمضان‘‘ کے خاتمے میں ایک لمبی حدیث نقل کی ہے، حضرتِ شیخؒ فرماتے ہیں کہ خاتمے میں ایک طویل حدیث جس میں کئی نوع کے فضائل ارشاد فرمائے ہیں، ذکر کرکے اس رسالے کو ختم کیا جاتا ہے۔ وہ حدیث یہ ہے:

’’حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اِرشاد فرماتے ہوئے سنا کہ: جنت کو رمضان شریف کے لئے خوشبوؤں کی دُھونی دی جاتی ہے اور شروع سال سے آخر سال تک رمضان المبارک کے لئے جنت کو آراستہ کیا جاتا ہے، پس جب رمضان المبارک کی پہلی رات ہوتی ہے تو عرش کے نیچے سے ایک ہوا چلتی ہے، جس کا نام ’’میثرہ‘‘ ہے (جس کے جھونکوں کی وجہ سے) جنت کے درختوں کے پتے اور کواڑوں کے حلقے بجنے لگتے ہیں، جس

سے ایسی دِل آویز سریلی آواز نکلتی ہے کہ سننے والوں نے اس سے اچھی آواز کبھی نہیں سنی، پس خوشنما آنکھوں والی حوریں اپنے مکانوں سے نکل کر جنت کے بالاخانوں کے درمیان کھڑی ہوکر آواز دیتی ہیں کہ: کوئی ہے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم سے منگنی کرنے والا تاکہ اللہ تعالیٰ شانہٗ اس کو ہم سے جوڑ دیں؟ پھر وہی حوریں جنت کے داروغہ ’’رضوان‘‘ سے پوچھتی ہیں کہ یہ کیسی رات ہے؟ وہ لبیک کہہ کر جواب دیتے ہیں کہ: رمضان المبارک کی پہلی رات ہے، جنت کے دروازے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے روزہ داروں کے لئے آج کھول دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہٗ رضوان سے فرمادیتے ہیں کہ جنت کے دروازے کھول دے، اور ’’مالک‘‘ یعنی جہنم کے داروغے سے فرمادیتے ہیں کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے روزہ داروں پر جہنم کے دروازے بند کردے، اور حضرت جبریل علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حکم ہوتا ہے کہ زمین پر جاؤ اور سرکش شیاطین کو قید کرو، اور ان کے گلے میں طوق ڈال کر دریا میں پھینک دو کہ میرے محبوب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے روزوں کو خراب نہ کریں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہٗ رمضان المبارک کی ہر رات میں ایک منادی کو حکم فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ یہ آواز دے کہ: ہے کوئی مانگنے والا کہ جس کو میں عطا کروں؟ ہے کوئی توبہ کرنے والا کہ میں اس کی توبہ قبول کروں؟ ہے کوئی مغفرت چاہنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟ کون ہے جو غنی کو قرض دے؟ ایسا

غنی جو نادار نہیں، اور ایسا پورا پورا اَدا کرنے والا جو ذرا بھی کمی نہیں کرتا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: حق تعالیٰ شانہٗ رمضان المبارک میں روزانہ اِفطار کے وقت ایسے دس لاکھ آدمیوں کو جہنم سے خلاصی مرحمت فرماتے ہیں جو جہنم کے مستحق ہوچکے تھے، اور جب رمضان المبارک کا آخری دن ہوتا ہے تو یکم رمضان سے آج تک جس قدر لوگ جہنم سے آزاد کئے گئے تھے، ان کے برابر اس ایک دن میں آزاد فرماتے ہیں۔

اور جس رات شبِ قدر ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ حضرت جبریل علیہ السلام کو حکم فرماتے ہیں، وہ فرشتوں کے ایک بڑے لشکر کے ساتھ زمین پر اُترتے ہیں، ان کے ساتھ ایک سبز جھنڈا ہوتا ہے جس کو بیت اللہ شریف کے اُوپر کھڑا کردیتے ہیں، اور حضرت جبریل علیہ السلام کے سو بازُو ہیں، جن میں سے دو بازُوؤں کو صرف اسی رات میں کھولتے ہیں، جن کو مشرق سے مغرب تک پھیلادیتے ہیں، پھر جبریل علیہ السلام فرشتوں کو تقاضا (حکم) فرماتے ہیں کہ جو مسلمان آج کی رات کھڑا ہو، یا بیٹھا ہو، نماز پڑھ رہا ہو یا ذکر کر رہا ہو، اس کو سلام کریں اور اس سے مصافحہ کریں، اور ان کی دُعاؤں پر آمین کہیں۔ صبح تک یہی حالت رہتی ہے، جب صبح ہوجاتی ہے تو جبریل علیہ السلام آواز دیتے ہیں کہ: اے فرشتوں کی جماعت! اب کوچ کرو اور چلو۔ فرشتے حضرت جبریل علیہ السلام سے پوچھتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کی حاجتوں اور مؤمنوں کی ضرورتوں کے بارے میں کیا معاملہ فرمایا؟ وہ کہتے ہیں کہ: اللہ تبارک و

تعالیٰ نے ان پر عنایت اور توجہ فرمائی اور چار شخصوں کے علاوہ سب کو معاف فرمادیا۔ صحابہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! وہ چار شخص کون ہیں؟ ارشاد فرمایا: ایک وہ شخص جو شراب کا عادی ہو (اور اس سے توبہ نہ کرے)، دُوسرا وہ شخص جو والدین کی نافرمانی کرنے والا ہو، تیسرا وہ شخص جو قطع رحمی کرنے والا ہو اور ناتا توڑنے والا ہو، چوتھا وہ شخص جو کینہ رکھنے والا ہو اور آپس میں قطع تعلق کرنے والا ہو۔ جب عیدالفطر کی رات ہوتی ہے تو (اس کا نام آسمانوں پر) ''لیلۃ الجائزہ'' یعنی ''اِنعام والی رات'' سے لیا جاتا ہے، اور جب عید کی صبح ہوتی ہے تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں کو تمام شہروں میں بھیج دیتے ہیں، وہ زمین پر اُتر کر تمام گلیوں اور راستوں کے سروں پر کھڑے ہوجاتے ہیں، اور ایسی آواز سے، جس کو اِنسان اور جنات کے سوا ہر مخلوق سنتی ہے، پکارتے ہیں کہ: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت! اس کریم رَبّ کی بارگاہ کی طرف چلو، جو بہت زیادہ عطا کرنے والا ہے، اور بڑے سے بڑے قصور کو معاف کرنے والا ہے۔ پھر جب لوگ عیدگاہ کی طرف نکلتے ہیں تو حق تعالیٰ شانہٗ فرشتوں سے دریافت کرتے ہیں کہ: کیا بدلہ ہے اس مزدور کا جو اپنا پورا کام کرچکا ہو؟ وہ عرض کرتے ہیں کہ: اے ہمارے معبود! اور اے ہمارے مالک! اس کا بدلہ یہی ہے کہ اس کی مزدوری پوری پوری دے دی جائے۔ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: اے فرشتو! میں تمہیں گواہ بناتا ہوں کہ میں نے ان کو رمضان المبارک کے روزوں اور تراویح کے بدلے میں اپنی رضا اور

مغفرت عطا کردی۔ اور بندوں سے خطاب فرما کر ارشاد ہوتا ہے کہ: اے میرے بندو! مجھ سے مانگو، میری عزّت کی قسم! میرے جلال کی قسم! آج کے دن اپنے اس اجتماع میں مجھ سے اپنی آخرت کے بارے میں جو سوال کروگے، عطا کروں گا، اور دُنیا کے بارے میں جو سوال کروگے، اس میں تمہاری مصلحت پر نظر کروں گا۔ میری عزّت کی قسم! جب تک تم میرا خیال رکھوگے، میں تمہاری لغزشوں پر ستاری کرتا رہوں گا (اور ان کو چھپاتا رہوں گا)، میری عزّت کی قسم! اور میرے جلال کی قسم! میں تمہیں مجرموں (اور کافروں) کے سامنے رُسوا اور فضیحت نہیں کروں گا، پس اب بخشے بخشائے اپنے گھروں کی طرف لوٹ جاؤ، تم نے مجھے راضی کردیا، میں تم سے راضی ہوگیا۔ پس فرشتے اس اجر و ثواب کو دیکھ کر جو ان کو عیدالفطر کے دن ملتا ہے، خوشیاں مناتے ہیں اور کھل جاتے ہیں۔ (اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنَا مِنْھُمْ! یا اللہ ہمیں بھی ان میں شامل فرما، آمین!)۔'' (فضائلِ رمضان ص:۶۰)

شبِ قدر، رحمتِ خداوندی کی رات:

میں نے حدیث کا صرف ترجمہ پڑھا ہے، اس پر شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے کچھ فوائد بھی لکھے ہیں، ان کو چھوڑ دیتا ہوں۔

رمضان المبارک کی رحمتوں اور برکتوں کا ایک مختصر سا نقشہ اس حدیث شریف میں آیا ہے، جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے حال پر کتنی عنایت اور کتنی رحمت ہے، اور کریم آقا نے اپنے بندوں کو

بخشنے کے لئے کیا کیا سامان تیار کر رکھے ہیں۔ یہ ستائیسویں رات عام طور پر شبِ قدر کہلاتی ہے، یہ تو اللہ ہی کو معلوم ہے کہ شبِ قدر کی رات کون سی ہے؟ کون سی طاق رات میں ہوتی ہے؟ کیونکہ اس میں علماء کے بہت سے اقوال ہیں، عام علمائے کرام کا رُجحان یہ ہے کہ ستائیسویں کی رات شبِ قدر ہوتی ہے، بہرحال شبِ قدر خواہ کوئی سی رات میں ہو، دُعا کرو کہ اللہ تعالیٰ اس کی برکتیں ہمیں نصیب فرمائے، اب اس سلسلے میں کوشش کروں گا کہ مختصراً چند باتیں عرض کروں۔

حضرت عائشہؓ کی براءت کا واقعہ:

پہلی بات یہ ہے کہ سورۂ نور میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر منافقوں کے بہتان لگانے کے قصے کا ذکر کیا گیا ہے، منافقوں کی اس لب تراشی سے متأثر ہوکر ایک دو مخلص مسلمان بھی اس میں ملوّث ہوگئے تھے، وہ بھی باتیں کرنے لگے، اللہ تعالیٰ نے بہت سخت الفاظ میں ان کو تنبیہ فرمائی ہے:

”یَعِظُکُمُ اللّٰہُ اَنْ تَعُوْدُوْا لِمِثْلِہٖٓ اَبَدًا...“

(النور:۱۷)

ترجمہ:...”اللہ تعالیٰ تم کو نصیحت کرتا ہے کہ خبردار! آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہئے۔“

کسی مسلمان پر تہمت لگانا، اور مسلمان بھی کون؟ مسلمانوں کی ماں! اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا، ان پر کسی مسلمان کی طرف سے گندگی کا منسوب کیا جانا کوئی چھوٹی بات ہے؟ حضرت مسطح بن اثاثہ رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے تھے اور نادار فقیر تھے، یہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عزیز تھے، ان کے تمام خرچ اِخراجات حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اُٹھاتے تھے، یہ بھی منافقوں کی باتوں سے متأثر ہوکر اُمّ المؤمنینؓ کے بارے میں ایسی باتیں کرنے لگے، جب حضرت عائشہ رضی

اللہ عنہا کی براءت میں یہ آیت نازل ہوئی: ”اُولٰٓئِکَ مُبَرَّءُوْنَ مِمَّا یَقُوْلُوْنَ ...الخ“ (النور:۲۶) یعنی منافق لوگ جو بدزبانی کر رہے ہیں، یہ حضرات اس سے بَری ہیں۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے رنج کا واقعہ:

پس جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی براءت کا اعلان فرمایا تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو غصہ تو آنا ہی چاہئے تھا، چنانچہ انہوں نے غصّے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطح بن اثاثہؓ کو خرچ نہیں دُوں گا۔ ظاہر ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا یہ غصہ اللہ کی خاطر تھا، کسی کی بیٹی پر ایسی تہمت لگائی گئی ہو تو خود سوچئے کہ پھر ہمارا معاملہ اس تہمت لگانے والے کے ساتھ کیا ہوگا؟ بیٹی پر بدکاری کی تہمت کون برداشت کرتا ہے؟ پھر یہ بیٹی بھی تو عام بیٹیوں جیسی نہیں تھی، بلکہ یہ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجۂ مطہرہ تھیں۔ الغرض! حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو غصہ آگیا اور غصّے میں قسم کھالی کہ آئندہ مسطحؓ کو خرچ نہیں دیں گے۔ حق تعالیٰ شانہٗ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اپنی اس قسم سے باز رکھنے کے لئے سفارش فرمائی، گویا مسطحؓ کی سفارش کی کہ ان کا خرچ بند نہ کیا جائے اور فرمایا: ”وَلَا یَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ“ یعنی تم میں سے جو صاحبِ فضیلت اور صاحبِ گنجائش ہیں، جو صاحبِ خیر ہیں، وہ اس بات کی قسم نہ کھائیں: ”اَنْ یُّؤْتُوْٓا اُولِی الْقُرْبٰی وَالْمَسٰکِیْنَ وَالْمُھٰجِرِیْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللہِ“ کہ وہ اپنے قرابت والوں کو جو کہ فقیر ہیں اور مہاجر فی سبیل اللہ ہیں، ان پر خرچ نہیں کریں گے، اور ان کو آئندہ خرچ نہیں دیں گے۔ ”وَلْیَعْفُوْا وَلْیَصْفَحُوْا“ یعنی ان کو چاہئے کہ معاف کردیں اور درگزر سے کام لیں، ”اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ یَّغْفِرَ اللہُ لَکُمْ“ یعنی کیا تم یہ نہیں چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے، اگر تم یہ چاہتے ہو کہ اللہ تمہیں بخش دے تو تم بھی ان لوگوں کو بخش دو اور درگزر سے کام لو، تم اللہ کے قصوروار ہو اور اس کی مغفرت کی اُمید رکھتے ہو تو لازم ہے کہ تم

قصور والوں کو معاف کردو، ”وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ“ (النور:۲۲) اور اللہ بہت بخشنے والا اور بہت رحم کرنے والا ہے۔

واقعی اللہ تعالیٰ بے حد بخشنے والا اور بے حد رحم کرنے والا ہے، کیونکہ تمہارا مجرم کوئی ایک آدھ آدمی ہوگا، اور اس کے مجرم بے شمار ہیں، تمہارا قصور کسی نے کوئی ایک آدھ کیا ہوگا، اس کے بندوں نے بے شمار جرم اور بے شمار قصور کئے ہیں، جب ان تمام جرائم کے باوجود اور ان تمام قصوروں کے باوجود بندے یہ توقع رکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کو بخش دے، ان کی مغفرت فرمائے اور ان پر رحم فرمائے تو اگر کسی نے تمہارا ایک آدھ قصور کردیا تو تم بھی معاف کردو۔

”وَلَا یَأْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْکُمْ وَالسَّعَةِ“ یعنی تم میں سے جو صاحبِ فضیلت اور گنجائش والے ہیں۔ ”صاحبِ فضیلت“ اس شخص کو کہتے ہیں جس کو بڑائی حاصل ہوتی ہے، اور ”صاحبِ گنجائش“ وہ شخص ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے دُوسروں کی نسبت مال زیادہ عطا فرمایا۔ اس آیتِ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو صاحبِ فضیلت اور صاحبِ گنجائش فرمایا۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی افضلیت:

اِمام رازی رحمہ اللہ نے ”تفسیر کبیر“ میں اس آیت کی تفسیر میں تقریباً پندرہ وجوہ سے، پندرہ دلائل سے یہ ثابت کیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم سے افضل تھے، اس لئے کہ اللہ رَبّ العزّت نے ان کو ”اُولوالفضل“ فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی سفارش کہ قصوروار کو معاف کردیا جائے:

اور اس سے بڑی بات کیا ہوگی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ، جن کی ہستی سے بڑی کوئی ہستی نہیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ایک قصوروار کا قصور معاف

کروانے کے لئے اور ایک مجرم سے درگزر کرنے کے لئے سفارش فرما رہے ہیں، اور سفارش کا انداز بھی عجیب وغریب اختیار فرمایا کہ پہلے ان کی فضیلت بیان فرمائی، اور پھر ان کی فضیلت کے حوالے سے فرمایا کہ: ہاں! ہاں! آپ جیسے آدمی کو ایسی قسم نہیں کھانی چاہئے۔ گویا ان کو فرمایا کہ تم اتنے بڑے آدمی ہو، اور پھر اتنی چھوٹی بات پر قسم کھاتے ہو؟ نہیں، ایسا نہیں کرنا چاہئے، بلکہ: ''وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا'' معاف کردو اور درگزر سے کام لو، اور پھر آخری بات فرمادی: ''اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ'' کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تم کو بخش دے؟ ظاہر ہے کہ کون نہیں چاہے گا کہ اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیں، جب تم اللہ تعالیٰ سے بخشش چاہتے ہو تو خود بھی لوگوں کے ساتھ بخشش کا معاملہ کرو۔

بخشش چاہتے ہو تو تم دُوسروں کو معاف کردو:

میں نے یہ جو قصہ ذکر کیا ہے، اور قرآنِ کریم کی اس آیتِ شریفہ کا حوالہ دیا ہے، میرا مدعا صرف اتنا ہے کہ ہم سب کے سب اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے یہاں جمع ہوئے ہیں، ٹھیک ہے بھائی! ہم اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگتے ہیں، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ ہمارا بھی کسی نے کوئی قصور کیا ہوگا، کیا ہم نے اس کو معاف کردیا ہے؟ تو اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ ہم رضائے اِلٰہی کے لئے اپنے تمام قصورواروں کو معاف کردیں، آج کے دن تک اور آج کی رات تک ہمارا جس شخص نے بھی جو بھی قصور کیا ہو، ہمیں صدمہ پہنچایا ہو، ہمیں رنج پہنچایا ہو، کوئی نازیبا حرکت اس نے کی ہو، سب کو معاف کردیں، اور ہم اپنے دِل میں یہ فیصلہ کرلیں کہ ہماری طرف سے سب کو تمام قصور معاف ہیں، کیوں؟ اس لئے کہ خود ہماری معافی کا مقدمہ بارگاہِ اِلٰہی میں پیش ہے، ہم معاف کردیں گے تو ہمارے لئے بھی معافی کا حکم ہوجائے گا، جب ہم سب کو معاف کرکے بارگاہِ اِلٰہی میں معافی طلب کرنے کے لئے

آئیں گے تو اِن شاء اللہ ہمیں بھی معافی کا پروانہ مل جائے گا۔ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرمایا کرتے تھے:

''اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَنْ فِی السَّمَآءِ۔''

(مشکوٰۃ شریف ص:۴۲۳)

ترجمہ:... ''رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔''

تو ایک گزارش تو میری یہ ہے کہ اپنے عزیزوں کے ساتھ، اپنے ہمسایوں کے ساتھ، اپنے تعلق والوں کے ساتھ، ہماری کوئی نہ کوئی لڑائی چلتی رہتی ہے، کون آدمی ہے جس کی کسی کے ساتھ لڑائی نہ ہو؟ بندہ، بندہ ہے، کمزور ہے، کبھی کسی کی حالت سے رنج ہوتا ہے، کبھی کسی کی بات سے آدمی کے دِل کو صدمہ پہنچتا ہے، اور بعض لوگ تو رنجیدہ ہوکر قسم کھالیا کرتے ہیں کہ: ''میں تو بالکل معاف نہیں کروں گا!'' اچھا بھائی! تم معاف نہیں کروگے تو پھر کیا کروگے؟ کیا یہ چاہوگے کہ اللہ تعالیٰ بھی قسم کھالیں کہ وہ تمہیں معاف نہیں کریں گے؟ نہیں! ہم تو کمزور بندے ہیں، ہم تو یہ چاہیں گے کہ اللہ کریم ہمیں معاف کردیں، اگر ہم چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف کردیں تو خود سوچو کہ پھر ہمیں ایسی قسم کھانے کا کیا حق ہے؟ اور اس کا کیا جواز ہے؟

شبِ قدر کی دُعا:

اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ: میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ اگر میں شبِ قدر کو پاؤں تو کیا مانگوں؟ فرمایا کہ: اللہ رَبّ العزّت سے یہ کہنا کہ:

''اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ کَرِیْمٌ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّیْ''

(مشکوٰۃ شریف ص:۱۸۲)

ترجمہ:... ''یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، اور معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، یا اللہ! مجھے بھی معاف کردیجئے۔''

یہ تو میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ یہ تو معلوم نہیں کہ آج کی رات ہی شبِ قدر ہے یا کوئی اور رات شبِ قدر ہے؟ بہرحال وہ ہم پر گزرے گی اور رحمتیں و برکتیں بکھیر کر جائے گی، ہمیں پتا چلے یا نہ چلے، ہمیں پتا ہونا ضروری نہیں، پتا چلے گا اس دن، جس دن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے ہم پر اس شبِ مبارک کی وجہ سے انعامات ہوں گے۔ بہرحال اس شبِ قدر کی دُعا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تلقین فرمائی: ''اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ'' یا اللہ! آپ بہت معاف کرنے والے ہیں، ''تُحِبُّ الْعَفْوَ'' آپ معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، مخلوق انتقام لینا چاہتی ہے اور اِنتقام کو پسند کرتی ہے، لیکن یا اللہ! آپ انتقام لینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں، ''فَاعْفُ عَنِّیْ'' پس مجھے بھی معاف فرمادیجئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو معاف فرمائے۔

حدیث شریف میں ارشاد ہے کہ: ''تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ'' اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ۔ اگر ہم اللہ سے معافی کے طالب ہیں تو لازم ہے کہ ہم بھی تمام لوگوں کو معاف کردیں، آج سے لوگوں کے تمام کھاتے بے باق کردیں۔

چار آدمی جن کی بخشش نہیں ہوتی:

اب دُوسری بات، حدیث شریف جو میں نے آپ کو سنائی، اس میں ارشاد فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ چار آدمیوں کی بخشش اس رات میں بھی نہیں فرماتے۔ رمضان المبارک میں جیسا کہ آپ نے سنا، ہر رات دس لاکھ ایسے آدمیوں کی بخشش کی جاتی ہے کہ جن پر جہنم واجب ہوچکی تھی، اور ان سے فرمادیا جاتا ہے کہ: ''جاؤ! آزاد

کیا'' اور رمضان المبارک کی آخری رات میں اتنے لوگوں کو معاف کیا جاتا ہے، جتنے لوگوں کو یکم رمضان سے آخری رات تک معاف کیا گیا تھا، اللہ اکبر! اتنے لوگوں کو آزاد کیا جاتا ہے، رمضان المبارک میں رحمتِ الٰہی کا گویا سیلاب ہے، جو بندوں کے گناہوں کو بہا کر لے جاتا ہے، لیکن چار آدمیوں کی بخشش رمضان المبارک کی عام راتوں میں تو کیا، شبِ قدر میں بھی نہیں ہوتی، بھئی ان سے بڑھ کر بدقسمت کون ہوگا؟ شبِ قدر میں جبکہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے معافی کا اعلان کیا جارہا ہے، ان کی بخشش نہیں ہورہی، وہ چار کون ہیں؟ ایک تو شراب کا عادی، ایسا بلانوش کہ جس نے شراب سے توبہ نہ کی ہو، اور اس گناہ سے توبہ کرنے کی اس کو توفیق نہ ہوئی ہو۔

حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ کی ایک کرامت:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ کا جس دن انتقال ہوا، اس دن ہم لوگ حضرتؒ کے مکان پر جمع تھے، حضرتؒ کے صاحب زادے نے ایک قصہ سنایا، کہنے لگے کہ: ایک شخص مطب میں آیا، مجھ سے کہنا لگا کہ: ڈاکٹر صاحب ٹھیک ہیں؟ اس وقت حضرتؒ کی رہائش بھی اسی احاطے میں تھی جہاں پاپوش میں حضرتؒ کا مطب تھا، اور عصر کے بعد حضرتؒ کی مجلس لگتی تھی۔ میں نے کہا: بیٹھے ہیں، مجلس لگی ہوئی ہے۔ مطب کا جو دروازہ احاطے کی طرف کھلتا تھا، اس نے وہ دروازہ کھولا اور دونوں کواڑ پکڑ کر کھڑا ہوا کچھ دیر حضرتؒ کو دیکھتا رہا، اور واپس آکر دوبارہ بیٹھ گیا، اور کہنے لگا کہ: تم کو ایک قصہ سناتا ہوں، میں نہ ان کا شاگرد ہوں، نہ مرید، اور میں نے ان کو کبھی دیکھا بھی نہیں تھا، مجھے شراب پینے کی عادت تھی، میرے بیوی بچے، دوست احباب سب نے اس کو چھڑانے کی ہر چند کوشش کی، لیکن:

چھٹتی نہیں ہے منہ سے یہ کافر لگی ہوئی!

ایک شادی کی تقریب میں، میں مدعو تھا، حضرت ڈاکٹر صاحبؒ بھی وہاں تشریف لے گئے، اور میرے جانے سے پہلے حضرتؒ وہاں بیٹھک میں تشریف فرما تھے، اور جس طرح اِس وقت محفل گرم ہے، اسی طرح لوگ حضرتؒ کے اِردگرد جمع تھے، حضرتؒ اپنے ملفوظات بیان فرما رہے تھے، میں دروازے میں داخل ہوا تو حضرتؒ اپنی بات چھوڑ کر میری طرف دیکھنے لگے، اور جب تک میں بیٹھ نہیں گیا، برابر میری طرف دیکھتے رہے، جب میں بیٹھ گیا تو حضرتؒ نے پھر اپنی بات شروع کردی، وہ دن ہے اور آج کا دن، میں نے دوبارہ نہیں پی، ایک نظر کافی ہوگئی۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی، حضرتؒ کا شعر ہے:

جسے پینا ہو آنکھوں سے وہ میری بزم میں آئے
مرا دِل چشمِ مستِ ناز ساقی کا ہے مے خانہ

حضرتؒ کی ایک اور کرامت:

ایک قصہ اور یاد آیا جو ایک بزرگ نے سنایا تھا، سترّ سال کے بڑے میاں تھے، حضرتؒ سے تعلق تھا، کسی لڑکی کو ٹیوشن پڑھانے لگے اور وہ بدبخت ان کے دِل میں بیٹھ گئی، اب ستر سال کا بوڑھا ایک چھوکری کو دِل دے بیٹھا۔

بوڑھوں سے بھی پردہ کیا جائے:

بھئی! بڑے بوڑھوں سے بھی پردہ کرنا چاہئے، لوگ یوں سمجھتے ہیں کہ ضعیف العمر باباجی ہیں، ان سے کیا پردہ؟ حالانکہ لوگ نہیں جانتے کہ پُرانا سانپ زیادہ زہریلا ہوتا ہے۔ الغرض! یہ بڑے صاحب تین چار مہینے پریشان رہے کہ کیا کروں؟ کسی کو کیسے بتاؤں؟ جب پریشانی حد سے سوا ہوئی تو آخر فیصلہ کرلیا کہ آج حضرتؒ کی خدمت میں جاکر عرض کرتا ہوں، وہ اس بلا سے نجات کی کوئی تدبیر بتلائیں گے۔ وہ صاحب کہتے ہیں کہ: میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اپنا مسئلہ بتایا کہ حضرت!

کیا کروں؟ آپ کوئی تدبیر بتلائیے۔ حضرتؒ نے سن لیا، جواب میں ایک لفظ نہیں فرمایا، بس سن لیا اور خاموش رہے، اس کے بعد دُوسرے لوگ آ گئے، حسبِ معمول حضرتؒ کے ملفوظات شروع ہوئے، کافی دیر تک مجلس جاری رہی، جب میں حضرتؒ کی مجلس سے اُٹھا تو دِل بالکل صاف تھا، اس میں کوئی کُوڑا کرکٹ باقی نہیں رہا تھا۔ یہ ہمارے حضرتؒ کی کرامت تھی۔

شراب خانۂ خراب کی بربادیاں:

شراب اتنی گندی چیز ہے کہ دِل کو گندہ کردیتی ہے، جس طرح پیشاب نجاستِ غلیظہ ہے، اسی طرح شراب بھی نجاستِ غلیظہ ہے، لوگ اُس سے تو گھن کرتے ہیں، مگر اِس ''شراب خانۂ خراب'' سے گھن نہیں کرتے، حالانکہ یہ اُمّ الخبائث ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک بزرگ کسی بدمعاشوں کے ٹولے میں پھنس گیا تھا، اس کو مجبور کیا گیا کہ یہ بچہ ہے، اس کو قتل کرو، یا یہ عورت ہے، اس کے ساتھ بدکاری کرو، یا کم سے کم درجے میں یہ شراب ہے، یہ پی لو، ورنہ تمہیں قتل کرتے ہیں۔ یہ پریشان ہوئے کہ یااللہ! جان بچانے کے لئے کیا صورت اختیار کروں؟ انہوں نے سوچا کہ ان تینوں کاموں میں شراب پینا سب سے ہلکا کام ہے، اور شریعت کا قاعدہ ہے کہ جو شخص دو بُرائیوں میں سے کسی ایک کے اختیار کرنے پر مجبور کردیا جائے، اسے چاہئے کہ سب سے کم درجے کی بُرائی کو اِختیار کرے، یہ سوچ کر انہوں نے اس کو اِختیار کرلیا۔ شراب بڑی تیز تھی، شراب پینے کے بعد مدہوش ہوگئے، مدہوشی کے عالم میں بچے کو بھی قتل کیا، زنا کا بھی ارتکاب کیا، تینوں کام مکمل ہوگئے۔ اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں! واقعی یہ اُمّ الخبائث ہے، عقل وخرد اور ہوش وحواس کی دُشمن ہے، تو جو لوگ کہ اس رات میں اللہ تعالیٰ سے بخشش کے طالب ہوں، وہ اس اُمّ الخبائث

سے توبہ کرلیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

”مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ یَقْبَلِ اللّٰہُ لَہٗ صَلٰوۃَ أَرْبَعِیْنَ صَبَاحًا“ (مشکوٰۃ ص:۳۱۷)

یعنی ایک دفعہ شراب پینے سے چالیس دن تک نماز قبول نہیں ہوتی۔

مغفرت مانگنے والوں کو توبہ لازم ہے:

اور میں نے ابھی کہا کہ اس بزرگ نے سمجھا کہ یہ ہلکا کام ہے، قتل اور زنا اس سے بدتر کام ہیں، لہٰذا ہلکا کام کرلو، آپ خود سوچ لیں کہ جو لوگ شراب کے عادی ہیں، جب شبِ قدر میں ان کی بخشش نہیں ہوتی تو اس سے بڑے گناہوں میں جو لوگ مبتلا ہیں ان کی بخشش کیسے ہوگی؟ اس لئے بخشش مانگنے کے لئے شرط ہے کہ ہم تمام گناہوں سے توبہ کرلیں، جن کو ہم جانتے ہیں ان سے بھی، اور جن کو ہم نہیں جانتے ان سے بھی، جو گناہ اعلانیہ کرتے ہیں ان سے بھی، اور جو چھپ کر کرتے ہیں ان سے بھی، اس لئے کہ کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہونے کی وجہ سے یہ شخص اللہ کی لعنت کا مستحق ہے، لعنت اور رحمت دونوں جمع نہیں ہوسکتیں، جب تک کہ آدمی توبہ نہ کرلے، رحمتِ خداوندی کا مستحق نہیں ہوسکتا، اللہ کی رحمت کا مستحق اسی وقت ہوسکتا ہے جبکہ آدمی کبیرہ گناہ سے توبہ کرلے تاکہ لعنت اس کا پیچھا چھوڑ دے اور رحمتِ خداوندی اس کی طرف متوجہ ہوجائے۔

توبہ کے کیا معنی ہیں؟

اور ”توبہ“ کے معنی محض زبان سے توبہ کا لفظ بولنا نہیں ہے، صرف زبان سے کہہ دو: ”یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ، یا اللہ! میری توبہ“ یہ حقیقی توبہ نہیں ہے، بلکہ توبہ کے ظاہری الفاظ ہیں، ایک عارف کا شعر ہے:

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دِل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر اِستغفارِ ما!

یعنی ہاتھ میں تسبیح ہے، زبان پر توبہ ہے، لیکن دِل گناہ کے ذوق سے بھرے ہوئے ہیں، گناہوں کو چھوڑنے کی نیت نہیں۔ ہم سب ایسا ہی اِستغفار کرتے ہیں، ''یااللہ! توبہ''، ''یا اللہ! معاف کردے'' تو گناہ کو ہماری ایسی توبہ پر ہنسی آتی ہے کہ دِل کو تو گناہ کی گندگی سے دھونے اور صاف کرنے کا ارادہ نہیں کرتا، لیکن زبان سے توبہ کر رہا ہے۔ توبہ کے حقیقی معنی یہ ہیں کہ ظاہر اور باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کے طالب بنیں، گناہ کو ترک کردینے کا عزم اور اِرادہ کرلیں، اور گناہ میں مبتلا ہونے کی وجہ سے دِین و اِیمان کو جو نقصان پہنچا ہے، اس کی تلافی کرنے کا بھی عزم کریں، مثلاً: بے نمازی ہے، نماز نہیں پڑھتا، یا گنڈے دار پڑھتا ہے، جب پوچھا جائے کہ: ''بھئی! نماز بھی پڑھتے ہو؟'' تو کہتا ہے کہ: ''کبھی کبھی پڑھ لیتے ہیں، جب فرصت ہوتی ہے!'' نہ بھائی! نماز تو ایسی چیز نہیں ہے جو کبھی کبھی پڑھی جائے، یہ تو اِیمان کی غذا ہے، جس طرح بدن کی غذا ہوتی ہے، کوئی آپ سے پوچھے کہ: ''آپ کھانا کھایا کرتے ہیں؟'' تو کیا آپ یہ جواب دیں گے کہ: ''کبھی کبھی کھالیا کرتے ہیں''؟

توبہ کے قبول ہونے کے لئے شرط:

توبہ کے صحیح ہونے کے لئے ضروری ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرلیا جائے، پختہ ارادہ کرو کہ آئندہ ٹی وی نہیں دیکھیں گے، نامحرموں کو نہیں دیکھیں گے، کسی کی غیبت، یا چغلی نہیں کریں گے، عورتیں بے پردہ نہیں نکلیں گی، اسی طرح دُوسرے جتنے بھی گناہوں میں مبتلا ہیں، ان کو چھوڑنے کا عزم کرو، میں نے مثال کے طور پر دو تین چیزیں بتائی ہیں، ورنہ ہم بہت سے کبیرہ گناہوں میں مبتلا ہیں اور ان

سب سے توبہ کرنا ضروری ہے۔ اب ہماری حالت تو یہ ہے کہ اگر کوئی ہم کو نصیحت کرے کہ: ''یہ کام نہ کیا کرو!'' تو ہم اس کے ساتھ لڑ پڑتے ہیں، اس کو بُرا بھلا کہتے ہیں، اب تم ہی بتاؤ جب دِل سے سچی توبہ ہی نہ ہوئی ہو تو صرف زبان سے توبہ توبہ کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟ جب دِل تائب نہ ہو اور دِل نے عزم نہ کیا ہو گناہ کو چھوڑنے کا، گناہ کی لذّت، گناہ کی لعنت، گناہ کی نحوست اور گناہ کی سیاہی ہمارے قلب پر چھائی ہوئی ہے، تو پھر زبان سے توبہ کرنے کے کیا معنی ہوئے؟ اور اس پر توبہ کا ثمرہ کیا مرتب ہوگا؟ میری بہنیں اور بیٹیاں اگر بے پردگی نہ چھوڑیں اور ہزار بار روزانہ اِستغفار پڑھا کریں تو اس کا کوئی نفع نہیں ہے، عزم کرو گناہوں کو چھوڑنے کا، جو گناہ ہمیں معلوم ہیں اور جن گناہوں میں ہم ملوّث ہیں اور جن کی وجہ سے ہمارا دامنِ ایمان نجس ہو رہا ہے، ان کو چھوڑنے کا عزم کریں، گناہوں کو چھوڑنے کا عزم کرکے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آئیں اور صرف ایک دفعہ کہہ دیں کہ: ''یا اللہ! میں نے گناہوں کو چھوڑنے کا سچے دِل سے ارادہ کرلیا ہے، مجھے معاف کردیجئے'' اللہ تعالیٰ فوراً معاف کردیتے ہیں، اَسّی سال کے گناہ کو بھی معاف کردیتے ہیں۔

حقوق العباد کے معاملے میں توبہ:

اگر حقوق العباد کا معاملہ ہے تو ان حقوق کو اَدا کریں، کسی کے پیسے دینے ہیں اور وہ مانگتا ہے، تم نہیں دیتے، کسی کے مکان پر قبضہ کیا ہوا ہے، وہ شریف آدمی کہتا ہے کہ چھوڑ دو، تم نہیں چھوڑتے۔ یہاں قانون تمہیں سہارا دیدے گا لیکن اللہ کی بارگاہ میں تمہارا کوئی سہارا نہیں ہوگا، بلکہ تنہا ہوگے، اور وہاں تمہیں یہ حقوق ادا کرنے پڑیں گے۔ لہٰذا بندوں کے جتنے حقوق تمہارے ذمے ہیں، ان سب کو اَدا کرو، یا معاف کرالو، اس کے بغیر توبہ قبول نہیں ہوگی، تو پہلی بات تو یہ ہوئی کہ کبیرہ گناہوں کو ترک

کرنا اور اس کا عزم کرنا مغفرت کے لئے شرط ہے، ورنہ مغفرت نہیں ہوتی، اس بابرکت رات میں بھی نہیں ہوتی۔ حق تعالیٰ شانہٗ کی رحمت بہت وسیع ہے، کیا ہم، کیا ہمارے گناہ، اللہ کی رحمت کے مقابلے میں یہ کیا چیز ہیں؟ ساری دُنیا کی ساری مخلوق کے گناہ بھی جمع کرلئے جائیں تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری مخلوق کے سارے گناہوں کے دھونے کے لئے کافی ہے، مگر سچے دِل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بخشش مانگیں تو سہی، اور سچے دِل کے ساتھ اپنے گناہوں، اپنی نافرمانیوں اور اپنی خباثتوں کو چھوڑنے کا تہیہ کرکے تو آئیں۔

ایک حدیثِ قدسی:

حدیثِ قدسی میں آتا ہے (”حدیثِ قدسی“ اس حدیث کو کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی بات کی روایت کریں کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتے ہیں، جیسے صحابی کہتے ہیں کہ: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا“ تو وہ ”حدیثِ رسول“ کہلاتی ہے، اور جس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یوں فرمائیں کہ: ”اللہ تعالیٰ نے فرمایا“ یا ”اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں“ تو وہ ”حدیثِ قدسی“ کہلاتی ہے) تو ایک حدیثِ قدسی میں ہے کہ:

”.... یا ابن اٰدم! لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی، غفرت لک ولا اُبالی .....“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۴)

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: اے ابنِ آدم! اگر تیرے گناہ آسمان کے بادلوں اور اس کی بلندی تک پہنچ جائیں، یعنی ان سے آسمان اور زمین کا خلا بھرجائے اور تو سچے دِل سے تائب ہوکر میرے پاس آئے اور مجھ سے بخشش کی درخواست کرے تو میں تیری مغفرت کردوں گا، ”وَلَا اُبَالِیْ!“ اور میں تیرے گناہوں کی کثرت کی کوئی پروا نہیں

کروں گا، اور نہ ان سے میرا کچھ بگڑے گا۔

''مناجاتِ مقبول'' میں ہمارے حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ نے قرآن و حدیث کی دُعائیں جمع فرمائی ہیں، اس میں ایک دُعا یہ نقل کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا میں یہ الفاظ کہا کرتے تھے:

''يَا مَنْ لَّا تَضُرُّهُ الذُّنُوبُ وَلَا تَنْقُصُهُ الْمَغْفِرَةُ، اِغْفِرْ لِیْ مَا لَا يَضُرُّکَ وَهَبْ لِیْ مَا لَا يَنْقُصُکَ۔''

ترجمہ:... ''اے وہ ذات جس کو نقصان نہیں دیتے گناہ، اور مغفرت کرنا اس کے خزانوں میں کمی نہیں کرتا، جس چیز سے آپ کی کمی نہیں ہوتی، وہ مجھے عطا فرمادیجئے اور جو چیز آپ کو نقصان نہیں دیتی، وہ مجھے معاف فرمادیجئے۔''

الغرض! ہمارے گناہوں سے اللہ تعالیٰ کا کچھ نہیں بگڑتا، ہمارے حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ ارشاد فرماتے تھے کہ: بعض لوگ اپنے گناہوں کی کثرت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہوجاتے ہیں، اور یوں سمجھنے لگتے ہیں کہ میرے گناہ بہت ہیں، بہت ہیں، بہت ہیں، واقعی بہت ہیں، اب یہ بے چارہ نادان بچہ سمجھتا ہے کہ اتنے گناہ کیسے معاف ہوں گے؟ فرمایا کہ اس کی مثال ایسی ہے کہ ایک آدمی سر سے پاؤں تک گندگی میں ملوّث تھا، گندگی اور نجاست میں اس کا پورا بدن لت پت تھا، اب وہ دریا کے کنارے کھڑا ہے اور دریا کو مخاطب کرکے کہتا ہے کہ: ''میں کس منہ سے تجھ میں اُتروں، میں تو اتنا گندا ہوں، اتنا گندا ہوں، اگر میں تجھ میں اُتر گیا تو میری گندگی تجھ کو بھی گندا کردے گی، اور میری نجاست کی وجہ سے تو بھی نجس ہوجائے گا، ناپاک ہوجائے گا۔'' اس کے جواب میں دریا کہتا ہے کہ: ''ارے تیرے جیسی گندگیاں ہزاروں یہاں چلتی ہیں، تو آکر تو دیکھ! تیری گندگی بھی صاف ہوجائے گی اور میرا بھی کچھ نہیں بگڑے گا۔'' ایک آدمی کے نہانے سے کیا سمندر گندا ہوجاتا ہے؟

دریا گندا ہوجاتا ہے؟ حضرتؒ فرماتے تھے کہ ہماری یہی مثال ہے، سمندر تو ایک مخلوق ہے، اس میں دُنیا بھر کی گندگیاں ڈال دی جائیں تب بھی وہ ناپاک نہیں ہوتا، بلکہ ساری غلاظتوں کو ختم کردیتا ہے، تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ہمارے گناہوں سے کیا بگڑتا ہے؟ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک چھینٹا ساری دُنیا کے گناہوں کی گندگی دھونے کے لئے کافی ہے، اس لئے یہ نادانی کی بات ہے کہ آدمی اپنے گناہوں کی کثرت کو دیکھ کر رحمتِ خداوندی سے مایوس ہوجائے۔ غرض یہ کہ ہم لوگ اللہ تعالیٰ کی مغفرت کے طالب ہیں اور اس سے بخشش مانگنے کے لئے آئے ہیں، لیکن بھائی! اس کے لئے ضروری ہے کہ ہم سچے دِل سے تائب ہوکر آئیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں، (آمین) آپس کے جو حقوق ہیں وہ بھی ادا کردیں، آپس میں ایک دُوسرے سے معافی تلافی بھی کرلیں۔

والدین کا نافرمان:

دُوسرا آدمی جس کی مغفرت نہیں ہوتی، وہ والدین کا نافرمان ہے، یہ والدین کی نافرمانی بھی بڑی عجیب چیز ہے، آدمی کو اتنا تو سوچنا چاہئے کہ میرے والدین اگر نہ ہوتے تو میرا وجود نہ ہوتا، میرے وجود کا ذریعہ اللہ تعالیٰ نے والدین کو بنایا، اب جن والدین کے وجود کو ہمارے وجود کا ذریعہ بنایا گیا، یہ انہی والدین کا مخالف ہے، انہی کا دُشمن ہے، انہی کا نافرمان ہے۔ ماں نے نو مہینے کم وبیش اس کو پیٹ میں رکھا، جس حالت میں رکھا، اور پھر جس حالت میں اس کو جنم دیا، وہ اس کی ماں سے پوچھو، پھر دو سال تک اسے اپنے جگر کا خون پلایا، جس کو ''دُودھ'' کہتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کے خونِ جگر کو دُودھ میں تبدیل فرمادیتے ہیں، پھر اس کی سردی وگرمی کا، اس کی ضروریات کا احساس کیا، اس کو سوکھے میں لٹایا، خود گیلے میں لیٹی، صاحب بہادر بیمار ہوگئے تو ماں باپ دونوں نے اس کو ہاتھوں میں لے کر رات آنکھوں پر کاٹی، والدین

کا اتنا حق ہے کہ اولاد کسی صورت میں اس حق کو اَدا نہیں کرسکتی۔ حدیث میں ہے کہ ایک شخص نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! میں اپنے والد کا حق کس طرح ادا کرسکتا ہوں؟ ارشاد فرمایا: نہیں! والد کا حق ادا نہیں ہوسکتا، صرف ایک صورت ہے کہ وہ غلام ہو تو اس کو خرید کر آزاد کردے تو کسی درجے میں والد کا حق ادا ہوجائے گا۔ والدین کے اتنے احسانات ہیں اولاد پر کہ ان کا بدلہ چکانے کا تصوّر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ ایک حدیث میں ہے:

”ان رجلًا قال: یا رسول اللہ! ما حق الوالدین علٰی ولدھما؟ قال: ھما جنتک ونارک!“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱، بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:... ”ایک صاحب نے پوچھا: یا رسول اللہ! والدین کا اولاد کے ذمے کیا حق ہے؟ فرمایا: وہ تیری جنت ہیں یا تیری دوزخ ہیں!“

والدین کو دیکھنے پر حج کا ثواب:

ایک حدیث میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ:

”مَا مِنْ وَلَدٍ بَارٍّ یَنْظُرُ اِلٰی وَالِدَیْہِ نَظْرَۃَ رَحْمَۃٍ اِلَّا کَتَبَ اللہُ لَہٗ بِکُلِّ نَظْرَۃٍ حَجَّۃً مَّبْرُوْرَۃً، قَالُوْا: وَاِنْ نَظَرَ کُلَّ یَوْمٍ مِائَۃَ مَرَّۃٍ؟ قَالَ: نَعَمْ! اَللہُ اَکْبَرُ وَاَطْیَبُ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱)

ترجمہ:... ”جو فرماں بردار اولاد نظرِ رحمت کے ساتھ والدین کے چہرے پر نظر ڈالے تو ہر بار نظر ڈالنے پر اس کے

لئے حجِ مبرور کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر دن میں سو مرتبہ دیکھے تو سو حج کا ثواب لکھا جائے گا؟ فرمایا: اللہ تعالیٰ اس سے بھی زیادہ بڑا ہے، اور زیادہ پاکیزہ ہے۔“

یعنی حق تعالیٰ شانہٗ کی عنایتیں اور رحمتیں ہمارے پیمانۂ عقل وفہم سے بالاتر ہیں، روزانہ سو حج کا ثواب لکھا جانا کون سی بڑی بات ہے کہ اس پر تعجب کا اظہار کیا جائے۔

پس جب والدین کا یہ درجہ ہے کہ ان کے چہرے پر ایک بار نظرِ رحمت ڈالنا حجِ مبرور کا ثواب رکھتا ہے تو والدین کی نافرمانی وگستاخی کا وبال بھی اسی سے قیاس کیا جاسکتا ہے۔ تو والدین کے نافرمان کی اس رات میں بھی اگر بخشش نہ ہو تو کوئی بعید نہیں، اس لئے کہ جرم ہی اتنا بڑا اور سخت ہے۔ دُوسری جگہ ارشاد ہے:

”عَنْ مُعَاوِیَةَ بْنِ جَاهِمَةَ، اِنَّ جَاهِمَةَ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اَرَدْتُّ اَنْ اَغْزُوَ وَقَدْ جِئْتُ اَسْتَشِیْرُکَ، فَقَالَ: هَلْ لَکَ مِنْ اُمٍّ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَ: فَاَلْزِمْهَا فَاِنَّ الْجَنَّةَ عِنْدَ رِجْلِهَا۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۱)

ترجمہ:...”ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حاضرِ خدمت ہوا اور کہا: یا رسول اللہ! میں جہاد میں جانا چاہتا ہوں اور آپ سے مشورے کے لئے حاضر ہوا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تیری ماں زندہ ہے؟ عرض کیا: جی ہاں! فرمایا: پھر اس کو لازم پکڑ، کیونکہ جنت اس کے پاؤں کے پاس ہے۔“

اور یہ تو بہت ہی مشہور حدیث ہے کہ: ’’اَلْجَنَّةُ تَحتَ اَقْدَامِ الْأُمَّهَاتِ‘‘ (حاشیہ مشکوٰۃ صفحہ:۴۲۱) یعنی ’’جنت ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے‘‘ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ جس گناہ کو چاہیں بخش دیں، سوائے والدین کی نافرمانی کے کہ اس کی سزا اللہ تعالیٰ اس شخص کو مرنے سے پہلے زندگی میں دیتے ہیں۔

والدین کی نافرمانی کا دُنیا میں وبال:

میں نے اپنی مختصر سی زندگی میں اس حدیث کی تفسیر اپنی آنکھوں سے دیکھی، چنانچہ فرماں برداروں کو پنپتے دیکھا، اور والدین کے نافرمانوں کو ہلاک اور ذلیل وخوار ہوتے دیکھا۔ دراصل دُنیا دارُ الجزاء نہیں، جزا و سزا کے لئے تو اللہ تعالیٰ نے قیامت کا دن رکھا ہے، جرائم کی سزائیں اللہ تعالیٰ نے قیامت پر اُٹھا رکھی ہیں، یہاں جرم کی سزا نہیں دیتے، ہاں! تھوڑی سی گوشمالی کردیتے ہیں، ورنہ پوری سزا آگے قیامت کے دن ملے گی، لیکن ظلم، قطع رحمی اور والدین کی نافرمانی یہ ایسی چیزیں ہیں کہ ان کی ’’سزا‘‘ دُنیا میں نقد ملتی ہے، اور ظالم، قطع رحمی کرنے والا اور والدین کا نافرمان اپنے کئے کی پاداش سے بچ نہیں سکتے۔

اولاد کی نافرمانی میں والدین کا قصور:

اس زمانے میں تو والدین کی عزّت و آبرو کا کوئی تصوّر ہی نہیں ہے اور اس میں قصور اکیلا صرف اولاد کا نہیں، بلکہ تھوڑا سا قصور والدین کا بھی ہے، مرحوم اکبر اِلٰہ آبادی کے بقول:

یوں قتل سے بچوں کے وہ بدنام نہ ہوتا
افسوس کہ فرعون کو کالج کی نہ سوجھی!

ہمارے اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کی تعلیم مادّیت کی تعلیم ہے، یہ انسانیت کی تعلیم نہیں، بلکہ حیوانیت کی تعلیم ہے، پس جب انسانیت مفقود ہو اور

اِنسانیت کی تعلیم مفقود ہو تو والدین کی قدر کیا ہوگی؟ یہ تو خاصۂ انسانیت ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس بلا سے محفوظ فرمائے، (آمین)۔

گناہ کے کام میں والدین کی فرماں برداری جائز نہیں:

میں اپنے عزیز بچوں اور نوجوانوں کو بطورِ خاص نصیحت کرتا ہوں کہ والدین کی نافرمانی کے مرتکب نہ ہوں، اگر وہ ظلم کریں، ستائیں، زیادتی کریں، تب بھی تم خاموش رہو، تم کوئی گستاخی کا لفظ نہ کہو، بلکہ صبر و تحمل سے کام لو، وہ گالی نکالیں، بُرا بھلا کہیں، تب بھی پلٹ کر جواب نہ دو، بلکہ سر جھکائے خاموش رہو، لیکن اگر وہ اللہ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کا حکم دیں تو ان کی بات ہرگز نہ مانو۔ قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

”وَاِنْ جٰهَدَاكَ عَلٰٓى اَنْ تُشْرِكَ بِىْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا“ (لقمان:۱۵)

ترجمہ:... ”اگر وہ (تیرے والدین) تجھ کو مجبور کریں اس بات پر کہ تو میرے ساتھ شریک ٹھہرائے ایسی شخصیت کو جس کا تجھ کو علم نہیں تو ان کا کہا نہ مانو۔“

اور حدیث شریف میں ہے کہ:

”لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِىْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ“

(مشکوٰۃ ص:۳۲۱)

یعنی اللہ کی نافرمانی کرکے کسی مخلوق کی اطاعت نہیں۔

شوہر بیوی کو کسی غلط کام کا حکم کرتا ہے تو ہرگز نہ مانے، والدین اولاد کو غلط بات کا حکم کرتے ہیں تو ہرگز نہ مانے، لیکن ان کی گستاخی و بے ادبی بھی نہ کرے، یہ وہ پل صراط ہے جو تلوار سے زیادہ تیز اور بال سے زیادہ باریک ہے۔ بعض لوگوں کو

بزرگی کا ''ہیضہ'' ہوجاتا ہے، ماں باپ گناہگار ہیں، نماز نہیں پڑھتے، روزہ نہیں رکھتے، اور یہ پکا صوفی ہے، اب والدین کو نظرِ حقارت سے دیکھے گا۔ ایسا ہرگز نہ کرو! یہ غلط بات ہے، ان کی خیرخواہی کی کوشش کرتے رہو، ادب و احترام کے ساتھ ان کو سمجھاؤ، تمہارا کسی طرح بس نہیں چلتا تو اتنا تو بس چل سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ان کے لئے گڑگڑا کر دُعا کرو، تم حضرت ابراہیم علیہ السلام سے افضل نہیں، اور تمہارے والدین حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر سے زیادہ بُرے نہیں ہیں، وہ دھکے دے کر ابراہیم علیہ السلام کو گھر سے باہر نکال رہا ہے اور کہہ رہا ہے کہ: ''نکل جا یہاں سے! میرے گھر سے دفع ہوجا!'' جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اس کو صرف اتنا فرما رہے ہیں:

''سَأَسْتَغْفِرُ لَکَ رَبِّیْ، اِنَّهٗ کَانَ بِیْ حَفِیًّا''

(مریم:۴۷)

ترجمہ:... ''میں اپنے رَبّ سے تیرے لئے بخشش کی دُعا کروں گا، وہ مجھ پر بڑا شفیق ہے۔''

تمہیں گھر سے نکال دیں، اُف نہ کرو، باقی اتنی بات ضرور ہے کہ یہ ایک پہلو ہو، دُوسرا پہلو میں نے ذکر نہیں کیا، وہ یہ کہ والدین کے لئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے، تمہارے ماں باپ تو جہنم کے راستے پر چل ہی رہے ہیں، لیکن وہ چاہتے ہیں کہ وہ اکیلے نہ جائیں، بلکہ تم کو بھی ساتھ لے کر جائیں، اگر ان کی گستاخی کروگے، یا ناجائز کام میں ان کی بات پر عمل کروگے تو اِن شاء اللہ دونوں سیدھے جہنم میں پہنچوگے۔ اگر والدین اولاد پر ظلم کرتے ہیں، ان کو ناجائز بات کا حکم کرتے ہیں تو اِن شاء اللہ سیدھے جہنم میں جائیں گے، لیکن اگر اولاد والدین کی گستاخی کرتی ہے، بے ادبی کرتی ہے، ان پر ہاتھ اُٹھالیتی ہے، تو یہ والدین سے بھی پہلے جہنم میں جائیں گے۔ اس لئے والدین کا معاملہ بڑا نازک ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو حق پر چلنے کی توفیق عطا

فرمائے، (آمین) والدین کی نافرمانی بہت بڑا گناہ ہے، اتنا بڑا گناہ ہے کہ شبِ قدر میں بھی معاف نہیں ہوتا۔

قطع رحمی کا گناہ:

اور تیسرا شخص ''قطع رحمی'' کرنے والا، جس نے اپنے عزیز رشتہ داروں سے قطع تعلق کر رکھا ہو۔ قطع رحمی کا وبال اُوپر ذکر کر چکا ہوں کہ ایسا شخص دُنیا میں ہی سزا پاتا ہے، اور ایک دُوسری حدیث میں فرمایا ہے کہ:

''لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ!''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۱۹)

ترجمہ:...''قطع رحمی کرنے والا جنت میں نہیں جائے گا۔''

یہ اتنا بڑا گناہ ہے کہ جنت سے بھی محروم کر دیتا ہے، دُنیا کے آرام اور چین سے بھی، اور شبِ قدر میں بخشش سے بھی، نعوذ باللہ!

کینہ پروری کا گناہ:

اور چوتھا وہ آدمی، جس کے دِل میں کسی مسلمان کی جانب سے کینہ ہو، ان لوگوں کی مغفرت اس رات میں بھی نہیں ہوتی۔

جنت میں صرف پاک لوگ جائیں گے:

خلاصہ یہ ہے کہ جنت میں ناپاک لوگ نہیں جائیں گے، صرف پاک لوگ جائیں گے، اور پاک ہونے کی آسان صورت یہ ہے کہ توبہ کرلو۔ میں نے ابھی کہا کہ اَسّی سال کا کافر و مشرک و بے ایمان، سچے دِل سے تائب ہوجائے تو اللہ تعالیٰ اس

کے تمام گناہوں کو بخش دیتے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کے انتظار میں ہیں کہ بندہ آئے، آکر توبہ کرے، اور میں اس کے گناہ معاف کروں۔

حق تعالیٰ شانہٗ کو بندے کی توبہ سے اتنی خوشی ہوتی ہے جس کا ہم تصوّر نہیں کرسکتے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی ایک مثال بیان فرمائی کہ:

”اَللّٰہُ أَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَةِ عَبْدِہٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْهِ مِنْ اَحَدِکُمْ کَانَ رَاحِلَتُهٗ بِأَرْضٍ فَلَاةٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْهُ وَعَلَیْهَا طَعَامُهٗ وَشَرَابُهٗ، فَأَیِسَ مِنْهَا فَأَتٰی شَجَرَةً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّهَا قَدْ أَیِسَ مِنْ رَاحِلَتِهٖ فَبَیْنَمَا هُوَ کَذٰلِکَ اِذْ هُوَ بِهَا قَائِمَةً عِنْدَهٗ فَأَخَذَ بِخِطَامِهَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ: اَللّٰهُمَّ أَنْتَ عَبْدِیْ وَأَنَا رَبُّکَ! أَخْطَأَ مِنْ شِدَّةِ الْفَرَحِ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۳، بحوالہ صحیح مسلم)

یعنی ایک مسافر سفر پر جارہا تھا، صحرا کا سفر تھا، اس کی سواری کے اُونٹ پر اس کا توشہ لدا ہوا تھا، کھانا پانی، دوپہر کا وقت ہوا تو سواری کو باندھ کر ایک درخت کے سائے میں ذرا ستانے کے لئے لیٹ گیا، آنکھ کھلی تو اُونٹ غائب، اِدھر اُدھر دیکھا کہیں اس کا سراغ نہیں مل رہا، اب بیابان ہے، جنگل ہے، صحرا ہے، ریگستان ہے، اس میں سفر کرنا ممکن نہیں، اس نے سوچا کہ اگر باہر نکل کر ریگستان کے صحرا میں چلوں گا تو تڑپ تڑپ کر بھوک پیاس سے مروں گا، بہتر ہے کہ درخت کے سائے میں ہی مرجاؤں۔ مرنے کی نیت سے اسی درخت کے نیچے آکر پھر لیٹ گیا، اب تو موت سامنے آگئی۔ ذرا سی اس کی آنکھ لگ گئی، آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہی اُونٹ اس کے سامنے موجود ہے، اُوپر توشہ اور سامان سارا موجود ہے، اس کو اتنی مسرّت ہوئی، اتنی خوشی ہوئی کہ بے اختیار کہنے لگا کہ: ”اَللّٰهُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ!“ یعنی اے اللہ!

تو میرا بندہ اور میں تیرا رَبّ ہوں۔ حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا: ”اَخطأَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ“ کہ اس کو اتنی خوشی ہوئی کہ اس غریب کو یہ بھی خیال نہ رہا کہ میں کیا کہہ رہا ہوں، اُلٹ معاملہ کردیا، کہنا تو یہ تھا کہ: ”یا اللہ! میں تیرا بندہ ہوں، تو میرا رَبّ ہے، آپ نے مہربانی فرمائی کہ میرا اُونٹ واپس فرمادیا۔“

تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس آدمی کو اتنی خوشی ہوئی کہ خوشی سے پاگل ہوگیا، اللہ تعالیٰ کو اپنے بندے کی توبہ سے اس سے زیادہ خوشی ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کی اپنے بندوں سے شفقت:

ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ عَبدِاللہِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ غَزَوَاتِہٖ فَمَرَّ بِقَوْمٍ، فَقَالَ مَنِ الْقَوْمُ؟ قَالُوْا: نَحْنُ الْمُسْلِمُوْنَ وَامْرَأَۃٌ تَحْضِبُ بِقِدْرِھَا وَمَعَھَا ابْنٌ لَھَا، فَاِذَا ارْتَفَعَ وَھَجٌ تَنَحَّتْ بِہٖ فَأَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: أَنْتَ رَسُوْلُ اللہِ؟ قَالَ: نَعَمْ! قَالَتْ: بِأَبِیْ أَنْتَ وَأُمِّیْ! اَلَیْسَ اللہُ أَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ قَالَ: بَلٰی! قَالَتْ: اَلَیْسَ اللہُ اَرْحَمُ بِعِبَادِہٖ مِنَ الْاُمِّ بِوَلَدِھَا؟ قَالَ: بَلٰی! قَالَتْ: اِنَّ الْاُمَّ لَا تُلْقِیْ وَلَدَھَا فِی النَّارِ! فَأَکَبَّ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَبْکِیْ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَہٗ اِلَیْھَا فَقَالَ: اِنَّ اللہَ لَا یُعَذِّبُ مِنْ عِبَادِہٖ اِلَّا الْمَارِدَ الْمُتَمَرِّدَ الَّذِیْ یَتَمَرَّدُ عَلَی اللہِ وَأَبٰی أَنْ یَّقُوْلَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۸، بحوالہ ابن ماجہ)

ترجمہ:... ”ایک جہاد میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے، دریافت فرمایا: ”کون لوگ ہو؟“ عرض کیا: ”ہم مسلمان ہیں!“ ایک خاتون آگ جلارہی تھی، آگ بھڑکتی تو بچے کو ہٹادیتی، وہی خاتون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آئی، عرض کیا: ”آپ اللہ کے رسول ہیں؟“ فرمایا: ”ہاں!“ عرض کیا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! کیا اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین نہیں؟“ فرمایا: ”بلاشبہ!“ عرض کیا: ”کیا اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بڑھ کر شفیق نہیں جتنی کہ ماں اپنے بچے پر شفیق ہوتی ہے؟“ فرمایا: ”بے شک!“ عرض کیا: ”میں تو اپنے بچے کو اپنے ہاتھ سے آگ میں نہیں ڈال سکتی!“ اس خاتون کی بات سنی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سر جھکا کر رونے لگے، پھر سر اُٹھا کر اس سے فرمایا کہ: ”بے شک اللہ تعالیٰ نہیں عذاب دیتے مگر ایسے سرکش کو جو اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں سرکشی کرے، اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کرنے (”لا اِلٰہ اِلَّا اللہ“ کہنے) سے انکار کردے۔“

الغرض! تمام ماؤں کی ممتا جمع کرلی جائے تو اللہ تعالیٰ کی شفقت کو نہیں پہنچ سکتی، جتنی بندوں سے اللہ تعالیٰ کو شفقت ہے، اب اگر بندے اپنی حماقت سے خود دوزخ میں چھلانگیں لگائیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ماننے سے انکار کردیں تو اس کا کیا علاج ہے؟ وگرنہ اللہ اپنے بندوں کو دوزخ میں نہیں ڈالنا چاہتے، اللہ تعالیٰ تو تمہیں بخشنا چاہتے ہیں، تمہیں جنت میں داخل کرنا چاہتے ہیں، اسی لئے رمضان المبارک میں جنت کے دروازے کھول دیئے گئے ہیں، اور جہنم کے دروازے بند کردیئے گئے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے منادی اعلان کر رہا

ہے: ’’هَلْ مِنْ مُّسْتَغْفِرٍ فَاَغْفِرُ لَهٗ‘‘ کوئی بخشش مانگنے والا ہے کہ میں اس کی بخشش کروں؟ آؤ اس سے بخشش مانگو تاکہ تم کو بخش دیا جائے، لیکن بخشش مانگنے کے لئے لازم ہے کہ توبہ صحیح کرو، سچی توبہ کرو۔

قرآن مجید میں ارشاد ہے:

’’یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا‘‘

(التحریم:۸)

ترجمہ:... ’’اے ایمان والو! توبہ کرو اللہ کی بارگاہ میں خالص اور سچی توبہ۔‘‘

اگر سچی توبہ کے بغیر مرگئے تو جہنم میں ڈال کر پاک کئے جاؤگے، قبر میں پاک کئے جاؤگے، قبر اور دوزخ کا عذاب جھیل کر پاک ہوگے، اس سے بہتر یہ ہے اور بہت آسان نسخہ ہے کہ سچی توبہ کرکے یہیں پاک ہوجاؤ، کیونکہ جنت میں تو جس کو بھی لے جائیں گے پاک کرکے لے جائیں گے، تو کیا ہی اچھا ہو کہ ہم سچی توبہ کرکے یہیں سے پاک ہوکر جائیں، پوری ندامت کے ساتھ، دِل کی ندامت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرلیں۔

ایک جامع دُعا:

ایک حدیث سناتا ہوں، ایک دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اُمّ المؤمنین عشاء کی نماز پڑھ کر دُعا مانگ رہی تھیں، دُعا لمبی ہوگئی اور وہ مسلسل مانگ رہی تھیں، اتنے میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آگئے، ان کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوَت میں کوئی بات کرنی تھی، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ’’عائشہ! تم ایک طرف ہوجاؤ، دُعا چھوڑ دو، ہم تمہیں ایک دُعا بتائیں گے، وہ مانگ لینا، وہ تم کو کافی ہوجائے گی۔‘‘ انہوں نے اپنی دُعا ختم کی اور ایک طرف ہوگئیں، حضرت ابوبکر

صدیق رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے خلوت میں مشورہ کیا، جب وہ رُخصت ہوکر چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آئیں اور کہا کہ: یا رسول اللہ! آپ نے مجھے دُعا سکھانے کا وعدہ فرمایا تھا۔ فرمایا: ہاں! تمہیں دُعا سکھادیتے ہیں، تم یہ دُعا کرو:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ مِنْ خَیْرِ مَا سَأَلَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَا اسْتَعَاذَکَ مِنْہُ نَبِیُّکَ مُحَمَّدٌ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ۔"

(مسند احمد ج:۶ ص:۱۳۴، کنز العمال: ۳۶۱۰)

ترجمہ:... "یا اللہ! آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جتنی خیر کی چیزیں مانگی ہیں، میں بھی مانگتی ہوں، اور آپ کے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ سے جن جن چیزوں سے پناہ مانگی ہے، میں بھی ان سے پناہ مانگتی ہوں۔"

بس دُعا مکمل ہوگئی، گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پوری زندگی میں جتنی دُعائیں کیں، وہ پرچہ بناکر دے دیا اور ہمیں اللہ تعالیٰ نے حکم فرمایا کہ تم اس دُعاؤں کے پرچے کے نیچے دستخط کردو، پرچہ پہلے سے چھپا ہوا ہے، نیچے تمہارے دستخط ہوگئے تو وہ ساری دُعائیں تمہاری طرف سے ہوگئیں، اور اللہ تعالیٰ ان کو منظور فرمائیں گے۔ تو جامع ترین دُعائیں اللہ تعالیٰ سے مانگا کرو، اور خیر کی چیزیں مانگا کرو، اور خیر بھی وہ جو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مانگی ہے، اور تمام شرور وفتن سے پناہ مانگا کرو، خاص طور پر وہ فتن وشرور کی چیزیں جن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پناہ مانگی ہے، بے شک اللہ تعالیٰ سے دُنیا بھی مانگو، لیکن صرف دُنیا ہی نہ مانگا کرو، اللہ تعالیٰ ہماری آخرت دُرست فرمادیں تو اس کے طفیل میں دُنیا خودبخود دُرست

ہوجائے گی، اللہ تعالیٰ نے اس کا وعدہ فرمالیا ہے، لہٰذا اس سے آخرت مانگو، آخرت کی نعمتیں مانگو، آخرت کی دولتیں مانگو، اللہ تعالیٰ سے جنت مانگو، اللہ تعالیٰ سے اس کی رضا مانگو، اللہ تعالیٰ سے خود اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی کو مانگو، وہ جب تم سے راضی ہوجائے گا تو تمہیں دُنیا میں بھی رُسوانہیں فرمائے گا۔ وہ جو میں نے قرآنِ کریم کی آیت کی تلاوت کی تھی، اس میں یہ وعدہ موجود ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَی اللہِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا عَسٰی رَبُّکُمْ اَنْ یُّکَفِّرَ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَیُدْخِلَکُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ یَوْمَ لَا یُخْزِی اللہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ۔" (التحریم:۸)

ترجمہ:... "اے ایمان والو! اس کی بارگاہ میں خالص توبہ کرو، تمہارے رَبّ سے یہ توقع ہے کہ تمہاری سیئات دُور کردے گا، اور تم کو داخل کرے گا ایسی جنتوں میں جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، جس دن کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم (صلی اللہ علیہ وسلم) کو اور جو لوگ کہ آپ کے ساتھ ایمان لائے ہیں، ان کو رُسوانہیں فرمائے گا۔"

یعنی قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کو رُسوانہیں فرمائے گا، اصل مقصود اہلِ ایمان کے رُسوا نہ ہونے کو ذکر کرنا ہے، مگر اس بلاغت کے قربان جایئے کہ پہلے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت میں اہلِ ایمان کا، گویا تنبیہ فرمادی کہ جس طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا قیامت کے دن رُسوا نہ ہونا یقینی ہے، اسی طرح آپ کے طفیل میں اہلِ ایمان بھی یقیناً رُسوا نہ ہوں گے، اس لئے ضروری ہے کہ سچی توبہ کرلو، اور اللہ سے بخشش مانگ لو۔

اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کے ساتھ معاملہ:

حدیث شریف میں یوں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کا حساب لیں گے تو اس کے اُوپر اپنا پردہ ڈال دیں گے، اس کے ساتھ کیا ہو رہا ہے؟ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہوگا، قیامت کے دن کی بھری محفل ہے، حشر کا میدان ہے، اوّلین و آخرین جمع ہیں، لیکن اس بندے کے ساتھ کیا معاملہ ہو رہا ہے؟ کسی کو معلوم نہیں، اور اللہ تعالیٰ اس بندے سے فرمائیں گے: ''اُذْکُرْ یَوْمَ کَذَا وَکَذَا'' یعنی یاد کر تو نے فلاں فلاں دن فلاں فلاں گناہ کئے، بندہ اِقرار کرتا جائے گا، اقرار کئے بغیر چارہ بھی تو نہیں ہوگا، اور سمجھے گا کہ میں تو ہلاک ہوگیا، مارا گیا، آخر میں اللہ تعالیٰ فرمائیں گے:

''سَتَرْتُھَا عَلَیْکَ فِی الدُّنْیَا، اَنَا اَغْفِرُھَا لَکَ الْیَوْمَ۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۸۵)

ترجمہ:... میں نے دُنیا میں تیرے لئے ان گناہوں کا پردہ رکھا تھا کہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دیئے تھے، اور آج تیرے ان گناہوں کی مغفرت کرتا ہوں۔''

جاؤ! کسی کو پتا ہی نہیں چلا۔ یہ ہے تفسیر اس کی کہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن رُسوا نہ فرمائیں گے۔ ہم نے تو معاملہ اللہ کے ساتھ بگاڑا ہوا ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہمارے ساتھ معاملہ نہیں بگاڑا، ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ سے صحیح تعلق قائم کرلیا جائے، گناہوں سے توبہ کرلی جائے، گناہ تو ہم سے پھر بھی ہوتے رہیں گے، اللہ تعالیٰ سے سرکشی نہ کرو، خدانخواستہ غلطی ہوجائے تو فوراً توبہ کرلو، گناہوں کے میل پر توبہ کا صابن لگاتے رہو، تاکہ بارگاہِ اِلٰہی میں ایمان کا دامن داغ دار نہ لے جاؤ۔

حق تعالیٰ شانہٗ توفیق عطا فرمائیں (آمین)۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

اِعتکاف

فضائل و مسائل

اِعتکاف میں بیٹھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے۔ ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے، ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے اِلٰہی ہے، اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے اِلٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!“

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ہمیں اِعتکاف کی نیت سے اپنے گھر میں جمع ہونے کی توفیق عطا فرمائی، یہ اس کا بڑا اِنعامِ عظیم ہے، آپ حضرات دُور ونزدیک سے تشریف لائے ہیں، اور یہ آنا محض اللہ تعالیٰ کی رضا وخوشنودی حاصل کرنے کے لئے ہے، اور اس کے پاک گھر میں جمع ہونے کے جو فضائل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان فرمائے ہیں، ان فضائل کو حاصل کرنے کے لئے ہے، حق تعالیٰ شانہٗ ہم سب کی حاضری کو قبول فرمائے۔

ایک دن ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ فرمانے لگے کہ:
بھئی! مولانا رُومیؒ کا ایک شعر ہے:

یک زمانہ صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعتِ بے ریا

ترجمہ:...’’تھوڑے سے وقت کے لئے کسی اللہ کے مقبول بندے کے پاس بیٹھ جانا، سو سال کی بے رِیا عبادت سے بہتر ہے۔‘‘

یہ شعر پڑھ کر حضرتؒ فرمانے لگے کہ: تم سب کے سب اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے آئے ہو، محض اللہ تعالیٰ کے لئے میرے پاس جمع ہوئے ہو، اس وقت تم سب کے سب اولیاء ہو، اور میں تمہاری صحبت میں بیٹھا ہوں۔ اللہ اکبر! بہت اچھی بات فرمائی حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے۔ بھائی! کوئی کسی دُشمن کے گھر تو نہیں جایا کرتا، دوست کے گھر جایا کرتا ہے، آپ حضرات اللہ کے گھر میں حاضر ہوئے ہیں تو محض اللہ تعالیٰ کی دوستی کی وجہ سے حاضر ہوئے ہیں، اس لئے اس وقت آپ لوگ ولی اللہ ہیں، اللہ کے دوست ہیں، اللہ ہمیں بھی اپنے مقبول بندوں کے ساتھ ملحق فرمادے۔

اِعتکاف کی فضیلت:

یہ اِعتکاف کی عبادت بہت اُونچی عبادت ہے، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

’’وَاِذْ بَوَّأْنَا لِاِبْرٰهِيْمَ مَكَانَ الْبَيْتِ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِیْ شَيْئًا وَّطَهِّرْ بَيْتِیَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْقَآئِمِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ۔‘‘ (الحج:۲۶)

یعنی: اور جب ہم نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کا ٹھکانا بتلایا،

بیت اللہ کی جگہ بتلائی، تو ہم نے ان کو چند حکم دیئے، ایک تو یہ کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہیں ٹھہرانا۔ یہ سنایا مکہ کے مشرکین کو کہ انہوں نے اللہ کے گھر کو بت پرستی کا اڈّہ بنا رکھا تھا۔ اور ایک حکم ہم نے یہ دیا کہ میرے گھر کو طواف کرنے والوں کے لئے اور نماز میں قیام کرنے والوں کے لئے، اور رُکوع سجدہ کرنے والوں کے لئے تمام ظاہری اور معنوی نجاستوں سے پاک رکھئے۔

یہ طواف تو مخصوص ہے بیت اللہ شریف کے لئے، جہاں تک اِعتکاف کا تعلق ہے یہ تمام مساجد میں ہوتا ہے، کعبہ والی مسجد جو کعبہ کے اِردگرد ہے، اور جس کو ''مسجدِ حرام'' کہتے ہیں، اس میں اِعتکاف کرنا سب سے افضل ہے، دُوسرے نمبر پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں، تیسرے نمبر پر بیت المقدس کی مسجد میں، اور اس کے بعد تمام مساجد برابر ہیں، البتہ جس مسجد میں نمازِ پنج گانہ ہوتی ہو، اس میں اِعتکاف افضل ہے، اور پھر ترجیح کی وجوہ اور بھی ہوسکتی ہیں، کسی مسجد میں وعظ اور درس ہوتا ہے، اصلاح و ارشاد کا سلسلہ جاری ہے، وہاں اس نیت سے کہ ہمیں فائدہ پہنچے گا اِعتکاف کرنا افضل ہوگا۔

اِعتکاف کی قسمیں:

اِعتکاف ایک تو مسنون ہے، اور وہ ہے آخری عشرے کا اِعتکاف، (رمضان کے آخری دس دن کا اِعتکاف)، یہ مسنون ہے بطور سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ، یعنی سنتِ مؤکدہ ہے بطور کفایہ کے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر ایک آدمی محلے میں اِعتکاف بیٹھ جائے تو مسجد کا حق ادا ہوجائے گا، اور محلے والے ترکِ اِعتکاف کی وجہ سے گناہگار نہ ہوں گے، لیکن اگر وہاں پر کوئی شخص بھی اِعتکاف میں نہ بیٹھے، جیسا کہ بہت سی مساجد ایسی ہیں کہ وہاں اللہ کا کوئی بندہ اِعتکاف نہیں بیٹھتا، تو پورا محلّہ مسجد کی

حق تلفی کرنے والا شمار ہوگا۔ بہت سے دیہات ایسے ہیں جن میں مسجد اِعتکاف سے محروم رہتی ہے، بلکہ بہت سے قصبات ایسے ہیں کہ وہاں بعض مساجد میں کوئی بھی اِعتکاف میں بیٹھنے والا نہیں۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا تھا کہ کسی ایسے جاہل آدمی کو پکڑ کر اِعتکاف میں بٹھا دیتے ہیں جو کچھ بھی نہیں جانتا اور اس کو کہتے ہیں کہ: ''میاں! تمہاری روٹی پانی کا انتظام ہم کردیں گے، تم مسجد میں اِعتکاف بیٹھ جاؤ'' وہ غریب سمجھتا تھا کہ مجھے دس دن کے لئے قید کر رہے ہیں، لیکن یوں سوچ کر کہ روٹی ملے گی، اِعتکاف میں بیٹھ جاتا تھا۔

بہرحال! رمضان کے آخری عشرے کا اِعتکاف تو مسنون ہے، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ آنے کے بعد حتی الوسع کبھی بھی اس میں ناغہ نہیں فرمایا، ایک سال کسی عذر کی وجہ سے ناغہ ہوگیا تھا تو دُوسرے سال بیس دن کا اِعتکاف فرمایا، گویا گزشتہ سال کے دس دن کی قضا بھی کی۔ اور رمضان المبارک کے آخری عشرے کے علاوہ دُوسرا اِعتکاف مستحب ہے، اس کی ایک صورت یہ بھی ہے کہ جب بھی آپ مسجد میں قدم رکھیں تو اِعتکاف کی نیت کرلیں کہ میں جب تک اس مسجد میں ہوں اِعتکاف کی نیت کرتا ہوں۔ اور اگر کوئی شخص منّت مان لے کہ: ''اگر میرا فلاں کام ہوجائے تو اتنے دن کا اِعتکاف کروں گا'' تو کام ہوجانے کی صورت میں اتنے دنوں کا اِعتکاف اس کے ذمے لازم ہوجاتا ہے، اور یہ اِعتکاف واجب کہلاتا ہے۔

یہ تو میں نے اِعتکاف کا مسئلہ بیان کیا، ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ نے اپنے رسالے ''فضائلِ رمضان'' میں اِعتکاف کی فضیلت میں یہ حدیث نقل کی ہے، اور یہ حدیث مشکوٰۃ شریف میں ہے کہ: ''حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما ایک مرتبہ مسجدِ نبوی علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں معتکف تھے، آپؓ کے پاس ایک شخص آیا اور سلام کرکے چپ چاپ بیٹھ گیا، حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ: میں

تمہیں غمزدہ اور پریشان دیکھ رہا ہوں، کیا بات ہے؟ اس نے کہا کہ: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کے بیٹے! میں بے شک پریشان ہوں، کیونکہ فلاں کا مجھ پر حق (قرض) ہے، اور (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرِ اَطہر کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ) اس قبر والے کی عزّت کی قسم! میں اس حق کے ادا کرنے پر قادر نہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ: اچھا کیا میں اس سے تیری سفارش کروں؟ اس نے عرض کیا: جیسے آپ مناسب سمجھیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما یہ سن کر جوتا پہن کر مسجد سے باہر تشریف لائے، اس شخص نے عرض کیا کہ: آپ اپنا اِعتکاف بھول گئے؟ فرمایا: بھولا نہیں ہوں، بلکہ میں نے اس قبر والے صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، اور ابھی زمانہ بھی کچھ زیادہ نہیں گزرا، یہ الفاظ کہتے ہوئے حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے تھے کہ: جو شخص اپنے بھائی کے کسی کام میں جائے اور کوشش کرے، یہ اس کے لئے دس برس کے اِعتکاف سے افضل ہے، اور جو شخص ایک دن کا اِعتکاف بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے اور جہنم کے درمیان تین خندقیں آڑ بنادیتے ہیں جن کی چوڑائی آسمان اور زمین کی درمیانی مسافت سے بھی زیادہ ہے۔“

اِعتکاف کے لئے اِخلاص شرط ہے:

اور جب ایک دن کے نفل اِعتکاف کا ثواب یہ ہے تو رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اِعتکاف کا کتنا ثواب ہوگا؟ ہم اس کا اندازہ نہیں کرسکتے ہیں۔ ہم کیا اندازہ کریں گے، اندازہ ہو ہی نہیں سکتا، یہ ہمارے قیاس اور اندازے سے باہر ہے، لیکن شرط یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، کوئی اور مقصد درمیان میں نہ ہو، اور یہ نیت کرلینا کچھ مشکل نہیں ہے، اگر پہلے اس نیت کا اِستحضار نہیں تھا تو اَب کرلو، بہت آسان ہے، بھئی! نیت تو اپنے قبضے کی چیز ہے، اگر کسی شخص کی نیت

میں کسی اور چیز کی ملاوٹ تھی تو اس ملاوٹ کو ہٹادے، اور اَب نیت کرلے کہ: ''یااللہ! میں نے صرف آپ کی رضا کے لئے یہ کام کیا ہے، اور کر رہا ہوں، اگر اس میں میرے نفس کی کوئی شرارت شامل ہے، اگر اس میں کوئی دُنیاوی مفاد شامل ہے، اگر اس میں کوئی عزّت و جاہ کا مسئلہ شامل ہے تو یا اللہ! میں اس سے براءت کا اظہار کرتا ہوں'' بس نیت صحیح ہوگئی۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ سے عرض کردیا جائے کہ میں یہاں آپ کے گھر میں بس آپ کی رضا کے لئے بیٹھنا چاہتا ہوں اور بیٹھا ہوں، اس میں میری اور کوئی غرض شامل نہیں، اگر کوئی اور غرض شامل ہو تو میں اس سے توبہ کرتا ہوں۔ ایک تو یہ شرط ہوئی۔

مسجد کا ادب بجا لایا جائے:

اور دُوسری یہ کہ اللہ تعالیٰ کے گھر بیٹھے، اللہ کا گھر سمجھتے ہوئے، اور اس کی عظمت کا حق بجا لاتے ہوئے۔ عام حالات میں بھی مسجد کے اندر شور و شغب یا ہلڑ بازی جیسی کوئی چیز، جو وقار کے خلاف ہو، نہیں ہونی چاہئے۔

مسجد کے بارے میں بار بار ہم ایک ہی لفظ بول رہے ہیں: ''اللہ کا گھر'' اس میں کوئی شک تو نہیں ہے کہ مسجد واقعی اللہ کا گھر ہے، اللہ کی بارگاہِ عالی ہے، اور کسی معمولی حاکم کے دربار میں جاکے بھی آپ نہ بلند آواز سے باتیں کریں گے، نہ وہاں چیخیں گے، نہ وہاں کوئی بات وقار کے خلاف کریں گے، بلکہ جتنی دیر آپ وہاں اس کی بارگاہ میں رہیں گے اپنی وسعت کی حد تک نہایت ہی ادب اور اِحترام کے ساتھ رہیں گے، اسی طرح جب مساجد میں آؤ تو نہایت تقویٰ کے ساتھ آؤ، اور سکون و وقار کے ساتھ رہو، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

''وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللهِ فَاِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ''
(الحج:۳۲)

ترجمہ:... ’’اور جو شخص کہ تعظیم کرے شعائر اللہ کی، تو یہ بات ہے دِلوں کے تقویٰ کی وجہ سے۔‘‘

جس قدر دِل میں تقویٰ ہوگا، اسی قدر اللہ کی نشانیاں، اللہ کے شعائر، جن میں مسجد سب سے پہلے شامل ہے، ان کا ادب ہوگا، اور جتنا ادب ہوگا اتنا دِل میں تقویٰ آئے گا۔ ایک صاحب مکہ مکرّمہ میں میرے ساتھ تراویح کی نماز میں کھڑے تھے، وہ کبھی ایک طرف جھک جاتے، کبھی دُوسری طرف، ان صاحب نے میرا کندھا تھکا دیا، اور ہاتھ کو کبھی کہیں لے جاتے اور کبھی کہیں لے جاتے، ہم میں سے اکثر کا یہی حال ہے۔

دِل میں خشوع ہو تو اعضاء میں بھی خشوع ہوگا:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے اسی طرح اس کے ہاتھ چل رہے تھے، کبھی اِدھر کبھی اُدھر، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر اس کے دِل میں، اس کے قلب میں خشوع ہوتا تو اس کے اعضاء میں بھی اس کے اثرات ہوتے۔ آپ کتنے ادب، کتنے سکون اور کتنے وقار کے ساتھ پڑھتے ہیں؟ اسی سے اندازہ ہوگا کہ آپ کے دِل میں کتنا خشوع ہے اور کتنا تقویٰ ہے!

ہم سب فقیر ہیں:

دُوسری بات یہ کہ فارسی کی ضرب المثل ہے:

’’سلامے روستائے بے غرض نیست‘‘

اگر دیہاتی، بدو کسی کو سلام کرتا ہے تو یہ سلام بھی بے غرض نہیں ہوتا، اس میں بھی کوئی مطلب پوشیدہ ہوتا ہے، بھئی! ہمارے تو سارے کام غرض کے لئے ہیں، ساری عبادتیں غرض کے لئے ہیں، اور ہم ہیں فقیر، فقیر کا کام مانگنا ہے اور یہ کوئی عار کی بات نہیں ہے، شیخ سعدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

تواضع زگردن فرازاں نکوست
گداگر تواضع کند خوئے اوست

تو فقیر کا تواضع کرنا درحقیقت تواضع کی بات نہیں ہے، اور ہم سب کے سب حق تعالیٰ شانہٗ کی بارگاہِ عالی کے فقیر ہیں، کوئی بڑا ہو یا چھوٹا، عالم ہو یا جاہل، کوئی نیک ہو یا بد، کوئی نبی ہو یا ولی، سارے کے سارے اس کی بارگاہِ عالی میں ناک رگڑ رہے ہیں، سب فقیر ہیں، سب منگتے ہیں، سب بھکاری ہیں، ایک وہ داتا ہے، باقی سب فقیر ہیں، قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

"یٰاَیُّھَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَی اللّٰہِ وَاللّٰہُ ھُوَ الْغَنِیُّ الْحَمِیْدُ۔"

ترجمہ:..."اے لوگو! تم سب فقیر ہو اللہ کی طرف، اور اللہ غنی اور حمید ہے۔"

تم لوگ کھانے کے محتاج ہو، پینے کے محتاج ہو، بیوی کے محتاج ہو، بچے کے محتاج ہو، گھر کے محتاج ہو، کپڑوں کے محتاج ہو، الغرض ہر چیز کے محتاج ہو، ایک ایک چیز کے محتاج ہو، کوئی حد ہے تمہاری محتاجی کی؟ سینکڑوں بلکہ ہزاروں ضروریات تمہارے ساتھ لگی ہوئی ہیں، اور اللہ تعالیٰ تمہاری بے شمار حاجتیں پوری فرماتے ہیں، لیکن اس کے باوجود تم محتاج کے محتاج ہی رہے۔ سیٹھ جی کو اللہ تعالیٰ نے بہت کچھ دے رکھا ہے، مگر رہے کنگال کے کنگال، کیونکہ یہ اپنی ذات ہی سے محتاج ہے، اندر سے فقیر ہے، یہ غنی ہو ہی نہیں سکتا، اس کا پیٹ کبھی نہیں بھر سکتا۔

عوام کے درمیان اور اللہ والوں کے درمیان فرق:

البتہ اللہ والوں کے درمیان اور دُوسروں کے درمیان یہ فرق ہے کہ اللہ کے بندے اللہ کے محتاج بنتے ہیں اور اپنی تمام حاجتیں بارگاہِ اِلٰہی میں پیش کرتے ہیں، اور جو لوگ اللہ سے کٹ جاتے ہیں وہ اللہ کی مخلوق کے در پر جاتے ہیں، وہ مخلوق سے

مانگتے ہیں جو بے چارے خود فقیر ہیں۔ ایک فقیر نے چند ٹکڑے جمع کئے بھیک مانگ کر، اور دُوسرا فقیر اس سے مانگ رہا ہے، یہ تو اس سے بھی زیادہ رذیل ہے، اس سے کہا جائے کہ: بھئی! بھکاری سے مانگتے ہو، کچھ شرم تو کرو، اس غریب نے تو اپنا کشکول خود مانگ مانگ کر بھرا ہے، کوئی ٹکڑا اِدھر سے لیا، کوئی ٹکڑا اُدھر سے، کسی نے کچھ دیا کسی نے کچھ، اس غریب کے پاس جو بھیک کا سامان تھوڑا بہت آیا تو وہ اس سے مانگتا ہے؟ بڑے شرم کی بات ہے!

تو اللہ تعالیٰ کے سوا سب فقیر ہیں، ان سے مانگتے ہو؟ اللہ تعالیٰ سے مانگو۔ پُرانے زمانے میں مولانا خرم علی مرحوم کی ایک نظم بہت چلا کرتی تھی، میں نے بچپن میں اپنے اُستاذ سے سنی تھی، پہلے تو یاد تھی مگر اَب تو صرف ایک دو شعر یاد رہے کہ:

خدا فرما چکا قرآن کے اندر
مرے محتاج ہیں پیر و پیغمبر
جو خود محتاج ہووے دُوسرے کا
بھلا اس سے مدد کا مانگنا کیا؟

ہم نے بچپن میں ایک لطیفہ سنا تھا کہ کوئی بادشاہ جارہا تھا، اس کو ایک عورت مل گئی جو بے چاری بھیک مانگ رہی تھی، لیکن حسین و جمیل ایسی جیسے چاند کا ٹکڑا، رشکِ حور، رشکِ پری، بادشاہ کی اس پر نظر پڑی تو عاشق ہوگیا، اور دِل میں ٹھان لی کہ اس کو ملکہ بنایا جائے۔ بادشاہ نے اس سے کہا کہ: تم اس گداگری کی وجہ سے کیسی ذِلت میں مبتلا ہو، دَر دَر کی بھیک مانگتی ہو، کیا بہتر نہیں ہوگا کہ میں تمہیں لے جاؤں اور تم سے نکاح کرلوں، اور تمہیں شاہی محلات کی رانی بنادوں؟ اس نے کہا: ٹھیک ہے! یہ بادشاہ کے ساتھ چلی گئی، اب بہترین پوشاکیں، بہترین کھانے اور ہر قسم کی عیش اسے میسر تھی، جو کچھ بھی بادشاہوں کے پاس ہوتا ہے، سب اسے حاصل تھا، کس چیز کی کمی تھی؟ بادشاہ نے کچھ عرصے کے بعد پوچھا کہ: بتاؤ! یہ حالت اچھی ہے یا وہ حالت

اچھی تھی؟ کہنے لگی: اس حالت میں مزہ نہیں آرہا! وہ جو قسم قسم کے کھانے ملتے تھے یہاں وہ مزہ نہیں، وہ ذائقہ نہیں۔ بادشاہ نے کہا کہ: اللہ ربّ العزّت نے اس کو شاہی محلات تو دے دیئے مگر طبیعت کی رذالت نہیں گئی، اپنی طبعی رذالت کی وجہ سے شاہی محلات میں آکر بھی رذیل کی رذیل ہی رہی۔

تو میں عرض کر رہا ہوں کہ بھئی! تم کتنے ہی بڑے بن جاؤ، اُونچے چلے جاؤ، علم وفضل کی لائن میں، دُنیاوی وجاہت کی لائن میں، کسی بھی لائن میں اُونچے سے اُونچے چلے جاؤ، تمہارے اندر کا فقر، محتاجی اور ذِلت و رذالت تو تم سے جدا ہونے کی نہیں، کیونکہ وہ تمہاری اصل ہے، اور تم اصل کے اعتبار سے ایسے ہی رہوگے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ کے محتاج ہو، اپنی اصل کے اعتبار سے تم فقیر ہو، بھکاری ہو۔

نظر جتنی بلند ہو، مقصد اتنا ہی اُونچا ہوگا:

باقی ایک بات ضرور ہے کہ جس قدر آدمی کی نظر اُونچی ہوجاتی ہے اسی قدر اس کا مقصد اور اس کی غرض بھی بلند ہوجاتی ہے، آدمی اپنی غرض سے تو کبھی جدا ہو ہی نہیں سکتا، ہاں! کسی کی غرض گھٹیا ہوگی، کسی کی اُونچی، بقول مولانا رومیؒ تم بچے کے ہاتھ سے سو روپے کا نوٹ صرف ٹافی کے بدلے لے سکتے ہو، اگر بچے کے ہاتھ میں ایک قیمتی ہیرا ہو، تم اس کو ایک ٹافی دو، اس کے بدلے میں وہ تمہیں بڑی آسانی سے ہیرا دیدے گا، کیونکہ اس کی نظر پست ہے، گھٹیا ہے، بس ٹافی تک محدود ہے۔ ہم لوگ دُنیادار ہیں جن کے سامنے دُنیا سجی ہوئی ہے، اور ہمیں اپنے عشوۂ ناز سے لبھا رہی ہے، اپنے جلوے دِکھا رہی ہے، ہم اس پر ریجھ رہے ہیں، یا اپنی غرض دُنیا سے وابستہ کر رہے ہیں، یہ وہ ٹافیاں ہیں جو شیطان نے ہم کو دے رکھی ہیں، اور ان ٹافیوں کے بدلے وہ ہم سے ایمان کا ہیرا اُڑا لیتا ہے۔

شیطان کے بہکانے کا سامان:

تفسیروں میں آتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مردود کیا تو شیطان نے کہا کہ: میں انسان کو گمراہ کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شوق سے کر! کہنے لگا کہ: پھر ان کو بہکانے کے لئے مجھے سامان بھی تو دیا جائے، ایسا تو نہیں کہ کسی کے ہاتھ پاؤں باندھ کر دریا میں ڈال دو، اور کہو کہ شاباش! اب تیر کر دِکھاؤ، یہ تو کوئی بات نہ ہوئی، مجھے آپ نے لوگوں کو گمراہ کرنے پر لگایا ہے تو اس کا کچھ سامان بھی دیجئے۔ فرمایا: ایک تو تجھے جال دیتا ہوں شکار کرنے کے لئے، اور وہ عورت ہے، ایک تجھے نشہ دیتا ہوں لوگوں کو مسحور کرنے کے لئے، اور یہ شراب ہے، اور ایک تجھے نغمہ دیتا ہوں لوگوں کو اس جال میں پھانسنے کے لئے، اور یہ گانے ہیں، اور شیطان ان چیزوں کو لے کر خوش ہوگیا، اور کہنے لگا: اب کسی کو جانے نہیں دُوں گا، کسی نہ کسی جال میں پھنسا کے چھوڑوں گا۔

دُنیا کے نابالغ:

تو کچھ لوگ ایسے ہیں کہ جن کا مقصد دُنیا ہے، ان کی نظر میں دُنیا ہی بڑی چیز ہے، جیسے بچے کی نظر میں ٹافی، ہیرے سے زیادہ مرغوب ہے، ہیرا اس کی نظر میں بے وقعت ہے، کیونکہ وہ اس کی قدر و قیمت سے ناواقف ہے، وہ اس کی قیمت نہیں جانتا، اسی طرح عام لوگ جن کی چشمِ بصیرت بالغ نہیں ہوئی، جن کی عقلِ سلیم بالغ نہیں ہوئی، اور جن کو اِیمانی بصیرت اور وحی کی روشنی میسر نہیں، وہ اس دُنیا کی مٹھائی پر ریجھ گئے۔ اور ان کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جنھوں نے دُنیا کی غرض کو چھوڑ کر آخرت کی غرض کو اپنالیا، کیونکہ ان کی نظر میں یہ دُنیا بے وقعت تھی بہ مقابلہ آخرت کی نعمتوں کے، یہ حضرات ان دُنیاداروں سے بلند

نظر نکلے، یہاں کی جتنی چیزیں ہیں یہ ان کے نزدیک مقصود نہیں، بلکہ سامانِ زیست ہے، مقصود ان سے بالاتر ہے اور وہ ہے آخرت، جنت اور رضائے اِلٰہی۔

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی بلند نظری:

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جب امیر المؤمنین بنے اور خلافت کے منصب پر پہنچے تو ان کی کیفیت یکسر بدل گئی، چہرے کا رنگ بدل گیا، ناز و نعمت کی زندگی بدل گئی، کسی نے کہا کہ: امیر المؤمنین! آپ خلیفہ بننے سے پہلے بہت خوش پوش تھے، بہترین لباس پہنتے تھے، خلیفہ بن جانے کے بعد کیا ہوگیا کہ یکسر حالت بدل گئی؟ ان دونوں حالتوں کا فرق صرف ایک مثال سے واضح ہوجائے گا۔ ان کے خدام کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرتؒ نے مجھ سے فرمایا کہ: بازار سے چادر خرید لاؤ، (یہ ان کی خلافت کے زمانے کا قصہ ہے)، میں لے آیا، پوچھا: کتنے کی لائے ہو؟ میں نے کہا: پانچ درہم کی! ناراض ہوکر کہنے لگے: تم نے اتنے پیسے برباد کرنے تھے؟ اتنی مہنگی چادر خرید کر لائے ہو؟ پانچ درہم کی چادر لائے ہو؟ وہ بگڑ رہے تھے اور میں ہنس رہا تھا، جب وہ خوب بگڑ چکے اور مجھ پر اِظہارِ ناراضی کرچکے اور میں خوب ہنس چکا تو کہنے لگے کہ: ہنستا کیوں ہے؟ ایک تو کام خراب کرکے آیا، اُوپر سے ہنستا بھی ہے! میں نے کہا: حضور! مجھے ایک قصہ یاد آگیا، جن دنوں آپ مدینہ کے گورنر ہوتے تھے، آپ نے مجھ سے کہا تھا کہ کوئی چادر لاؤ، میں بازار گیا اور ایک نفیس ترین شال لایا، اس کی قیمت تھی پانچ سو درہم، حضور نے پوچھا: کتنی قیمت ہے؟ میں نے کہا: پانچ سو درہم ہے! ہاتھ میں لے کر کہنے لگے: اتنی نکمّی اور ایسی کھردری لائی تھی، تمہیں کوئی اچھی چادر نہیں ملی، ایسی گھٹیا چادر اُٹھالائے؟ میں یوں ہنستا ہوں کہ ایک وہ وقت تھا کہ پانچ سو درہم کی شال آپ کو کھردری لگ رہی تھی اور اس کو گھٹیا فرما رہے تھے، اور ایک آج یہ وقت ہے کہ پانچ درہم کی معمولی سی چادر لایا ہوں، یہ آپ کو بہت مہنگی لگ رہی ہے۔ یہ

ایک مثال ہے کہ خلافت کے بعد ان کی زندگی میں ایک انقلاب آگیا تھا، خلافت سے پہلے ایسا نفیس لباس پہنتے تھے کہ پورے مدینہ میں ایسا بہترین لباس کسی کے پاس نہیں ہوتا تھا، اور ایسی بانکی چال چلتے تھے کہ دوشیزائیں (کنواری لڑکیاں) اس چال کی نقل اُتارنے کی کوشش کرتی تھیں، وہ عمری چال کہلاتی تھی، یا تو خلافت سے پہلے ناز و نعمت کا یہ عالم، یا خلافت کے بعد یہ تقشّف...!

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کا ایک اور واقعہ:

ایک دن جمعہ کا خطبہ دینے دیر سے پہنچے، پہنچنے میں ذرا دیر ہوگئی، منبر پر تشریف لائے اور فرمایا کہ: میں آپ حضرات سے معافی چاہتا ہوں، میرے پاس ایک ہی کُرتا ہے جو صبح دھویا تھا اور اس کے سوکھنے میں دیر ہوگئی۔ مسلمانوں کا امیر المؤمنین جس کی سلطنت چین سے لے کر افریقہ تک تھی، وہ مسلمانوں سے معافی مانگ رہا ہے کہ ذرا کپڑے کے سوکھنے میں دیر ہوگئی تھی، میرے پاس اس کا کوئی متبادل کپڑا نہیں تھا، جس کو پہن کر آجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ: خلافت کے بعد آپ کو کیا ہوگیا؟ گورنر پہلے بھی رہے، شاہی خاندان میں پھلے پھولے، مگر خلافت سے پہلے وہ ناز و نعمت، اور خلافت کے بعد یہ تقشّف اور دُنیا کی لذتوں سے بے زاری؟ آخر یہ معاملہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: میرا نفس اللہ تعالیٰ نے ایسا بنادیا ہے کہ یہ کبھی چھوٹی چیز پر راضی نہیں ہوا، جب بھی مجھے کوئی مرتبہ اور کوئی منصب ملا، میرا نفس اس سے بالاتر مرتبے و منصب کا خواست گار رہا، اور دُنیا میں خلافت سے اُوپر کوئی مرتبہ نہیں رہا، کسی شخص کے لئے سب سے بڑا مرتبہ یہ ہے کہ وہ مسلمانوں کا خلیفہ ہو، جب اس مرتبے پر میرا قدم پہنچا تو ساری دُنیا میرے سامنے بے وقعت ہوگئی، اور اب میرا نفس آخرت کا طالب ہوگیا، اب دُنیا کی کوئی چیز کیا حاصل کرنی ہے؟ ساری دُنیا تو قدموں کے نیچے آگئی، مجھے تو آگے جانا ہے۔

تو کچھ اللہ تعالیٰ کے بندے ایسے ہیں کہ ساری دُنیا تو قدموں کے نیچے ہے، اور ان کی نظر پوری دُنیا سے بالاتر ہے، انہوں نے دُنیا کی ٹافیوں کو مقصد نہیں بنایا، آخرت کے ہیرے اور جواہرات دے کر انہوں نے دُنیا کی لذتوں کو نہیں خریدا، اس لئے ان کی محنت سب سے بلند اور ان کی نظر سب سے اُونچی نکلی، اور کچھ حضرات ان سے بھی اُوپر چلے گئے، ان کی نظر میں دُنیا مطلوب نہ آخرت، صرف اللہ کی رضا مطلوب ہے، ان میں آخرت کی اور جنت کی طلب بھی صرف اس لئے ہے کہ وہ رضائے اِلٰہی کا مقام ہے، اصل مطلوب صرف ذاتِ اِلٰہی ہے۔ غرض ہر اِنسان اپنی زندگی کی کوئی غرض و غایت رکھتا ہے، گویا ہر شخص صاحبِ غرض ہے، باقی یہ اپنی اپنی نظر ہے کہ کسی کی غرض چھوٹی، کسی کی بڑی، کسی کی اس سے بھی بڑی۔ جس قدر کسی کی نظر بلند ہوگی، اسی قدر اس کی غرض بھی اُونچی ہوگی، اور اسی قدر اس کا مقصد بھی اُونچا ہوگا۔ اس لئے میں عرض کر رہا تھا کہ ہم تو ہیں فقیر، ہمارا کوئی کام غرض کے بغیر ہوتا ہی نہیں۔

اپنی ہمت کو اُونچا رکھو:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ اکثر یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

ہمت بلند دار کہ پیش خدا و خلق
باشد بہ قدر ہمت تو اعتبار تو

''یعنی اپنی ہمت کو ذرا اُونچا کرو، اس لئے کہ جتنی تمہاری ہمت اُونچی ہوگی، اللہ تعالیٰ کے نزدیک بھی اور مخلوق کے نزدیک بھی تمہاری قدر اتنی ہی بلند ہوگی۔''

اگر تم ایک ٹافی پر اپنا ایمان دے سکتے ہو تو تمہاری قیمت چار آنے نکلی، اگر دُنیا کی کسی بڑی سے بڑی دولت پر تم اپنا ایمان بیچ سکتے ہو تو تمہاری قیمت اتنی ہی نکلی، اور اگر تم اس سے بھی اُونچے چلے گئے اور یہ کہا کہ کیا یہ دُنیا میری قیمت ہے؟ لا حول ولا قوّۃ اِلَّا باللہ! کیونکہ دُنیا کی قیمت تو مچھر کے پَر کے برابر بھی نہیں۔

طالب علمی کا واقعہ:

اپنی خودستائی تو نہیں کرنی چاہئے، مگر تمہیں سمجھانے کے لئے بتاتا ہوں۔ میری طالب علمی کا زمانہ تھا، حدیث شریف سے میں فارغ ہوچکا تھا، اگلی پچھلی کتابیں پڑھ رہا تھا، تو میرے دوستوں نے مولوی فاضل کے لئے یونیورسٹی میں داخلے لے لئے کہ اپنی ذاتی تیاری کرکے امتحان دے دیں گے، مولوی فاضل بن جائیں گے، اس کے ذریعے کوئی سرکاری ملازمت مل جائے گی۔ میرے دو ساتھی تھے، انہوں نے مولوی فاضل میں داخلہ لے لیا تھا، اور اس کی تیاری کررہے تھے۔ جب بھی تکرار کے لئے بیٹھتا، مجھ سے کہتے کہ: تم بھی امتحان دے لو! میں کہتا: میں غریب آدمی ہوں، اَسّی روپے داخلے کی فیس ہے، اتنی میں کہاں سے ادا کروں گا؟ ایک دن ان میں سے ایک ساتھی کہنے لگا کہ تمہاری فیس میں بھردوں گا، تم داخلے کے لئے آمادہ ہوجاؤ، میں نے کہا: سچ کہتے ہو؟ کہنے لگا: بالکل! میں نے کہا کہ: میں پہلے تو تمہیں ٹالتا تھا، مگر اب اصل جواب سنو، وہ یہ کہ اگر یونیورسٹی کی جانب سے میرے نام خط آئے اور اس میں یہ لکھا ہوا ہو کہ: ''آپ کا داخلہ بغیر فیس کے منظور کیا جاتا ہے، آپ اَز راہِ کرم فلاں تاریخ کو ہماری امتحان گاہ تشریف لے آئیں، آکر بیٹھ جائیں، کچھ نہ لکھیں، سادہ کاغذ چھوڑ کر چلے جائیں، ایک سطر بھی نہ لکھیں، آپ پر کوئی پابندی نہیں، اور آپ سے وعدہ کیا جاتا ہے کہ اس کے باوجود آپ کو یونیورسٹی میں سب سے اوّل نمبر قرار دیا جائے گا، بس آپ امتحان گاہ میں قدم رکھنے کی زحمت فرمائیں'' میں نے کہا کہ اگر بالفرض یونیورسٹی کی طرف سے میرے نام اس مضمون کا خط بھی آجائے تب بھی میں یونیورسٹی کی امتحان گاہ میں قدم رکھنا اپنی توہین سمجھتا ہوں۔ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ یہ مولوی فاضل کے امتحان میں کامیابی کیا چیز ہے، یہ عہدے اور یہ ڈگریاں کیا چیز ہیں؟ مجھے اپنی نالائقی کے باوجود اس بات پر فخر ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے

رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام پڑھا ہے، اس کے بعد مجھے کسی ڈگری کی ضرورت نہیں۔ وہ میرے بچپن کا لاشعوری کا زمانہ تھا، شعور تو اَب بھی نہیں ہے، بچپن میں خیالات بڑے عجیب ہوتے ہیں۔ میرا بھائی! تم لوگ مسلمان ہو، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان لائے ہو، دُنیا تمہارے مقابلے میں کیا چیز ہے؟ اس کی کیا قیمت ہے؟

تو بھئی ہمارا تو سارا کاروبار ہی غرض پر مبنی ہے، باقی غرض کا پیمانہ آدمی کی ہمت سے طے ہوتا ہے، کتنی اُونچی ہمت کا ہے؟ کتنا قدآور ہے؟ جس شخص کا مقصود ذاتِ عالی بن جائے آسمان اس کے سامنے پست ہے۔

اللہ تعالیٰ کی ذات کو مقصد بناؤ:

اگر تم اللہ کے طالب بن جاؤ تو یہاں کی زمین کی چیزیں تو کیا، تم تو آسمان سے اُونچے ہو، میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ: ”بھئی! ایک دفعہ ہم دُعا مانگ رہے تھے، دُعا مانگتے مانگتے خیال آیا، ارے! کس سے مانگ رہے ہو؟ رَبّ العرش سے مانگ رہے ہو!“ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: ”مجھے ایسا لگا کہ آسمان میرے ہاتھوں کے نیچے آگیا اور میرے ہاتھ عرش سے اُوپر چلے گئے۔“ تم جو دُعا کے لئے ہاتھ اُٹھاتے ہو، کہاں اُٹھاتے ہو؟ کس داتا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو؟ ہاں! تم بارگاہِ رَبّ العزّت کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہو، غور کرو کہ عرش کی بلندیاں اس کے سامنے کیا چیز ہیں؟ اور جب تم اس کے سامنے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہو تو کیا تم چھوٹے ہو؟ نہیں! تمہاری یہ گردن جو اس ذاتِ عالی کے سامنے جھکے گی کیا کسی اور کے سامنے جھک سکتی ہے؟ اور یہ ہاتھ جو اس ذاتِ عالی کے سامنے اُٹھتے ہیں، کسی اور کے سامنے اُٹھ سکتے ہیں؟ دراصل ہمیں اپنی قیمت معلوم نہیں، تو بھئی! ہمارا سارا کام غرض پر مبنی ہے۔

اِعتکاف کا مقصد کیا ہونا چاہئے؟

یہ اِعتکاف میں بیٹھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے، نماز پڑھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے، روزہ رکھنا، یہ بھی غرض پر مبنی ہے۔ لیکن کسی کی غرض کچھ ہے، کسی کی غرض کچھ ہے۔ ہماری ایک ہی غرض ہونی چاہئے، ہمارا ایک ہی مقصد ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہوجائے۔ کہتے ہیں کہ سلطان محمود غزنویؒ نے ایک مرتبہ امتحان لیا، اس کے اُمراء و وزراء اعتراض کرتے تھے کہ بادشاہ کو اپنے غلام (ایاز) سے بڑا تعلق خاطر ہے، اس کی بڑی عزّت کیا کرتا ہے، اس کے ساتھ بڑی محبت ہے، حالانکہ ہم ایسے ہیں، ویسے ہیں، لیکن بادشاہ کی نظر میں ہماری اتنی عزّت نہیں۔ ایک دن بادشاہ نے امتحان لیا کہ دربار میں ایک بازار لگایا، محل میں قیمتی سے قیمتی چیزیں جمع کردیں اور سب کو جمع کرکے بادشاہ نے کہا: آپ حضرات میں سے جس کو جو چیز پسند آئے وہ لے جائے، وہ ہماری طرف سے ہدیہ ہے۔ ہر آدمی یہ سن کر اپنی پسند کی چیزوں کی طرف لپکا، جیسے بھوکا روٹی پر ٹوٹتا ہے، ایاز کھڑے کا کھڑا رہا، اس نے کسی چیز کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا، سلطان نے کہا کہ: تم بھی اُٹھالو! ایاز نے کہا: حضور! کیا اجازت ہے کہ میں جو چیز چاہوں پسند کرلوں؟ بادشاہ نے کہا کہ: ہاں اجازت ہے! جو چیز چاہو پسند کرلو۔ ایاز نے سلطان کے سر پر ہاتھ رکھ دیا، اور کہا کہ: مجھے تو یہ پسند ہے! بادشاہ نے کہا کہ: تم لوگوں کا امتحان لینا مقصود تھا، اور اس امتحان کا نتیجہ سب کے سامنے آگیا، دیکھ لو یہ تم ہو اور یہ ایاز ہے۔ اللہ تعالیٰ بھی یہ دُنیا کا بازار سجا کر ہمارا اِمتحان لے رہے ہیں، اے کاش! کہ ہم بھی کہیں کہ: یا اللہ! ہمیں تو آپ پسند ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ ہمارا ہوگیا تو سب کچھ ہی ہمارا ہوگیا۔ تو تمام عبادات سے مقصود محض رضائے اِلٰہی ہے، اور یہاں جمع ہونا صرف اسی رضائے اِلٰہی کی مشق کے لئے ہے۔

اِعتکاف کی سوغات:

اب یہاں سے اِعتکاف کی کچھ سوغات لے کر جاؤ تب تو لطف ہے، اگر خالی برتن لے کر آئے اور خالی برتن لے کر چلے گئے پھر یہاں بیٹھنے کا کیا فائدہ؟

رہا یہ کہ یہاں سے آپ کو کیا لے کر جانا چاہئے؟ تو خوب سمجھ لو کہ یہ مسجد اللہ کا بازار ہے، اور یہ اِعتکاف کے دن نیکیوں کی منڈی ہے، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ آپ کے پاس وقت کی پونجی موجود ہے، اعضاء آپ کے صحیح ہیں، زبان چلتی ہے، ہاتھ پاؤں چلتے ہیں، جتنی زیادہ سے زیادہ نیکیاں لوٹ سکتے ہو لوٹ لو، اپنا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کرو، اخلاق، آداب، معاشرت، عبادات، عقائد، ان تمام سے اپنی جھولی بھر کر لے جاؤ، اِعتکاف کے دنوں میں چند چیزوں کی مشق کرو۔

اوّل:... فضول لایعنی کا ترک، جتنا چاہو کھاؤ، جتنا چاہو سوؤ، لیکن اِلتزام کرلو کہ فضول باتیں نہیں کریں گے، فضول کاموں میں مشغول ہونا وقت کا ضیاع ہے، اس سے پرہیز کرو۔

دوم:... ذکر و تلاوت کا اہتمام کرو، تاکہ اِعتکاف سے فارغ ہونے کے بعد بھی تمہیں ذکر و تلاوت سے مناسبت پیدا ہوجائے۔

سوم:... اپنے رُفقاء کا اِکرام کرنا سیکھو، اور کھانے میں، آرام میں، اور باقی چیزوں میں دُوسرے معتکفین کا خیال کرو، اور اپنی ضرورت پر دُوسروں کی ضرورت کو ترجیح دینے کی مشق کرو۔

چہارم:... رمضان مبارک کا آخری عشرہ خصوصاً طاق راتیں بہت مبارک ہیں، جہاں تک اپنی صحت و قوّت اجازت دے ان قیمتی لمحات کی قدر کرو، اور ان کو عبادت، ذکر و تلاوت، تسبیحات، دُرود شریف اور صلوٰۃ التسبیح سے معمور کرو، لیکن بھئی!

اپنی صحت و قوّت کا لحاظ ضرور رکھو، ایسا نہ ہو کہ اپنی ہمت سے زیادہ بوجھ اُٹھاؤ اور پھر ہمت ہار دو۔

پنجم:... میں نے بہت تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ہمارا اصل سرمایہ اِلتجاء الی اللہ ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں اپنی حاجات پیش کرنا، اسی سے بھیک مانگنے کے لئے ہم نے اِعتکاف کیا ہے، اور اس کریم داتا کے دروازے پر جمع ہوئے ہیں، اس لئے پوری دُنیا سے یکسو اور بے نیاز ہوکر اس کریم داتا سے مانگتے رہو، جو جی میں آئے مانگو، خوب جم کر مانگو، گڑگڑا کر مانو، اور اس طرح آہ و زاری کے ساتھ مانگو کہ اس کریم داتا کو ہماری عاجزی، ہماری بے کسی و بےبسی پر رحم آجائے۔

ششم:... یہاں جو اِصلاحی حلقے قائم ہوتے ہیں ان کی پابندی کرو، اور اپنے عیوب و نقائص کا مطالعہ کرو، اور حق تعالیٰ کے سامنے توبہ و اِستغفار کرو۔

اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائیں اور اپنے دروازے سے کسی کو خالی ہاتھ نہ لوٹائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

اِعتکاف کے مسائل کا بیان

''ذیل میں مولانا زَوّار حسین شاہ صاحبؒ کی کتاب ''زبدۃ الفقہ''
سے اِعتکاف کے مسائل درج کیے جاتے ہیں۔''

اِعتکاف کی تعریف:

شرع میں اِعتکاف کے معنی مرد کا ایسی مسجد میں اِعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے جس کا اِمام و مؤذِّن مقرّر ہو، یعنی اس میں پانچ وقت نماز جماعت کے ساتھ ادا ہوتی ہو، اور عورت کا اپنے گھر میں نماز پڑھنے کی جگہ میں اِعتکاف کی نیت سے ٹھہرنا ہے۔

اِعتکاف کی اقسام:

اِعتکاف تین قسم کا ہوتا ہے:

۱:... **واجب**:... اور وہ نذر کا اِعتکاف ہے، خواہ وہ نذر کسی شرط پر موقوف ہو یا موقوف نہ ہو، کسی شرط پر موقوف نہ ہونے کی مثال یہ ہے کہ کوئی شخص یوں کہے کہ: ''اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمے واجب ہے کہ میں اتنے دن کا اِعتکاف کروں''، اور کسی شرط پر موقوف ہونے کی مثال یہ ہے کہ یوں کہے کہ: ''اللہ تعالیٰ نے میرے فلاں بیمار کو شفا دی تو میں اتنے دن کا اِعتکاف کروں گا۔'' واجب اِعتکاف کی کم سے کم مدّت اِمام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایک دن ہے، کیونکہ اِعتکاف واجب میں روزہ شرط ہے، اور ایک دن سے کم کا روزہ مشروع نہیں ہے،

اگر کسی نے کہا کہ: ''مجھ پر اللہ کے واسطے اِعتکاف کرنا واجب ہے'' اور اس کی مدّت متعین نہیں کی تو اس پر ایک دن کا اِعتکاف واجب ہوگا۔ اِعتکاف واجب کے لئے زیادہ مدّت کی کوئی حد مقرّر نہیں، پس اگر تمام عمر کے اِعتکاف کی نذر کرے تو جائز ہے۔

۲:...سنتِ مؤکدہ:... اور وہ ہر سال میں رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اِعتکاف ہے، اس کے لئے بھی روزہ شرط ہے، اور صحیح یہ ہے کہ یہ سنت علی الکفایہ ہے، پس اگر بستی والوں میں سے کسی ایک آدمی نے یا بعض لوگوں نے اس سنت کو اَدا کرلیا تو باقی لوگوں سے اس کا مطالبہ ساقط ہوجائے گا، اگر بستی کے سب ہی لوگ اس کو ترک کردیں گے اور کوئی ایک شخص بھی اس سنت کو اَدا نہیں کرے گا تو سب گنہگار ہوں گے۔

۳:...مستحب:... یعنی سنت غیرمؤکدہ یا نفلی اِعتکاف، اور وہ مذکورہ بالا دونوں قسموں کے علاوہ ہے، پس جو شخص جس وقت چاہے مستحب اِعتکاف ادا کرسکتا ہے۔ مستحب یعنی نفلی اِعتکاف کی کم سے کم مدّت ایک ساعت یعنی تھوڑی دیر ہے، خواہ وہ رات کے وقت میں ہو یا دن کے وقت میں، اور یہ سال کے تمام دنوں میں جائز ہے، پس اِعتکاف کی نیت سے مسجد میں داخل ہونے سے ہی مستحب اِعتکاف حاصل ہوجاتا ہے، خواہ وہ مسجد میں سے گزرتے ہوئے ہی اِعتکاف کی نیت کرلے اور مسجد میں بیٹھے نہیں اور خواہ رات کے وقت میں ایسا کرے، اس لئے کہ اس اِعتکاف میں اس کا صرف مسجد میں ٹھہرنا ضروری ہے خواہ وہ اتنا تھوڑا ہو جتنا کہ قدموں کے رکھنے میں وقت لگتا ہے۔ جب کوئی شخص مسجد میں اِعتکاف کی نیت سے داخل ہوا تو جب تک وہ مسجد میں رہے گا اِعتکاف کی حالت میں ہوگا اور جب مسجد سے باہر آجائے گا تو اس کا اِعتکاف ختم ہوجائے گا۔ جو شخص مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہوکر دُوسرے

دروازے سے نکلنے کا ارادہ کرے، تو چونکہ مسجد کو راستہ بنانا جائز نہیں ہے، اس لئے اس کے واسطے حیلہ یہ ہے کہ وہ مسجد میں اِعتکاف کی نیت سے داخل ہوتا کہ وہ مسجد کو راستہ بنانے والا نہ بنے۔

فائدہ:... جب کوئی شخص مسجد میں داخل ہو تو اس کو اِعتکاف کی نیت کرلینی چاہئے، تاکہ وہ جب تک مسجد میں رہے، اس کے لئے اِعتکاف کا ثواب ملتا رہے، اور اس کو مسجد میں کھانا پینا اور سونا وغیرہ جائز ہوجائے، اس طرح اس کو روزانہ بہت دفعہ اِعتکاف کرنے کا ثواب مل جائے گا۔ مسجد میں داخل ہوتے وقت مسجد میں داخل ہونے کی دُعا کے ساتھ اِعتکاف کی نیت کے لئے یہ الفاظ کہہ لیا کرے: ”نَوَیْتُ الْاِعْتِکَافَ مَا دُمْتُ فِیْ ھٰذَا الْمَسْجِدِ“ یا یوں کہے: ”نَوَیْتُ سُنَّةَ الْاِعْتِکَافِ“۔

اِعتکاف کا حکم:

اس کا حکم یہ ہے کہ واجب اِعتکاف میں یہ واجب اس کے ذمے سے ادا ہوجاتا ہے اور ثواب حاصل ہوتا ہے، اور نفلی اِعتکاف میں اس کو صرف ثواب حاصل ہوتا ہے۔

اِعتکاف کا رُکن:

اس کا رُکن مسجد میں مخصوص طریقے پر ٹھہرنا ہے۔

اِعتکاف کی شرائط:

اِعتکاف کے صحیح ہونے کی شرطیں یہ ہیں:

ا:... نیت:... خواہ اِعتکاف واجب ہو یا سنت یا نفل ہو، اس کی صحت کے لئے نیت کا ہونا شرط ہے، نیت کے بغیر اِعتکاف کرنا جائز نہیں ہے، یعنی واجب اِعتکاف نیت کے بغیر کرنے سے اس کے ذمے سے ادا نہیں ہوگا، اور نفلی اِعتکاف

نیت کے بغیر کرنے سے اس کا ثواب حاصل نہیں ہوگا، جب کسی ایسے کام کے لئے مسجد سے باہر جائے جس کے لئے جانا اِعتکاف والے کے لئے جائز ہے تو مسجد میں واپس آنے پر اس کو نئے سرے سے نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

۲:...مسجد میں اِعتکاف کرنا:... جس مسجد میں اَذان و اِقامت ہوتی ہو وہاں اِعتکاف کرنا دُرست ہے، اور اس مسجد میں اِعتکاف کرنا دُرست نہیں ہے جس میں پانچوں وقت کی نماز کے لئے جماعت قائم نہ ہوتی ہو۔ جامع مسجد میں مطلقاً اِعتکاف جائز ہے خواہ وہاں پانچوں وقت کی جماعت ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو۔ سب سے افضل یہ ہے کہ مسجد الحرام میں اِعتکاف کرے، پھر مسجدِ نبوی میں افضل ہے، پھر مسجدِ اقصیٰ یعنی بیت المقدس میں، پھر ان تینوں مساجد کے علاوہ کسی جامع مسجد میں افضل ہے، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ جامع مسجد میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو، ورنہ اپنے محلے کی مسجد میں جس میں پانچ وقت نماز جماعت سے ہوتی ہو افضل ہے تاکہ نماز باجماعت کے لئے اس کو دُوسری جگہ جانے کی ضرورت نہ پڑے، پھر جس مسجد میں نمازی زیادہ ہوں اور وہاں جماعت بڑی ہوتی ہو، وہ افضل ہے۔ عورت اپنے گھر میں اس جگہ اِعتکاف کرے جو اس نے پانچ وقت نماز یا اِعتکاف کے لئے مقرّر کی ہو، اگر عورت نے اس مقرّرہ جگہ کے علاوہ گھر میں کسی اور جگہ اِعتکاف کیا تو اس کا اِعتکاف دُرست نہیں ہے، اگر اس نے پہلے سے گھر میں کوئی جگہ نماز کے لئے مقرّر نہ کی ہو تو اَب مقرّر کرلے، اور اس میں اِعتکاف کرے۔ ہر عورت کے لئے مستحب ہے کہ اپنی نماز کے لئے اپنے گھر کے اندر ایک جگہ مقرّر کرلے اور اس کو ہر طرح کی آلائش سے پاک صاف رکھے، اگرچہ اس جگہ کے لئے مسجد کے اَحکام ثابت نہیں ہوتے، لیکن عورت کے حق میں یہ جگہ مسجد جماعت کے حکم میں ہوجائے گی۔ مردوں کے لئے بھی نمازِ نوافل کے لئے اپنے گھر میں جگہ مخصوص کرنا مستحب ہے۔ عورت کو خاوند کی اجازت کے بغیر اِعتکاف نہیں کرنا چاہئے۔

۳:... روزہ:... واجب یعنی نذر کے اِعتکاف میں روزہ شرط ہے، یہاں تک کہ اگر کسی نے یہ کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمے واجب ہے کہ ایک مہینے کا اِعتکاف کروں'' تو اس پر لازم ہے کہ ایک مہینے کا اِعتکاف کرے اور روزے بھی رکھے۔ اگر کسی نے رات کے اِعتکاف کی نذر کی تو دُرست نہیں ہے، کیونکہ رات کے وقت روزہ نہیں ہوتا، اور اگر رات کے ساتھ دن کے اِعتکاف کی بھی نیت کرے تب بھی دُرست نہیں ہے، کیونکہ اس نے نذر میں دن کو رات کے تابع کیا ہے، پس جب متبوع میں نذر باطل ہوگئی تو تابع میں بھی باطل ہوجائے گی، لیکن اگر دن کے اِعتکاف کی نذر کی اور اس کے ساتھ رات کے اِعتکاف کی بھی نیت کی تو دونوں کا اِعتکاف لازم ہوگا، اگر کسی نے یوں کہا کہ: ''اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ذمے واجب ہے کہ میں رات اور دن کا اِعتکاف کروں'' تو اس پر لازم ہے کہ رات اور دن کا اِعتکاف کرے اگرچہ رات کا روزہ نہیں ہوتا، لیکن رات اس میں داخل ہوجائے گی۔ نفلی اِعتکاف میں روزہ شرط نہیں ہے اور مسنون اِعتکاف یعنی رمضان المبارک کے آخری عشرے کے اِعتکاف کے لئے روزہ شرط ہے، پس اگر کسی نے، مثلاً: مرض یا سفر وغیرہ عذر کی وجہ سے رمضان کے اَخیر عشرے کے روزے نہیں رکھے اور اس عشرے کا اِعتکاف کیا تو یہ اِعتکاف سنتِ مؤکدہ علی الکفایہ کی جگہ اَدا نہیں ہوگا، بلکہ نفلی ہوگا۔ اگر کسی نے رمضان کے مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی، تو اس کی نذر صحیح ہے، یعنی یہ نذر اس پر لازم ہوجائے گی اور رمضان کے روزے، اِعتکاف کے روزوں کی بجائے کافی ہوجائیں گے۔ لیکن اگر اس شخص نے رمضان کے روزے رکھے اور اِعتکاف نہ کیا تو اس پر لازم ہے کہ اس اِعتکاف کی قضا کے لئے کسی اور مہینے کا اِعتکاف لگاتار کرے اور اس میں روزے رکھے۔ اور اگر کسی نے ماہِ رمضان میں اِعتکاف کی نذر کی اور اس نے ماہِ رمضان کے روزے نہیں رکھے پھر لگاتار ایک مہینے کے روزے مع اِعتکاف کے قضا کئے تو جائز ہے۔

۴:... مسلمان ہونا:... کیونکہ کافر، عبادت کی اہلیت نہیں رکھتا۔

۵:... عاقل ہونا:... کیونکہ مجنون نیت کی اہلیت نہیں رکھتا، اصل میں یہ دونوں اَمر نیت کے لئے شرط ہیں، کیونکہ نیت، اسلام اور عقل کے بغیر دُرست نہیں ہوتی، اور اِعتکاف میں نیت شرط ہے۔

۶:... جنابت اور حیض و نفاس سے پاک ہونا:... کیونکہ جنابت اور حیض و نفاس کی حالت میں مسجد میں آنا منع ہے، اور اِعتکاف کی عبادت مسجد کے بغیر اَدا نہیں ہوتی، بالغ ہونا اِعتکاف کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، پس سمجھ والے لڑکے کا اِعتکاف صحیح ہوگا جیسا کہ اس کا نفلی روزہ دُرست ہوجاتا ہے۔ مرد ہونا اور آزاد ہونا بھی شرط نہیں ہے، پس عورت کا اِعتکاف خاوند کی اجازت سے جائز ہے، اور غلام کا اِعتکاف اس کے مالک کی اجازت سے صحیح ہے، اگرچہ وہ اِعتکاف واجب ہی ہو، اور جب عورت کو اس کے خاوند نے اِعتکاف کی اجازت دے دی تو اَب اس کو منع کرنے کا اختیار نہیں ہے، اور اس کا منع کرنا صحیح نہیں ہے۔

اِعتکاف کی خوبیاں:

اِعتکاف کی بہت سے خوبیاں ہیں، ان میں سے کچھ یہ ہیں:

۱:... اپنے قلب کو دُنیاوی اُمور سے فارغ کرنے کا ذریعہ ہے، اِعتکاف کرنے والا اپنے آپ کو پوری طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں لگادیتا ہے اور دُنیا کے اَشغال سے اپنے آپ کو الگ کردیتا ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ اس کی طرف اِلتجا کرنے کے لئے اس کا تقرّب حاصل کرے۔

۲:... اِعتکاف کرنے والے کے تمام اوقات نماز میں صَرف ہوتے ہیں، خواہ حقیقتاً ہوں یا حکماً، کیونکہ وہ ہر وقت نماز باجماعت کے انتظار میں رہتا ہے۔

۳:... اِعتکاف کرنے والا اپنے اندر فرشتوں کے ساتھ مشابہت پیدا کرتا ہے، کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری کرتا اور نافرمانی سے بچتا اور کھانا پینا بقدرِ اِمکان ترک کرتا ہے۔

۴:... اِعتکاف کرنے والا روزہ دار ہوتا ہے، اور روزہ دار اللہ تعالیٰ کا مہمان ہوتا ہے۔

۵:... اِعتکاف کرنے والا شیطان اور دُنیا کے مکر و غلبے سے محفوظ ہوتا ہے، گویا کہ مضبوط قلعے میں محفوظ ہوجاتا ہے۔

۶:... اِعتکاف کرنے والا اپنے پروردگار کے گھر کو لازم پکڑتا ہے تاکہ وہ اس کی حاجت پوری کرے اور اس کو بخش دے۔

۷:... اِعتکاف اِخلاص کے ساتھ کیا جائے تو اَشرف الاعمال ہے۔

۸:... اِعتکاف کرنے والے کو اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔

۹:... اِعتکاف عبادت ہے کیونکہ اس حالت میں بندہ اللہ تعالیٰ کے سامنے اپنی بندگی و عاجزی کا اظہار کرتا اور بقدرِ اِمکان ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے۔

اِعتکاف کے آداب و مستحبات:

۱:... نیک باتوں کے سوا اور کوئی کلام کرنا مکروہ ہے، اِعتکاف کے علاوہ بھی مسجد میں اور باتوں کے بارے میں یہی حکم ہے، اور اِعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اَولیٰ ہے۔ نیک باتوں سے مراد وہ باتیں ہیں جن میں گناہ نہ ہو، مباح کلام کرنا ضرورت کے وقت نیک کام میں شامل ہے، اور بلاضرورت نیک کام میں شامل نہیں۔ اگر مباح کلام تقرّب کے قصد سے ہو تو اس میں ثواب ملے گا۔

۲:... اِعتکاف میں اکثر اوقات قرآن پاک کی تلاوت کرنا، ذکر کرنا، دُرود شریف پڑھنا، نوافل پڑھنا، حدیث شریف اور دِینی علم پڑھنا اور پڑھانا، اور درس دینا

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور دُوسرے انبیاء علیہم السلام کی سیرت و حالات اور نیک لوگوں کے حالات و حکایات کا پڑھنا اور بیان کرنا اور دِینی اُمور کے لکھنے میں مشغول ہونا اختیار کرے۔

۳:...رمضان کے اَخیر عشرے کے اِعتکاف کا اِلتزام کرے۔

۴:... اِعتکاف کے واسطے افضل مسجد کو اِختیار کرے، مثلاً: مسجد الحرام یا مسجدِ نبوی یا مسجدِ اقصیٰ یا جامع مسجد کو اِختیار کرے۔

۵:...رمضان المبارک کے اَخیر عشرے کا اِعتکاف کرے تو اِکیسویں شب کو یعنی بیس رمضان کا سورج غروب ہونے سے قدرے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے، اور رمضان المبارک کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے باہر آئے۔

جن چیزوں سے اِعتکاف فاسد ہوجاتا ہے اور جن چیزوں سے فاسد نہیں ہوتا:

اِعتکاف کو فاسد کرنے والی چیزیں یہ ہیں:

۱:...**مسجد سے باہر نکلنا:**... اِعتکاف کرنے والے کو چاہئے کہ اِعتکاف والی مسجد سے بلاعذر نہ دن میں باہر نکلے اور نہ رات میں، اگر عذر کے بغیر تھوڑی دیر کے لئے بھی مسجد سے نکل گیا تو اس کا اِعتکاف فاسد ہوجائے گا، خواہ وہ جان بوجھ کر نکلا ہو یا بھول کر، اگر کسی عذر سے باہر نکلنے پر ضرورت سے زیادہ باہر ٹھہرا رہا تب بھی اس کا واجب اِعتکاف فاسد ہوجائے گا اور نفلی اِعتکاف ختم ہوجائے گا، عذر کی وجہ سے نکلنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

وہ عذرات جن کی وجہ سے اِعتکاف والے کا مسجد سے نکلنا جائز ہے یہ ہیں:

اوّل :... طبعی حاجت :... یعنی پیشاب، پاخانہ، اِستنجا، وضو اور فرض غسل کے لئے یعنی اگر اِحتلام ہوجائے تو غسل کرنے کے لئے مسجد سے باہر جانا جائز ہے۔ پس جب پیشاب یا پاخانے کے لئے مسجد سے نکلے تو اس کو گھر میں داخل ہونے کا کوئی مضائقہ نہیں ہے، لیکن قضائے حاجت کے بعد طہارت یعنی اِستنجا و وضو سے فارغ ہوتے ہی مسجد میں آجائے، اگر طہارت کے بعد وہ اپنے گھر میں تھوڑی دیر بھی ٹھہرا رہا تو اس کا اِعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر اِعتکاف کرنے والے کے دو گھر ہوں، جن میں سے ایک نزدیک اور دُوسرا دُور ہو، تو بعض کے نزدیک دُور والے گھر میں قضائے حاجت کے لئے جانا جائز ہے، اور اس کا اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا، اور بعض کے نزدیک جائز نہیں ہے اور اس کا اِعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر مسجد کے ساتھ بیت الخلا ہو جو گھر کی بہ نسبت قریب ہے، تو اس صورت میں وہی اختلاف ہے جو دو گھروں کے بارے میں بیان ہوا، اس لئے احتیاطاً قریب والے بیت الخلا کو اِستعمال کرے، لیکن اگر وہ شخص مسجد کے بیت الخلا سے یا اپنے دو گھروں میں سے ایک گھر والے بیت الخلا سے مانوس نہ ہو اور وہاں اس کو آسانی سے رفع حاجت نہ ہوتی ہو تو اپنے مانوس بیت الخلا میں رفع حاجت کے لئے جانا بلا اختلاف جائز ہے، اگرچہ وہ دُور ہو۔ جب حاجتِ طبعی کے لئے نکلے تو اس کے لئے وقار وسکون کے ساتھ آہستہ آہستہ چلنا جائز ہے۔ کھانا پینا اور سونا اپنی اِعتکاف کی جگہ میں کرنا چاہئے، اس کے لئے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔ اگر اِعتکاف والے کے لئے گھر سے کھانا لانے والا کوئی شخص نہ ہو تو اس کو گھر سے کھانا لے آنا جائز ہے، کیونکہ اس صورت میں یہ پیشاب پاخانے کی طرح طبعی حاجت میں داخل ہے (لیکن اس کو چاہئے کہ کھانا لے کر فوراً مسجد میں آجائے اور وہیں آکر کھائے)۔

دوم :... شرعی حاجت :... مثلاً: اَذان دینے یا جمعہ کی نماز اَدا کرنے کے

لئے باہر نکلنا جائز ہے، پس اگر اَذان کے لئے مسجد سے باہر نکلا اور اَذان کے مینارے کا دروازہ مسجد سے باہر ہو تو اس کا اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا، خواہ وہ مؤذِّن ہو یا نہ ہو، اور اگر اَذان کا مینارہ اندر ہو تو بدرجۂ اَوْلیٰ اس پر چڑھنے سے اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

مستحب یہ ہے کہ جمعہ کی نماز کے لئے تحرِّی (اَٹکل) کرکے اندازاً ایسے وقت نکلے کہ جامع مسجد میں پہنچ کر خطبے کی اَذان سے پہلے دو رکعت تحیۃ المسجد اور چار رکعتیں سنتِ جمعہ قبلیہ پڑھ لے۔ اس کا اندازہ اِعتکاف کرنے والے کی رائے پر موقوف ہے، اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں اور نماز فرضِ جمعہ ادا کرنے کے بعد اس قدر ٹھہرے کہ چار یا چھ رکعتیں پڑھ لے، فرضِ جمعہ سے پہلے کی چار رکعتیں اور بعد کی چار یا چھ رکعتیں اِعتکاف والی مسجد میں بھی ادا کرسکتا ہے، لیکن افضل یہ ہے کہ جامع مسجد میں ادا کرے۔ اگر زیادہ دیر جامع مسجد میں ٹھہرا رہا، مثلاً: ایک دن رات وہاں ٹھہرا رہا یا باقی اِعتکاف وہیں پورا کیا، تو اس کا اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا، مگر ایسا کرنا مکروہِ تنزیہی ہے۔ اگر کسی عذر، مثلاً: مسجد کے گرجانے یا زبردستی کسی کے نکال دینے کی وجہ سے یا اپنی جان و مال کے خوف سے مسجد سے نکلا اور اسی وقت اِعتکاف کی نیت سے دُوسری مسجد میں داخل ہوگیا، کسی اور کام میں مشغول نہیں ہوا، تو اس کا اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔

مذکورہ دو قسم کے عذرات کے علاوہ کسی اور عذر سے مسجد سے باہر نکلنے سے اِعتکاف فاسد ہوجائے گا، پس اگر بیماری یا خوف کی وجہ سے یا مریض کی عیادت یا نمازِ جنازہ کے لئے مسجد سے نکلے گا تو اس کا اِعتکاف فاسد ہوجائے گا، لیکن اگر بشری حاجت پیشاب پاخانے وغیرہ کے لئے مسجد سے باہر نکلا پھر اسی ضمن میں مریض کی عیادت یا نمازِ جنازہ کے لئے چلا گیا تو جائز ہے، جبکہ اس کا مسجد سے نکلنا خاص اس مقصد کے لئے نہ ہو، اور وہ راستے سے نہ پھرے اور نمازِ جنازہ یا مریض کی مزاج پُرسی

سے زیادہ وہاں نہ ٹھہرے، ورنہ اِعتکاف فاسد ہوجائے گا۔ اگر نذر کرتے وقت شرط کرلی ہو کہ وہ عیادتِ مریض یا نمازِ جنازہ یا مجلسِ علم میں حاضر ہوگا تو ان اُمور کی وجہ سے مسجد سے باہر نکلنے پر اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ مسجد سے نکلنے کا مطلب قدموں کا مسجد سے باہر نکالنا ہے، پس اگر اپنا سر مسجد سے باہر نکالے تو اس کا اِعتکاف فاسد نہیں ہوگا۔ یہ سب اَحکام واجب اور سنتِ مؤکدہ اِعتکاف کے ہیں، اگر نفلی اِعتکاف میں عذر سے یا بلاعذر مسجد سے نکلے تو کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ اگر نفلی اِعتکاف شروع کیا پھر توڑ دیا تو اس کی قضا لازم نہیں ہے، کیونکہ یہ اس اِعتکاف کو ختم کرنا ہے توڑنا نہیں ہے، اور سنتِ مؤکدہ یعنی رمضان المبارک کے اَخیر عشرے کا اِعتکاف بھی شروع کرکے توڑ دینے سے ختم ہوجائے گا، سنتِ مؤکدہ کی بجائے ادا نہیں ہوگا، کیونکہ وہ تو پورے عشرے کا ہی ہوتا ہے، اس سے کم کیا ہوا اِعتکاف نفلی بن جائے گا، اور اس پر اس دن کے اِعتکاف کی قضا واجب ہوگی، جس دن کا اِعتکاف فاسد کیا ہے۔

۲:... اِعتکاف توڑنے والی چیز جماع اور اس کے لوازم ہیں، اِعتکاف والے پر جماع اور اس کے لوازم حرام ہیں، پس پیشاب پاخانے کے مقام میں دُخول سے اِعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، خواہ اِنزال ہو یا نہ ہو، اور لوازمِ جماع مثلاً: مباشرت (بدن سے بدن ملانا)، بوسہ، مساس، معانقہ اور پیشاب و پاخانے کے مقام کے علاوہ کسی اور جگہ مثلاً: ران یا پیٹ وغیرہ میں جماع کرنا، ان سب صورتوں میں اگر اِنزال ہوجائے تو اِعتکاف فاسد ہوجاتا ہے، اور اگر اِنزال نہ ہو تو اِعتکاف فاسد نہیں ہوتا۔ خواہ جماع و لوازمِ جماع دن میں واقع ہوں یا رات میں، اور جان بوجھ کر ہوں یا بھول کر، اور خواہ رضامندی کی حالت ہو یا اِکراہ کی حالت، ہر حال میں اِعتکاف فاسد ہونے کا حکم یکساں ہے، خواہ جماع مسجد سے باہر واقع ہو۔ خلاصہ یہ ہے کہ جماع و لوازمِ جماع کی جن صورتوں میں روزہ فاسد ہوجاتا ہے ان سب صورتوں میں

اِعتکاف بھی فاسد ہوجاتا ہے، اور جن صورتوں میں روزہ فاسد نہیں ہوتا، ان صورتوں میں اِعتکاف بھی فاسد نہیں ہوتا، فرق صرف یہ ہے کہ اِعتکاف کے لئے دن رات اس حکم میں برابر ہیں، اور روزے میں صرف دن کے وقت یعنی روزے کی حالت میں یہ چیزیں روزے کو فاسد کردیتی ہیں۔ جماع اور اس کے لوازم کے علاوہ روزے کو توڑنے والی دُوسری چیزوں سے واجب وسنتِ مؤکدہ اِعتکاف اس وقت ٹوٹ جائے گا جبکہ روزے کو توڑنے والی چیز دن میں یعنی روزے کی حالت میں پائی جائے، کیونکہ روزہ اِعتکاف کے لئے شرط ہے، اس لئے جب روزہ ٹوٹ گیا تو اِعتکاف بھی ٹوٹ گیا۔

۳:... اِعتکاف کو توڑنے والی تیسری چیز بے ہوشی اور جنون ہے، بے ہوشی یا جنون سے اِعتکاف اس وقت باطل ہوتا ہے جبکہ وہ دو یا زیادہ دن تک رہے، کیونکہ ان دنوں میں نیت نہ ہونے کی وجہ سے اس کا روزہ فوت ہوجائے گا، لیکن پہلے دن کا اِعتکاف باطل نہیں ہوگا جبکہ اس نے وہ دن مسجد ہی میں پورا کیا ہو، کیونکہ نیت پائی گئی ہے، لیکن اگر وہ مسجد سے باہر نکل گیا تو جنون یا بے ہوشی دُور ہونے کے بعد اس پر اس دن کی قضا لازم ہوگی اور اس دن کے علاوہ بے ہوشی یا جنون کے باقی دنوں کا اِعتکاف بھی جنون و بے ہوشی دُور ہونے کے بعد قضا کرے، اگرچہ وہ جنون بہت طویل ہوگیا ہو۔ اور جب اس واجب (یعنی نذر کے) اِعتکاف کی قضا پر قادر ہو تو اس کو روزے کے ساتھ قضا کرے۔

فائدہ:... اگر وہ واجب (یعنی نذر کا) اِعتکاف کسی معین مہینے کا ہو تو جس قدر دن باقی رہ گئے ہوں صرف اتنے ہی دن کا اِعتکاف قضا کرے، اس کے سوا اور کچھ نہیں، اور اگر وہ واجب اِعتکاف غیر معین مہینے کا ہو تو فاسد کردینے کے بعد اس کو نئے سرے سے شروع کرنا لازم ہوگا، کیونکہ وہ لگاتار اَدا کرنا لازم ہوا ہے، خواہ اس

اِعتکاف کو اپنے فعل سے کسی عذر کے بغیر فاسد کیا ہو، یا اپنے فعل سے کسی عذر کی وجہ سے فاسد کیا ہو، یا اس کے فعل کے بغیر ہی فاسد ہوا ہو۔

وہ چیزیں جو اِعتکاف میں حرام یا مکروہ ہیں اور جو مکروہ نہیں:

۱:... خاموش رہنا: اگر اِعتکاف میں عبادت سمجھ کر خاموش رہے تو مکروہِ تحریمی ہے، اور اگر اس کو عبادت نہ سمجھتا ہو تو مکروہ نہیں ہے۔ بُری باتوں سے خاموشی اختیار کرنا فرض و واجب ہے کیونکہ بات کرنا کبھی حرام ہوتا ہے، مثلاً: غیبت کرنا، اور کبھی مکروہ ہوتا ہے جیسے: بُرے شعر پڑھنا، یا سامانِ تجارت بیچنے کے لئے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنا، اس لئے پہلی قسم سے چپ رہنا فرض ہے، اور دُوسری قسم سے چپ رہنا واجب ہے۔ غیرمفید باتیں کرنے سے اپنی زبان کو بچانے کے لئے خاموش رہنا مکروہ نہیں ہے، لیکن زیادہ تر وقت تلاوتِ قرآن پاک و ذکر وغیرہ عبادت میں گزارے، خاموش رہنے کے یہ اَحکام مسجد سے باہر اور اندر والے اور جو شخص اِعتکاف میں نہ ہو سب کے لئے یکساں ہیں، مسجد میں اور اِعتکاف والے کے لئے بدرجۂ اَولیٰ یہ اَحکام ہیں۔

۲:... اگر اِعتکاف والے شخص نے دن میں (روزے کی حالت میں) بھول کر کچھ کھاپی لیا تو چونکہ اس کا روزہ فاسد نہیں ہوگا، اس لئے اس کا اِعتکاف بھی فاسد نہیں ہوگا۔

۳:... اگر اِعتکاف والا شخص کھانا اور اپنی ضرورت کی چیزیں مسجد میں بیچے یا خریدے تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، اگر خرید و فروخت تجارت کے ارادے سے کرے تو مکروہ ہے، اِعتکاف کی حالت میں نکاح کرنا، طلاق سے رجعت کرنا، لباس پہننا، خوشبو اور تیل لگانا جائز ہے۔

۴:... اِعتکاف کرنے والے کو مسجد میں تجارت کے قصد سے خرید و فروخت

کی بات کرنا مکروہ ہے، خواہ سامانِ تجارت وہاں حاضر کیا جائے یا نہ کیا جائے، اور بغیر اِعتکاف والے کے لئے مسجد میں خرید و فروخت کرنا مطلقاً مکروہ ہے، خواہ تجارت کے لئے یا بغیر تجارت کے ہو، اور خواہ سامانِ تجارت حاضر ہو یا نہ ہو، اور خواہ اپنے لئے یا اپنے اہل و عیال کے لئے اس کا محتاج ہو یا نہ ہو۔

۵:... سامانِ تجارت کو مسجد میں موجود کرنا مکروہِ تحریمی ہے، اور جو کھانا اِعتکاف والے نے خریدا اس کو مسجد میں لانے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

۶:... مسجد میں وطی (جماع) اور اس کے لوازم یعنی بوسہ لینا اور چھونا اور معانقہ کرنا وغیرہ حرام ہے۔

۷:... گالی گلوچ اور لڑائی جھگڑے سے اِعتکاف فاسد نہیں ہوتا، لیکن یہ افعال مسجد میں اور مسجد سے باہر ممنوع و حرام ہیں، پس اِعتکاف کی حالت میں بدرجۂ اَولیٰ ممنوع و حرام ہیں، اس لئے ان سے بچنا ہر وقت ضروری ہے۔

اِعتکاف کے متفرق مسائل:

۱:... جب کوئی شخص اپنے اُوپر اِعتکاف واجب کرنے کا یعنی اِعتکاف کی نذر ماننے کا ارادہ کرے تو اس کو چاہئے کہ زبان سے بھی کہے، صرف دِل سے نیت کرنا اِعتکاف واجب ہونے کے لئے کافی نہیں ہے، اور اس سے اس پر کوئی چیز لازم نہیں ہوگی۔

۲:... اگر تثنیہ یا جمع کے صیغے کے ساتھ یعنی دو دن یا تین یا زیادہ دنوں کے اِعتکاف کی نذر کی، یا دو راتوں یا تین راتوں کے اِعتکاف کی نذر کی، تو ان دنوں کے ساتھ ان کی راتوں کا اور ان راتوں کے ساتھ ان دنوں کا اِعتکاف بھی لازم ہوجائے گا، اور یہ حکم اس وقت ہے جبکہ کچھ نیت نہ کی ہو، یا دن اور رات دونوں مراد لئے ہوں، لیکن اگر دنوں کی نذر میں خالص دنوں کی، اور راتوں کی نذر میں خالص راتوں

کی نیت کی ہو، تو نیت صحیح ہے، اور دنوں کی نذر کی نیت میں صرف ان دنوں کا اِعتکاف لازم ہوگا اور اس کو متفرق طور پر اَدا کرنے کا اختیار ہے، اس پر راتوں کا اِعتکاف واجب نہیں ہوگا۔ اور صرف راتوں کے اِعتکاف کی نذر میں اس پر کچھ واجب نہیں ہوگا، کیونکہ راتیں روزے کا محل نہیں ہیں۔ اور اگر صرف ایک ہی دن کے اِعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً داخل نہیں ہوگی، اسی طرح صرف ایک رات کے اِعتکاف کی نذر کرنے میں دن ضمناً شامل نہیں ہوگا، اور چونکہ رات کو روزہ نہیں ہوتا اس لئے وہ نذر لغو ہوجائے گی۔

۳:... جب اِعتکاف کے واجب ہونے میں رات داخل نہیں ہے تو اِعتکاف کرنے والے کو اِختیار ہے کہ متفرق طور پر اَدا کرے یا لگاتار اَدا کرے، اور جب رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اس کو لگاتار اِعتکاف کرنا واجب ہوگا، متفرق طور پر اَدا کرنے سے ادا نہیں ہوگا۔

۴:... جب اِعتکاف میں رات اور دن دونوں شامل ہوں تو اِعتکاف کی ابتدا رات سے ہوگی، پس وہ اپنی نذر کے پہلے دن سورج غروب ہونے سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور اپنی نذر کے آخری دن سورج غروب ہونے کے بعد مسجد سے نکلے، اور جب صرف دنوں کے اِعتکاف کی نذر کی تو دن سے اِعتکاف شروع کرے اور طلوعِ فجر سے پہلے مسجد میں داخل ہوجائے اور غروبِ آفتاب کے بعد مسجد سے باہر نکلے۔

۵:... اگر ایک معین دن یا ایک معین مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی اور اس دن سے ایک دن پہلے یا اس مہینے سے ایک مہینہ پہلے اِعتکاف کرلیا یا مسجدِ حرام میں اِعتکاف کرنے کی نذر کی اور کسی اور مسجد میں اِعتکاف کرلیا تو جائز ہے، اسی طرح معین وقت کے بعد بھی اَدا کرسکتا ہے۔

۶:... اگر گزرے ہوئے مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی تو اس کی نذر صحیح نہیں ہوگی۔

۷:... اگر کسی نے ایک مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی، پھر وہ ادا کرنے سے پہلے مرگیا تو اگر اس نے فدیہ کی وصیت کی ہو تو ہر روزے کے اِعتکاف کے بدلے میں صدقۂ فطر کی مقدار گیہوں یا جو وغیرہ سے دیئے جائیں، اور اگر اس نے وصیت نہیں کی تو وارثوں پر جبر نہیں کیا جائے گا، لیکن اگر وارثوں نے اجازت دے دی تو اس کا فدیہ دینا جائز ہے۔ اگر کسی نے مرض کی حالت میں ایک مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی اور وہ تندرست نہ ہوا یہاں تک کہ مرض کی حالت میں ہی مرگیا تو اس پر کچھ واجب نہ ہوگا، اور اگر ایک دن کے لئے اچھا ہوگیا پھر مرگیا تو سارے مہینے کے عوض فدیہ دیا جائے گا۔

۸:... جب واجب اِعتکاف فاسد ہوجائے تو اس کی قضا واجب ہے، پس اگر کسی معین مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی تھی اور اس نے ایک دن یا زیادہ دنوں کا روزہ توڑ دیا تو اتنے ہی دن قضا کرے جن کا روزہ توڑا ہے، اور اگر غیر معین مہینے کے اِعتکاف کی نذر کی اور اس کے کسی دن کا روزہ توڑ دیا تو نئے سرے سے اِعتکاف کرے، اس لئے کہ اس کا لگاتار اَدا کرنا واجب ہے، خواہ اس نے اپنے فعل سے عذر کے بغیر فاسد کیا ہو یا عذر کے ساتھ، لیکن اگر معتبر عذر کے بغیر فاسد کردے گا تو گنہگار ہوگا۔ واللہ اعلم! (زبدۃ الفقہ، کتاب الصوم ص:۱۲۴، ۱۲۵، سیّد زوار حسین شاہؒ)

اِعتکاف سے متعلق سوالات کے جوابات

س:... ایک شخص جس نے قرآن شریف مکمل نہیں کیا، یعنی چند پارے پڑھ کر چھوڑ ادیئے مجبوری کے تحت، کیا وہ شخص اِعتکاف میں بیٹھ سکتا ہے؟

ج:... ضرور بیٹھ سکتا ہے، اس کو قرآن مجید بھی ضرور مکمل کرنا چاہئے، اِعتکاف میں اس کا بھی موقع ملے گا۔

س:... کیا ایک مسجد میں صرف ایک اِعتکاف ہوسکتا ہے یا ایک سے زائد بھی؟

ج:... ایک مسجد میں جتنے لوگ چاہیں اِعتکاف بیٹھیں، اگر سارے محلے والے بھی بیٹھنا چاہیں تو بیٹھ سکتے ہیں۔

س:... حالتِ اِعتکاف میں جس مخصوص کونے میں پردہ لگا کر بیٹھا جاتا ہے کیا دن کو یا رات کو وہاں سے نکل کر مسجد کے کسی پنکھے کے نیچے سوسکتا ہے یا نہیں؟ معتکف کسے کہتے ہیں اس مخصوص کونے کو جس میں بیٹھا جاتا ہے یا پوری مسجد کو معتکف کہا جاتا ہے؟ اور بعض علماء سے سنا ہے کہ دورانِ اِعتکاف بلاضرورت گرمی دُور کرنے کے لئے غسل کرنا بھی دُرست نہیں، کیا یہ صحیح ہے؟ اور اگر بحالتِ ضرورت مسجد سے نکل کر جائے اور کسی شخص سے باتوں میں لگ جائے، تو کیا ایسی حالت میں اِعتکاف ٹوٹے گا یا نہیں؟

ج:... مسجد کی خاص جگہ جو اِعتکاف کے لئے تجویز کی گئی ہو، اس میں مقید رہنا کوئی ضروری نہیں، بلکہ پوری مسجد میں جہاں چاہے دن کو یا رات کو بیٹھ سکتا ہے اور سوسکتا ہے۔ ٹھنڈک حاصل کرنے کے لئے غسل کی نیت سے مسجد سے نکلنا جائز نہیں، البتہ اس کی گنجائش ہے کہ کبھی اِستنجا وغیرہ کے تقاضے سے باہر جائے تو وضو کے بجائے دو چار لوٹے پانی کے بدن پر ڈال لے۔ معتکف کو ضروری تقاضوں کے علاوہ مسجد سے باہر نہیں ٹھہرنا چاہئے، بغیر ضرورت کے اگر گھڑی بھر بھی باہر رہا تو اِمام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اِعتکاف ٹوٹ جائے گا، اور صاحبینؒ کے نزدیک نہیں ٹوٹتا، حضرتِ اِمامؒ کے قول میں احتیاط ہے، اور صاحبینؒ کے قول میں وسعت اور گنجائش ہے۔

س:... کیا اِعتکاف میں بیٹھنے کے لئے جو چاروں طرف چادریں لگا کر ایک حجرہ بنایا جاتا ہے، ضروری ہے یا اس کے بغیر بھی اِعتکاف ہوجاتا ہے؟

ج:... چادریں معتکف کی تنہائی و یکسوئی اور آرام وغیرہ کے لئے لگائی جاتی

ہیں، ورنہ اِعتکاف ان کے بغیر بھی ہوجاتا ہے۔

س:... اِعتکاف کے دوران گفتگو کی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر کی جاسکتی ہے تو گفتگو کی نوعیت بتائیں۔

ج... اِعتکاف میں دِینی گفتگو کی جاسکتی ہے، اور بقدرِ ضرورت دُنیوی بھی۔

س:... دورانِ اِعتکاف تلاوتِ کلامِ پاک کے علاوہ سیرت اور فقہ سے متعلق کتب کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے؟

ج:... تمام دِینی علوم کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔

س:... مسئلہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کی مسجد جو کہ مہران شوگر ملز ٹنڈو الہ یار ضلع حیدرآباد کی کالونی میں واقع ہے، اس مسجد میں ہر سال رمضان شریف میں ہماری مل کے ریذیڈنٹ ڈائریکٹر صاحب (جو کہ ظاہری طور پر اِنتہائی دِین دار آدمی ہیں) اِعتکاف میں بیٹھتے ہیں، لیکن ان کے اِعتکاف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ جس گوشے میں بیٹھتے ہیں وہاں گاؤتکیہ اور قالین کے ساتھ ٹیلی فون بھی لگوالیتے ہیں جو کہ اِعتکاف مکمل ہونے تک وہیں رہتا ہے اور موصوف سارا دن اِعتکاف کے دوران اسی ٹیلی فون کے ذریعے تمام کاروبار اور مل کے معاملات کو کنٹرول کرتے ہیں، اس کے علاوہ تمام دفتری کارروائی، فائلیں وغیرہ مسجد میں منگواکر ان پر نوٹ وغیرہ لکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ موصوف ٹیپ ریکارڈ لگواکر مسجد میں ہی قوّالیوں کے کیسٹ سنتے ہیں، جبکہ قوّالیوں میں ساز بھی شامل ہوتے ہیں، کیا مسجد میں اس کی اجازت ہے کہ قوّالی سنی جائے؟ اس کے علاوہ موصوف مسجد میں ٹیلی ویژن سیٹ بھی رکھواکر ٹیلی کاسٹ ہونے والے تمام دِینی پروگرام بڑے ذوق وشوق سے دیکھتے ہیں، اور موصوف کے ساتھ ان کے نوکر وغیرہ بھی خدمت کے لئے موجود رہتے ہیں۔ ہماری کالونی کے متعدّد نمازی موصوف کی ان حرکتوں کی وجہ سے مسجد میں نماز پڑھنے نہیں آتے، کیا ان نمازیوں کا فعل صحیح ہے؟

ج:... اِعتکاف کی اصل رُوح یہ ہے کہ اتنے دنوں کو خاص اِنقطاع الی اللہ میں گزاریں، اور حتی الوسع تمام دُنیوی مشاغل بند کردیئے جائیں، تاہم جن کاموں کے بغیر چارہ نہ ہو، ان کا کرنا جائز ہے۔ لیکن مسجد کو اتنے دنوں کے لئے دفتر میں تبدیل کردینا بے جا بات ہے، اور مسجد میں گانے بجانے کے آلات بجانا، ٹیلی ویژن دیکھنا حرام ہے، جو ''نیکی برباد، گناہ لازم'' کے مصداق ہے۔ آپ کے ڈائریکٹر صاحب کو چاہئے کہ اِعتکاف کریں تو شاہانہ نہیں، فقیرانہ کریں، اور محرّمات سے احتراز کریں، ورنہ اِعتکاف ان کے لئے کوئی فرض نہیں، خدا کے گھر کو معاف کریں، اس کے تقدس کو پامال نہ کریں۔

س:... کیا حالتِ اِعتکاف میں معتکف (مسجد کے کنارے پر بیٹھ کر) حالتِ پاکی میں صرف سستی اور جسم کے بوجھل پن کو دُور کرنے کے لئے غسل کرسکتا ہے؟ اور کیا اس سے اِعتکاف سنت ٹوٹ جاتا ہے؟ جبکہ یہ غسل مسجد کے حدود کے اندر ہو، اور کیا اس سے مسجد کی بے ادبی تو نہیں ہوتی؟

ج:... غسل اور وضو سے مسجد کو ملوّث کرنا جائز نہیں، اگر صحن پختہ ہے اور وہاں سے پانی باہر نکل جاتا ہے تو گنجائش ہے کہ کونے میں بیٹھ کر نہالے، اور پھر جگہ کو صاف کردے۔

س:... ہمارے محلے کی مسجد میں دو آدمی اِعتکاف میں بیٹھے تھے، زیادہ گرمی ہونے کی وجہ سے وہ مسجد کے غسل خانے میں غسل کرتے تھے، ایک صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ اس طرح غسل کرنے سے اِعتکاف ٹوٹ جاتا ہے۔

ج:... ٹھنڈک کے لئے غسل کی نیت سے جانا معتکف کے لئے جائز نہیں، البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ جب پیشاب کا تقاضا ہو تو پیشاب سے فارغ ہوکر غسل خانے میں دو چار لوٹے بدن پر ڈال لیا کریں، جتنی دیر میں وضو ہوتا ہے اس سے بھی کم وقت میں بدن پر پانی ڈال کر آجایا کریں، الغرض غسل کی نیت سے مسجد سے باہر جانا جائز

نہیں، طبعی ضرورت کے لئے جائیں تو بدن پر پانی ڈال سکتے ہیں، اور کپڑے بھی مسجد میں اُتار کر جائے تاکہ غسل خانے میں کپڑے اُتارنے کی مقدار بھی ٹھہرنا نہ پڑے۔

س:... میں نے ایک منّت مانی تھی کہ اگر میری مراد پوری ہوگئی تو میں اِعتکاف میں بیٹھوں گا، مگر میں اس طرح نہ کرسکا، تو مجھے بتائیے کہ میں اس کے بدلے میں کیا کروں؟ کہ میری یہ منّت پوری ہوجائے۔ باقی دو روزے نہ رکھنے کے لئے بتائیے کہ کتنے فقیروں کو کھانا کھلانا ہوگا؟

ج:... آپ نے جتنے دن کے اِعتکاف کی منّت مانی تھی، اتنے دن اِعتکاف میں بیٹھنا آپ پر واجب ہے، اور اِعتکاف روزے کے بغیر نہیں ہوتا، اس لئے ساتھ روزے رکھنا بھی واجب ہیں۔ جب تک آپ یہ واجب ادا نہیں کریں گے، آپ کے ذمے رہے گا، اور اگر اسی طرح بغیر کئے مرگئے تو قدرت کے باوجود واجب روزوں کے ادا نہ کرنے کی سزا بھگتنا ہوگی، اور آپ کے ذمے روزوں کا فدیہ ادا کرنے کی وصیت بھی لازم ہوگی۔

۲:... جتنے دن کے روزوں کی منّت مانی تھی، اتنے دن کا روزہ رکھنا ضروری ہے، اس کا فدیہ ادا نہیں کیا جاسکتا، البتہ اگر آپ اتنے بوڑھے ہوگئے ہوں کہ روزہ نہیں رکھا جاسکتا یا ایسے دائمی مریض ہوں کہ شفا کی اُمید ختم ہوچکی ہے، تو آپ ہر روزے کے عوض کسی محتاج کو دو وقتہ کھانا کھلادیجئے یا صدقۂ فطر کی مقدار غلہ یا نقد روپے دے دیجئے۔

عظمتِ قرآن

اور اس کی تلاوت کے فوائد وثمرات

بہت سے لوگوں نے دِل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآنِ کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی! قرآنِ کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے، میں نے ابھی کہا کہ قرآنِ کریم میں ''فرعون'' یا ''شیطان'' کا لفظ آیا، اس کے پڑھنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، تو قرآنِ کریم کے الفاظ کو دُہرانا، اپنی زبان سے ادا کرنا، یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآنِ کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دِل میں چونکہ قرآنِ کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

یہاں آپ حضرات کی مسجد میں مدرسہ حفظِ قرآن شروع ہوا ہے، اس کے سلسلے میں حاضری ہوئی ہے، اس لئے دو چار باتیں اسی کے بارے میں عرض کرتا ہوں۔ قرآنِ کریم اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اور جیسی کلام والے کی عظمت ہوتی ہے ویسی ہی کلام کی عظمت ہوتی ہے۔ ایک چھوٹا آدمی بات کرتا ہے تو اس کی قدر و قیمت اس شخص کی حیثیت کے مطابق ہوتی ہے، وہی بات اگر کوئی بڑا آدمی کہتا ہے تو اس کی عظمت اور ہوتی ہے۔ حق تعالیٰ شانہٗ سب سے زیادہ عظمت والے ہیں، تو ان کے کلام کی بھی عظمت سب سے زیادہ ہے، اس لئے قرآنِ کریم کی جتنی عظمت ہے اتنی اور کسی کلام کی نہیں، اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

”لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ“ (الحشر:۲۱)

ترجمہ:...”اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے تو (اے مخاطب) اس کو دیکھتا کہ وہ خدا کے خوف سے دَب جاتا اور پھٹ جاتا۔“

پہاڑ بھی اس کلامِ پاک کی عظمت کو برداشت نہ کرسکتا، یہ تو اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایسی دولت اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل عطا فرمادی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک قلب پر قرآنِ کریم نازل ہوا، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مبارک سے ادا ہوا، اور پھر لوگوں کے کان کے ذریعے سے ان کے دِلوں تک پہنچا، اتنے واسطے بیچ میں آئے۔ پہلا جبریل علیہ السلام کا واسطہ، پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قلبِ مبارک کا واسطہ، پھر آپ صلی اللہ علیہ سلم کی زبانِ مبارک کا واسطہ، پھر اِنسانوں کے کانوں کا واسطہ۔ تو اتنے واسطوں سے چھن چھن کر قرآنِ کریم ہم تک پہنچا، اس لئے ہمیں اس کا تحمل ہوسکا۔ براہِ راست اگر یہ کسی پر نازل ہوجاتا تو وہ اس کا تحمل نہیں کرسکتا تھا، اس کا دِل ٹکڑے ٹکڑے ہوجاتا، یہ تو اس کلامِ پاک کی عظمت ہے، اور جتنی عظمت ہے اتنی ہی اس کی فضیلت بھی ہے، دُنیا کی کوئی کتاب پڑھو، اگر اچھی بات ہے تو اس کو پڑھنے کا ثواب ہوگا اور نیکی ملے گی، ہدایت ملے گی۔ لیکن دُنیا میں کوئی ایسی کتاب نہیں ہے جس کے ایک حرف کو پڑھنے پر دس نیکیاں ملتی ہیں، یقیناً ایسی کوئی کتاب نہیں۔

قرآن کے ایک حرف پر دس نیکیاں:

یہ کلامِ پاک ایسا ہے کہ اس کے ایک ایک حرف پر دس نیکیاں ملتی ہیں، بطورِ لطیفہ عرض کرتا ہوں کہ ''شیطان'' کا نام اچھا ہے کہ بُرا؟ بُرے کا نام بُرا ہوتا ہے! لیکن قرآنِ کریم میں بھی شیطان کا نام آتا ہے، ''ش، ی، ط، ا، ن'' شیطان کا نام لینے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، تو جب قرآنِ کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے پر پچاس نیکیاں ہیں۔ ''فرعون'' کے نام کے پانچ حرف ہیں: ''ف، ر، ع، و، ن'' قرآنِ کریم میں یہ نام آتا ہے تو اس کے ادا کرنے سے پچاس نیکیاں ہیں۔ فرعون اپنی جگہ بدبخت ہے، شیطان اپنی جگہ بدبخت ہے، مگر جب اس پاک کلام میں نام آگیا تو اس

کو پڑھتے ہوئے جب کوئی ''فرعون'' کا لفظ بولے گا تو اس کو پچاس نیکیاں ملیں گی، تو میں نے کہا کہ کتنی بڑی اس کی عظمت ہے! کتنی بڑی اس کی قیمت ہے...!

قرآنِ کریم سے محبت:

اور پھر اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے اپنے بندوں کے دِلوں میں اس کی محبت ڈال دی، قرآنِ کریم سے مسلمانوں کو جتنی محبت ہے ایسی کسی اور کتاب سے نہیں، اور نہ ایسی کسی قوم کو اپنی کتاب سے ہے، گھروں میں قرآنِ کریم ہوتے ہیں، اچھے سے اچھے غلاف میں ان کو لپیٹ کر رکھتے ہیں، ادب کی جگہ رکھتے ہیں، اُونچی جگہ رکھتے ہیں، ان کی طرف پیٹھ نہیں کرتے۔ ہمارے ایک عزیز ہیں، بزرگ ہیں، وہ حافظِ قرآن کی طرف پیٹھ نہیں کرتے کہ اس کے سینے میں قرآن ہے۔ مسلمانوں کو قرآنِ کریم سے ایسی محبت ہے کہ اس کی کوئی مثال نہیں، اور یہ محبت اللہ تعالیٰ نے ڈالی ہے، پھر اس محبت کے بھی درجات مختلف ہیں، جتنا اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی سے کسی کو تعلق ہوگا اتنا ہی اس کے کلام سے تعلق ہوگا، جتنا ایمان قوی ہوگا، جتنا یقین قوی ہوگا، اتنی ہی حق تعالیٰ شانہٗ سے محبت زیادہ ہوگی، اور اتنا ہی کلامِ پاک سے تعلق ہوگا، کلامِ پاک سے محبت ہوگی۔ چنانچہ ہر مسلمان تھوڑا بہت قرآن تو پڑھ ہی لیتا ہے، اور نہ ہو تو ''قُلْ هُوَ اللهُ'' ہی سہی۔

سورۃ الفاتحہ اور قل ھو اللہ شریف تو ہر مسلمان کو یاد ہوتی ہے۔ بھئی! ایک مسئلہ یاد رکھو، وہ یہ کہ چار سنتیں ہم پڑھتے ہیں تو ان چار سنتوں میں الگ الگ سورۃ پڑھنی چاہیئے، اس لئے کہ کم سے کم چھوٹی چار سورتیں تو یاد ہوں، ہمارے مسلمان بھائی بڑی کوتاہی کرتے ہیں، صرف ''قل ھو اللہ'' یاد رہتی ہے، وہ بھی صحیح یاد نہیں ہوتی، اس کی بھی تصحیح نہیں کرتے، اوّل تو مسلمان کو آخری پاؤ یاد ہونا چاہیئے، جس میں چھوٹی سورتیں ہیں، اتنا تو ہر مسلمان کو یاد ہونا چاہیئے اور اتنا نہ ہو تو چلو دس سورتیں یاد ہوں، الم ترکیف سے والناس تک۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

”اِنَّ الَّذِیْ لَیْسَ فِیْ جَوْفِہٖ شَیْءٌ مِّنَ الْقُرْاٰنِ کَالْبَیْتِ الْخَرِبِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۸۶، بحوالہ ترمذی و دارمی)

ترجمہ:... ”وہ شخص جس کے دِل میں قرآنِ کریم کا کچھ حصہ نہ ہو، وہ ایسا ہے جیسے ویران گھر۔“

گویا جس طرح مکان بغیر مکین کے بے آباد ہے، اسی طرح آدمی کا دِل بغیر قرآن کے ویران ہے۔ مشہور ہے کہ جس گھر میں کوئی نہ رہتا ہو بند پڑا ہوا ہو، وہاں جن بھوت رہنے لگتے ہیں، تو جس مؤمن کے دِل میں قرآنِ کریم نہ ہو تو اس میں جن بھوت رہیں گے، وہاں پھر شیاطین کا ڈیرہ ہوگا۔ تو میں نے کہا کہ کچھ نہ کچھ حصہ تو ہر مسلمان کو یاد ہوتا ہے اور ہونا چاہئے۔

تلاوتِ قرآن کی مقدار:

قرآنِ کریم کی تلاوت کے معاملے میں بھی لوگوں کے درجات مختلف ہیں، اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندے ایسے ہوئے ہیں (بے شمار) جن کا معمول دس پارے روزانہ قرآنِ کرم کی تلاوت تھا، تین دن میں ان کا قرآنِ کریم ختم ہوتا تھا، اور اس سے زیادہ تعداد ان حضرات کی جو فمی بشوق پڑھتے تھے، قرآنِ کریم کی سات منزلیں ہوتی ہیں، آپ نے دیکھی ہوں گی، پہلی منزل سورۃ الفاتحہ سے، دُوسری منزل سورۃ المائدہ سے، تیسری منزل سورۂ یونس سے، چوتھی منزل بنی اسرائیل سے، اور پانچویں منزل شعراء سے، چھٹی منزل والصافات سے، اور ساتویں منزل سورۂ قٓ سے۔ ان ساتوں کا مجموعہ ہوگیا فمی بشوق، تو بہت سے اللہ کے بندے ایسے ہوتے تھے جو فمی بشوق کے ساتھ تلاوت کرتے تھے، یعنی روز کی ایک منزل، سات یوم میں ایک قرآن ختم، جمعہ کو شروع کیا تو جمعرات کو ختم، ہفتے کو شروع کیا تو جمعہ کو ختم، اور اس سے نیچے

یہ کہ دس دن میں قرآنِ کریم ختم ہو کہ تین پارے روزانہ پڑھیں، یہ حافظوں کی منزل ہے، عام کمزور حافظوں کی، ساتویں دن قرآن ختم نہ ہو تو دس دن میں تو ہو کہ ایک مہینے کے تین قرآن ہو جائیں۔ اور اس سے کم درجہ یہ ہے کہ ایک پارہ روزانہ پڑھیں، یہ عام مسلمانوں کے لئے ہے کہ روزانہ کا ایک پارہ قرآنِ کریم کا معمول ہو، جس طرح کھانا کھانا روزانہ کا معمول ہے، اسی طرح روزانہ ایک پارہ قرآنِ کریم کی تلاوت کا بھی معمول ہونا چاہئے، ایک مہینے کے بعد قرآنِ کریم ختم۔ اس طرح اکابر فرماتے تھے کہ چاند کی جو تاریخ ہو وہی تمہارے پارے کی تلاوت ہو، کہ تم سے کوئی پوچھے کہ: ''آج تم نے کون سا پارہ پڑھا ہے؟'' تو تم کہو کہ میں نے ۲۲واں پارہ پڑھا ہے، آج ۲۲/تاریخ ہے، اگر ۲۹ کا چاند ہوگیا تو مہینے کے ختم پر آخری دن ایک پارہ اور پڑھ لو، پہلی تاریخ کو پہلا پارہ شروع کرو، اس سے کم درجہ نہیں ہونا چاہئے، لیکن کچھ لوگ وہ بھی ہیں جن کا اس سے بھی کم درجہ ہے کہ کبھی پڑھ لیا اور کبھی نہیں پڑھا، کبھی آدھا پاؤ، کبھی ایک پاؤ، کبھی ایک رُکوع، البتہ رمضان المبارک میں کچھ لوگ زیادہ پڑھ لیتے ہیں، لیکن بعض ایسے نیک بخت ہیں کہ رمضان المبارک میں بھی قرآنِ کریم ختم نہیں کرتے، تھوڑا بہت پڑھ لیتے ہیں۔ تو میں نے کہا کہ قرآنِ کریم کے ساتھ سب مسلمانوں کو محبت تو ہے، کوئی مسلمان ایسا نہیں کہ جس کے دِل میں قرآنِ کریم کی عظمت نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے دِل میں قرآنِ کریم کی محبت نہ ہو، قرآنِ کریم سے تعلق نہ ہو، کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کو کچھ تھوڑا بہت بھی یاد نہیں، لیکن پھر محبت کی مختلف منزلیں ہیں۔ ہمارے اِمام ابوحنیفہؒ رمضان المبارک میں اِکسٹھ قرآن پڑھتے تھے، ایک قرآن دن کا، ایک رات کا، اور ایک تراویح کا، اور یہی معمول اِمام شافعیؒ سے نقل کیا گیا ہے، اور یہی معمول اِمام بخاریؒ سے منقول ہے، سالہا سال تک یہی معمول ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ کا تھا، لیکن اِکسٹھ کا نہیں بلکہ تیس قرآن کا، ایک قرآن روزانہ۔ اور یہ معمول تو بہت سے اکابر کا رہا ہے کہ رمضان میں روزانہ کا ایک

قرآن۔ میرے بھائی! قیامت کے دن تمہارے درجے اسی سے متعین ہوں گے، جن کے اندر جو محبت چھپی ہوئی ہے، سو چھپی ہوئی ہے، اس کا تو کسی کو پتا چلتا نہیں، لیکن کتنی طاقتور محبت ہے، کتنے درجے کی محبت ہے، بھائی اس کا اندازہ تو ان کے اعمال سے ہوگا، یوں کسی کو تعلق نہ ہو اور کہے کہ مجھے بہت محبت ہے، اب محبت کا کوئی پتا نشان نہیں ہوتا، وہ تو دِل میں چھپی ہوتی ہے، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ اس محبت کا مظاہرہ کیسے ہوتا ہے؟

بچوں کی تعلیمِ قرآن کی ضرورت و اہمیت:

اور اسی محبت کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا تم اپنے بچوں کو قرآنِ کریم پڑھاتے ہو؟ ماں باپ جاہل سے جاہل بھی ہوں، اَن پڑھ ہوں، ان کی کم سے کم یہ خواہش ضرور ہوتی ہے کہ ہمارا بیٹا اتنا پڑھ لکھ جائے کہ ڈپٹی کمشنر بن جائے، تعلیم دِلانے میں ہر ماں باپ کی خواہش ہوتی ہے کہ ان کے بچے پڑھ لکھ جائیں، اس لئے پڑھنے والوں کی تعداد کافی بڑھ رہی ہے، لیکن قرآن پڑھنے والوں کی تعداد اسکولوں اور کالجوں میں پڑھنے والوں کے مقابلے میں کتنی ہے؟ یا دُوسرے لفظوں میں یہ کہہ لو کہ ماں باپ اپنے بچوں کو دُوسری تعلیم کے بجائے قرآنِ کریم کتنا پڑھاتے ہیں؟ اس میں لوگوں کے کئی درجات ہیں، بعض لوگ ایسے ہیں کہ جو بچوں کو باقاعدہ قاری صاحب سے صحیح قرآنِ کریم پڑھواتے ہیں، بعض وہ ہیں جن کے بچوں کو گھر میں عورتیں تھوڑا بہت پڑھا دیتی ہیں اور بس۔ اور یہ جو بڑے اُونچے خاندان کے لوگ ہیں، ان میں یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرآنِ کریم پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے، اپنے آپ ہی آجاتا ہے۔ یہ تمہارے یہاں اس وقت جتنے بڑے بڑے جج ہیں، بڑے بڑے وکلاء ہیں، اللہ مجھے بدگمانی سے بچائے، ان میں سے شاید ایک بھی صحیح قرآن نہیں پڑھ سکتا ہوگا، نہ پڑھتا ہوگا۔ مشکل ہے کہ جج صاحب کا روزانہ کا معمول قرآنِ کریم کی تلاوت ہو، جج صاحب نے صحیح قرآن پڑھا ہو، مشکل ہے۔ ہاں! کوئی غریب خاندان کا لڑکا ہو، اس

کے والدین نے اس کو پڑھادیا تو وہ دُوسری بات ہے، وہ بھی بڑا آدمی بن سکتا ہے، لیکن یہ جو لوگ اُونچے اُونچے گھرانوں والے یا یہ بڑی بڑی کوٹھیوں والے ... اِلَّا ماشاء اللہ... اس طرف سے غافل ہیں، البتہ اب کچھ رواج دیکھا کراچی میں کہ اِدھر اُدھر سے کسی مؤذِّن وغیرہ کو ٹیوشن پر رکھ لیتے ہیں کہ وہ بچوں کو ایک گھنٹہ آدھ گھنٹہ روزانہ پڑھایا کرے، ان کے بچے جاکر مسجد کی پُرانی چٹائیوں پر بیٹھیں، یہ ان کے لئے عار کی بات ہے، عزّت کی بات نہیں، اس لئے بچوں کو مسجد بھیجنا گوارا نہیں کرتے۔ اُمراء کی نسبت جو نیچے طبقے کے لوگ ہیں ان کو قرآنِ کریم سے زیادہ تعلق ہے، لیکن اتنا تعلق پھر بھی نہیں جتنا ہونا چاہئے، یہ بچوں کو بس اتنا کردیتے ہیں کہ مسجد میں بٹھادیا، تھوڑا بہت انہوں نے پڑھ لیا، باقی اسکول کی تعلیم، اور اگر کہا جائے کہ قرآنِ کریم کے حفظ کے لئے اپنے بچوں کو فارغ کردو تو ان کا خیال یہ ہوتا ہے کہ اتنے سال بچے کے ضائع ہوجائیں گے۔ حالانکہ ضائع ہوتے نہیں، اگر قاری صاحب ٹھیک پڑھانے والے ہوں تو ذہین بچہ دوتین سال میں قرآن یاد کرلیتا ہے، اور میرے جیسا کوئی کمزور ہو تو وہ پانچ چھ سال لے ڈُوبتا ہے۔ اور ادھر تم جو پرائمری تک پڑھاتے ہو اس میں بھی اتنا ہی وقت لگتا ہے، قرآنِ کریم جس بچے نے حفظ کرلیا اس کو لے جاکر چھٹی جماعت میں داخل کردو، بڑی آسانی کے ساتھ چلے گا۔ وقت تو ضائع نہ ہوا، کیوں بھئی! چھٹی جماعت تک پہنچنے کے لئے پانچ جماعتوں میں پانچ سال تو اس کو لگیں گے نا، اب پانچ سال کے لئے تم نے بچے کو قاری صاحب کے حوالے کردیا اور بچے نے قرآنِ کریم حفظ کرلیا تو چھٹی میں اس کو داخل کرادو، اس کا کیا ضائع ہوا؟ اور اگر اس سے آدھے سال کا فرق پڑ بھی جائے تو قرآنِ کریم جس بچے نے حفظ کیا ہوگا وہ ایسا چلے گا کہ دُوسرے بچے اس کا مقابلہ نہیں کرسکیں گے، پھر بھی خسارہ نہ ہوا، لیکن بہت سے نیک بخت ایسے ہیں جو یہ سمجھتے ہیں کہ بچے نے اگر قرآنِ کریم پڑھ لیا تو اس کے اتنے سال ضائع ہوگئے۔

تلاوتِ قرآن کا ثواب:

اور بہت سے لوگوں نے دِل میں یہ بٹھالیا ہے کہ قرآنِ کریم سمجھا نہ جائے تو طوطے کی طرح رٹنے سے کیا فائدہ؟ قرآن کو سمجھ کر پڑھنا چاہئے۔ میرا بھائی! قرآنِ کریم کے الفاظ کو زبان سے ادا کرنا مستقل عبادت ہے، میں نے ابھی کہا کہ قرآنِ کریم میں ''فرعون'' یا ''شیطان'' کا لفظ آیا، اس کے پڑھنے پر پچاس نیکیاں ملتی ہیں، تو قرآنِ کریم کے الفاظ کو دُہرانا، اپنی زبان سے ادا کرنا، یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ قرآنِ کریم کا صحیح مطلب سمجھنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ اور سمجھ کر اس پر عمل کرنا یہ ایک مستقل عبادت ہے۔ یہ تین عبادتیں الگ الگ ہیں۔ ان لوگوں کے دِل میں چونکہ قرآنِ کریم کی پوری عظمت نہیں بیٹھی، اس لئے انہوں نے اس کو بھی انگریزی کی کتاب کی طرح سمجھ لیا کہ جس طرح اس کو سمجھ کر نہ پڑھے رَٹتا رہے تو کیا فائدہ؟ بالکل صحیح کہتے ہیں، انگریزی قانون کی کتاب تو اس نے رَٹ لی، مگر جب تک معنی نہ سمجھے گا قانون کو نہیں جان سکتا، جب قانون ہی نہ جان سکا تو نہ وکیل بن سکتا ہے اور نہ کسی عدالت کا جج۔ کتاب کا رَٹنا محض بیکار اور ضائع گیا، کیونکہ انگریزی کی کتاب کے الفاظ سے کوئی عبادت متعلق نہیں، یہاں الفاظ مقصود ہی نہیں بلکہ مقصود معنی ہیں۔

ادھر قرآنِ کریم کے معنی بھی مقصود ہیں، الفاظ بھی مقصود۔ معنی کو سمجھنا بھی عبادت اور الفاظ کو زبان پر جاری کرنا بھی عبادت، اس کو یاد کرنا بھی مستقل عبادت، تو ان غریبوں نے قرآنِ کریم کو بھی انگریزی کی کتاب پر قیاس کرلیا، یہ کہتے ہیں کہ طوطے کی طرح رَٹنے سے کیا فائدہ؟

میں تمہیں ایک مثال سمجھاتا ہوں، ایک بچہ تم نے قاری صاحب کے پاس بٹھایا قرآنِ کریم حفظ کرنے کے لئے، اب وہ ایک آیت کو سو مرتبہ تو ضرور پڑھے گا،

اور یہ بات یاد رکھو کہ جتنی بار پڑھے گا اتنا ہی ایک ایک حرف پر دس نیکیاں اس کو ملیں گی۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کوئی شخص اگر اس آیت کو پڑھتا ہے، بار بار رَٹتا ہے، تو ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' میں جتنے حرف ہیں اس کی مقدار اس کو دس دس نیکیاں بھی ملیں گی، اور جتنی مرتبہ دُہرائے گا اتنی ہی نیکیاں ملیں گی۔

اور ایک مسئلہ اور یاد رکھو! وہ یہ کہ جب تک بچہ نابالغ ہوتا ہے اس کے عمل کا کھاتا الگ نہیں کھلتا، اس کا نامۂ عمل شروع نہیں ہوتا، ہر ایک کا نامۂ عمل ہوتا ہے نا! جب تک بچہ نابالغ ہے تو اس کا نامۂ عمل اپنا شروع نہیں ہوتا، کیونکہ گناہ اس کے ذمے لکھے نہیں جاتے اور جو نیک کام کرتا ہے، ساری کی ساری نیکیاں اس کے والدین کے کھاتے میں لکھی جاتی ہیں، تمہارے بچے نے پندرہ سال کی عمر تک (یعنی بالغ ہونے تک) جتنے الفاظ قرآنِ کریم کے پڑھے، جتنی مرتبہ پڑھا، وہ ساری کی ساری نیکیاں تمہارے نامۂ اعمال میں لکھ دی جائیں گی، تم ہمیں بتاتے ہو کہ طوطے کی طرح رَٹنے کا کوئی فائدہ نہیں۔

کشفِ قبور کا سبق آموز واقعہ:

حافظ سیوطی رحمہ اللہ نے ''شرح الصدور'' میں یہ قصہ نقل کیا ہے، اور میں نے بہت سے دوستوں کو سنایا، قصہ یوں ہے کہ ایک بزرگ چلے جارہے تھے، قبرستان کے پاس سے گزرے تو ان کو کشف ہوا۔ ''کشف'' کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ جیسے ہمارے سامنے یہ دیوار ہے، اگر دیوار ہٹادی جائے تو اُدھر اُس طرف کی چیز ہمیں نظر آنے لگتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اس عالم اور دُوسرے عالم کے درمیان میں ایک آڑ بنا رکھی ہے، کبھی کبھی پردہ ہٹا کر دِکھا دیتے ہیں، قبر میں میّت کا حال نظر آجاتا ہے، تو اس کو ''کشف'' کہتے ہیں، اور یہ برحق ہے۔ تو وہ بزرگ چلے جارہے تھے، ان کو

کشف ہوا یعنی قبرستان والوں کی حالت ان پر کھلی، تو ایسا محسوس ہوا کہ قبرستان میں بہت ساری کھیلیں (مکئی جب بھونتے ہیں تو کھیلیں بن جاتی ہیں) بکھری ہوئی ہیں، اور مُردے ان کو چن رہے ہیں، یعنی قبرستان والے ان کو چن رہے ہیں، اور ان میں ایک آدمی کرسی کے اُوپر بڑے ٹھاٹھ سے بیٹھا ہے، یہ بزرگ اس کرسی نشین سے پوچھتے ہیں کہ: بھائی! یہ کیا ماجرا ہے؟ یہ لوگ کیا چن رہے ہیں؟ تو اس شخص نے جواب دیا کہ: مسلمان اپنے بزرگوں کے لئے جو اِیصالِ ثواب کرتے ہیں، دُعا و اِستغفار کرتے ہیں، وہ ساری کی ساری تقسیم ہوجاتی ہے، اور یہ کھیلوں کی شکل میں اس سے اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، التحیات میں پڑھتے ہو نا:

”رَبَّنَا اغۡفِرۡ لِیۡ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلۡمُؤۡمِنِیۡنَ یَوۡمَ یَقُوۡمُ الۡحِسَابُ۔“

ترجمہ:... ”اے پروردگار! میری بخشش کردے اور میرے والدین کی بخشش فرمادے، اور تمام ایمان والوں کی بخشش فرمادے، جس دن قیامت قائم ہو اور جس دن حساب قائم ہو۔“

تو ہر ایک مسلمان کو اس کا حصہ ملتا ہے، یہ ایک مثال میں نے دی ہے، تو یہ وہ دُعا اور اِستغفار ہے جو مسلمان اپنے مرحومین کے لئے، مسلمان بھائیوں کے لئے کرتے رہتے ہیں، ہر ایک کو حصہ تقسیم کردیا جاتا ہے، اور وہ اپنا اپنا حصہ لے لیتے ہیں، گویا کہ یہ مٹھائی کی ڈلیاں ہیں جو یہ لوگ چن رہے ہیں۔ اس بزرگ نے پوچھا کہ: بھائی! تم کیوں نہیں چن رہے ہو؟ تو وہ شخص کہنے لگا کہ: بات یہ ہے کہ میں دولت مند ہوں اور یہ بے چارے فقیر ہیں، مجھے ضرورت نہیں ہے، میں سیٹھ ہوں۔ بزرگ نے پوچھا کہ: بھائی کیسے سیٹھ ہو؟ کہا کہ: میرا بیٹا حافظِ قرآن ہے، روزانہ ایک

قرآن پڑھ کر مجھے ایصالِ ثواب کرتا ہے، لہٰذا مجھے ان صدقات و خیرات کی کیا ضرورت ہے، میرا تو وظیفہ لگا ہوا ہے۔ بزرگ نے پوچھا کہ: تمہارا بیٹا کون ہے؟ کیا نام ہے؟ کہا: فلاں شہر میں اس کی دُکان ہے، اس کا نام یہ ہے، تم دیکھوگے کہ وہ لوگوں کو سودا تول تول کر دے رہا ہے، مگر زبان اس کی چلتی رہتی ہے، ہر وقت قرآن مجید پڑھتا رہتا ہے، کسی سے بات نہیں کرتا۔ یہ بزرگ فرماتے ہیں کہ: میں وہاں گیا، اس دُکان پر پہنچا، واقعی دیکھا کہ ایک صاحب ہیں، زبان ان کی مسلسل چل رہی ہے، قرآن شریف پڑھ رہے ہیں، جب کوئی شخص کچھ سودا مانگتا ہے تو وہ تول کر اسے دے دیتے ہیں جو پیسے لینے یا دینے ہوتے ہیں یا لیتے دیتے ہیں، شاید درمیان میں بات بھی کرلیتے ہوں گے، میں نے قریب جاکر پوچھا کہ: کیا آپ کا یہ نام ہے؟ کہنے لگے: ہاں! میں نے پوچھا کہ: آپ اپنے والد کو روزانہ ایک قرآن پڑھ کر بخشتے ہیں؟ کہنے لگے: ہاں! پھر پوچھنے لگے: آپ کو کیسے پتا چلا؟ میں نے کہا کہ تمہارے والد نے بتایا ہے اور وہ کشف کا واقعہ ذکر کیا۔ اس نے کہا: صحیح ہے، یہی میرا نام ہے اور میں حافظِ قرآن ہوں، اور روزانہ ایک قرآن ختم کرتا ہوں۔ اتنا پکا تھا حافظ قرآن کا، کچھ عرصے کے بعد یعنی سال دو سال کے بعد وہ بزرگ پھر وہیں سے جارہے تھے، پھر وہی منظر سامنے آگیا، اب دیکھا کہ وہ کرسی والا شخص بھی دُوسروں کے ساتھ چننے میں مصروف ہے، بزرگ نے پوچھا: اب آپ بھی ان کے ساتھ چن رہے ہیں؟ تو وہ کہنے لگا کہ: میرا وظیفہ ختم ہوگیا ہے، میری پنشن بند ہوگئی، اس لئے کہ میرے بیٹے کا انتقال ہوگیا۔

تو ایک تمہارے بچے جو حفظ کریں گے جب تک وہ نابالغ ہیں ان کا اپنا نامۂ عمل نہیں، ان کا اپنا کھاتا نہیں، وہ تمہارے کھاتے میں لکھا جائے گا، اور پھر تمہارے مرنے کے بعد وہ پڑھیں گے، وہ تمہاری پنشن بن جائے گی۔ لیکن مسلمانوں

کے دِل میں اس کی قیمت نہیں ہے، لہٰذا اس میں بھی لوگ مختلف ہیں، کسی نے ناظرہ قرآن پڑھوایا وہ بہت ہے، کسی نے تھوڑا بہت پڑھوایا، اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں جو حفظ میں ڈال دیتے ہیں، یوں کہہ لو کہ کچھ لڑکوں کو تم نے دُنیا کے لئے پڑھایا اور ایک کو اپنی آخرت اور اپنی قبر کے لئے پڑھادو۔

خوش قسمت لوگ:

اور کچھ اللہ کے بندے ایسے ہیں کہ ان کا ہر ایک بیٹا حافظِ قرآن ہے، یہ ہمارے ہاں صدیقی صاحب انگلینڈ سے آتے ہیں، احسن صاحب کے ماموں ہیں، مجھ سے محبت کرتے ہیں، وہ بتلاتے ہیں کہ ہم سات بھائی ہیں، ساتوں کو ہمارے والد صاحب نے حافظ بننے کے لئے بٹھایا، پھر ساتوں کو دارالعلوم دیوبند میں عالم بننے کے لئے بٹھایا۔ ہمارے شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ ہمارے کاندھلے میں (حضرتِ شیخ کا قصبہ کاندھلہ تھا) ہمارے شیخ حضرت مولانا محمد زکریا مہاجرِ مدنی نوّر اللہ مرقدہٗ جن کی تبلیغی کتابیں ہر مسجد میں پڑھتے ہیں، فرماتے ہیں کہ کاندھلے کی ہماری آبائی مسجد میں پوری صف حافظوں کی ہوتی تھی، ایک بے چارہ مؤذّن تھا جس کو قرآن مجید یاد نہیں تھا، اس کو ہم کہا کرتے تھے کہ تو نے گنوادیا حفظ نہیں کیا، نہیں تو ساری کی ساری حافظوں کی صف تھی۔

میرے والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ، اللہ تعالیٰ ان کو غریقِ رحمت فرمائے (آمین) ان کو رمضان المبارک میں قرآن مجید سننے کا اہتمام تھا، ادھر گھر میں تو کیا اِردگرد بھی کوئی حافظ نہیں تھا، رمضان المبارک آتا تو ہم لوگ حافظوں کو ڈھونڈنے کے لئے نکلتے، کسی کی داڑھی نہیں ہے، کوئی پیسے لیتا ہے، کوئی غلط پڑھتا ہے، یعنی مجہول پڑھتا ہے، بڑی پریشانی ہوتی تھی۔ میرے والد ماجدؒ ہمیشہ فرماتے: ’’مولوی صاحب! تم نے ہی یاد کرلیا ہوتا!‘‘ اللہ نے ان کی دُعا کی برکت سے مجھے بھی یاد کرادیا اور ان

کی توجہ کی برکت سے خاندان میں الحمدللہ! ان کی اولاد میں پچیّس حافظ ہیں۔ تھوڑا تھوڑا بھی بخشیں تو ان کا کام بن جائے گا، الحمدللہ، الحمدللہ!

حضرت مولانا احمد علی لاہوریؒ تقریر میں فرمایا کرتے تھے کہ: میرے اتنے دوست ہیں، اگر کسی کی ماں کے چار بیٹے ہوں، ہر ایک تھوڑا تھوڑا ٹکڑا چھوڑ دے تو ماں کا پیٹ بھر جاتا ہے، تم میرے اتنے دوست ہو، تھوڑا تھوڑا بھی بخش دوگے تو اِن شاء اللہ کام چل جائے گا۔ یہ اِمام الاولیاء فرماتے تھے، ہاں اِمام الاولیاء! یہ ہم سمجھتے ہیں کہ ہمیں آخرت کی ضرورت نہیں ہے، وہاں جاکر پتا چلے گا کہ اس کی کتنی ضرورت ہے؟ دُنیا سے زیادہ ضرورت تھی یہاں کی، تو بھئی اللہ تعالیٰ ہم سب کو نصیب فرمائے، اپنی کتاب کا تعلق نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی محبت نصیب فرمائے، اپنی کتاب کی عظمت نصیب فرمائے، اس کی تلاوت ہمیں نصیب فرمائے اور اس کا فہم ہمیں نصیب فرمائے۔

دُعاختمِ قرآن:

آخر میں ختمِ قرآن کی دُعا کا ترجمہ کرتا ہوں، یہ دُعا قرآن کے آخر میں سورۃ الناس کے بعد لکھی ہوتی ہے، وہ دُعا یہ ہے:

”اَللّٰھُمَّ اٰنِسْ وَحْشَتِیْ فِیْ قَبْرِیْ“

ترجمہ:... ”اے اللہ! میری قبر میں وحشت کو اُنس سے تبدیل کردے۔“

”وحشت“ کہتے ہیں کہ کوئی پاس نہیں ہے، اکیلا تنہا ہے، اکیلا حیران پریشان ہے، یا اللہ! قبر کی تنہائی کو اور وحشت کو اُنس سے بدل دے، کہ کوئی دوست احباب وہاں بھی بات چیت کرنے والے ہوں، یہاں سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ اللہ والے وہاں اکیلے نہیں رہتے، وہاں بھی ان کے ساتھ بہت سے لوگ ہوتے ہیں۔

”اَللّٰھُمَّ ارْحَمْنِیْ بِالْقُرْاٰنِ الْعَظِیْمِ“

ترجمہ:...”یا اللہ! مجھ پر رحم فرما عظمت والے قرآنِ کریم کے ذریعے سے۔“

”وَاجْعَلْهُ لِیْ اِمَامًا وَّنُوْرًا وَّهُدًی وَّرَحْمَةً“

”یا اللہ! بنادے اس کو میرے لئے اِمام، (اِمام آگے ہوتا ہے، مقتدی پیچھے ہوتے ہیں، قرآن آگے آگے چلے اور ہم اس کے پیچھے پیچھے چلیں) اور اس کو ہمارے لئے نور بنادے اور اس کو ہمارے لئے ہدایت کا ذریعہ بنادے اور اس کو ہمارے لئے رحمت بنادے۔“

”اَللّٰھُمَّ ذَکِّرْنِیْ مِنْهُ مَا نَسِیْتُ وَعَلِّمْنِیْ مِنْهُ مَا جَھِلْتُ“

ترجمہ:...”یا اللہ! یاد کرادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں بھول گیا ہوں، اور سکھادے مجھے اس میں سے جو کچھ میں نہیں جانتا۔“

”وَارْزُقْنِیْ تِلَاوَتَهٗ اٰنَآءَ اللَّیْلِ وَاٰنَآءَ النَّھَارِ وَاجْعَلْهُ لِیْ حُجَّةً یَّا رَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔“

ترجمہ:...”اور مجھ کو نصیب فرما اس کی تلاوت دن کی گھڑیوں میں، اور رات کی گھڑیوں میں، (دن اور رات تلاوت کیا کروں، یہ نصیب فرما) اور بنادے اس کو میرے لئے حجت قیامت کے دن۔“

حدیث میں ہے کہ:

”وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ“

(مشکوٰۃ ص:۳۸)

ترجمہ:... ”قرآن حجت ہوگا تیرے لئے، یا تیرے خلاف۔“

یہ حدیث شریف کا ایک ٹکڑا ہے، پوری حدیث یہ ہے کہ:

”عَنْ اَبِیْ مَالِکٍ الْاَشْعَرِیِّ رَضِیَ اللهُ عَنْهُ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اَلطُّهُوْرُ شَطْرُ الْاِیْمَانِ، وَالْحَمْدُ ِللهِ تَمْلَأُ الْمِیْزَانَ، وَسُبْحَانَ اللهِ وَالْحَمْدُ ِللهِ تَمْلَاٰنِ اَوْ تَمْلَأُ مَا بَیْنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ، وَالصَّلٰوةُ نُوْرٌ، وَالصَّدَقَةُ بُرْهَانٌ، وَالصَّبْرُ ضِیَاءٌ، وَالْقُرْاٰنُ حُجَّةٌ لَّکَ اَوْ عَلَیْکَ، کُلُّ النَّاسِ یَغْدُوْ، فَبَائِعٌ نَفْسَهٗ فَمُعْتِقُهَا اَوْ مُوْبِقُهَا۔“ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۳۸)

ترجمہ:... ”حضرت ابو مالک اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پاک رہنا آدھا ایمان ہے، اور ”الحمدللہ“ کہنا اعمال کی ترازو کو بھر دیتا ہے، اور ”سبحان اللہ والحمدللہ“ بھر دیتے ہیں، یا فرمایا کہ: ہر کلمہ بھر دیتا ہے، آسمان و زمین کے درمیان کے خلا کو، اور نماز نور ہے، اور صدقہ (ایمان کی) دلیل ہے، اور صبر کرنا روشنی ہے، اور قرآن حجت ہے تیرے لئے یا تیرے اُوپر، ہر ایک شخص صبح کرتا ہے، پس بیچتا ہے اپنی جان کو، پس اس کو آزاد کرتا ہے یا اس کو ہلاک کرتا ہے۔“

حدیث شریف میں آتا ہے کہ یہ قرآنِ کریم تیرے لئے حجت بنے گا قیامت کے دن، یا تیرے خلاف حجت بنے گا۔ اب دُعا کرو کہ حق تعالیٰ شانہٗ اس دُعا کو ہم سب کے حق میں قبول فرمائے۔

تلاوتِ قرآن کی عادت ڈالنے کا طریقہ:

دیکھو! قرآنِ کریم کی تلاوت کیا کرو، میں نے درجے بیان کردیئے ہیں قرآن پاک کی تلاوت کے، اور میں نے کہا کہ سب سے آخری درجہ، کم سے کم یہ ہے کہ روزانہ ایک پارے کی تلاوت کی جائے، تو آخری درجے پر تو آجاؤ، پرائمری پاس ہو تو اس کو "تعلیم یافتہ" نہیں کہتے، تعلیم یافتہ کا لفظ بولا جاتا ہے میٹرک کے بعد، یعنی میٹرک کے بعد اس کو "تعلیم یافتہ" کہتے ہیں۔ جس نے دو چار جماعتیں پڑھی ہوں اس کو "تعلیم یافتہ" نہیں کہتے، ایک دو رُکوع اگر پڑھوگے تو قرآنِ کریم کی تلاوت کرنے والوں میں نام آئے گا، اپنا نام تبدیل کرواؤ، کم سے کم آخری درجے پر تو آجاؤ، شروع شروع میں چلو پرائمری ہی سہی، پرائمری کروگے تو میٹرک بھی کرلوگے، پہلے پرائمری کروگے، پھر مڈل کروگے، پھر میٹرک ہوگا، تو بھئی شروع شروع میں اگر زبان نہیں چلتی تو تھوڑا پڑھو، پاؤ آدھ پاؤ، لیکن پڑھتے جاؤ۔

تم دُنیا کے معاملات میں تو ترقی پر ترقی چاہتے ہو، لیکن آخرت کے معاملے میں، دِین کے معاملے میں، قبر کے معاملے میں، حشر کے معاملے میں، اتنی تو ترقی کرو کہ پہلی جماعت سے ہی شروع کرو، یعنی ایک دو رُکوع سے ہی شروع کرو، لیکن اس کو معمول بنالو، روزانہ کا، اپنی خوراک بنالو، قرآنِ کریم تمہاری خوراک بن جائے، اور پھر اس پر ترقی کرتے کرتے تمہارا نمبر یہاں تک آجائے کہ ایک پارے کی تلاوت تمہاری خوراک بن جائے، اور پھر اس سے آگے اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمادے۔

میرے والد ماجدؒ (اللہ تعالیٰ غریقِ رحمت فرمائے) حج کے لئے تشریف لے گئے تھے، مجھے بھی ساتھ لے گئے، مکہ مکرّمہ اور مدینہ منوّرہ میں ہمیں کافی روز ٹھہرنا پڑا، الحمدللہ پورے سفر میں چار مہینے لگ گئے، والد صاحب کا پورے سفر میں پندرہ پارے کا معمول تھا، ایک دن مجھ سے کہنے لگے کہ: "مولوی صاحب! کچھ سر میں درد رہتا ہے۔"

میں نے کہ: ''جی ذرا تلاوت تھوڑی کم کردیجئے!'' حفظ نہیں تھا، اور ایسے ہی پُرانے زمانے میں میاں جی سے پڑھا تھا، پورا صحیح بھی نہیں تھا، لیکن پندرہ پارے روزانہ کا معمول تھا، دُوسرے دن قرآنِ کریم ختم کرتے تھے، میرے کہنے پر پانچ پارے کم کردیئے اور روزانہ دس پارے کا معمول بنالیا تھا، یہ تو سفرِ حج کا معمول رہا اور رمضان المبارک میں روزانہ کا دس پارے کا معمول تھا۔

لہٰذا تم چاہو تو ترقی کرسکتے ہو، مگر تھوڑی ہمت کرو، دِل میں شوق پیدا کرو، اور جب یہ چاٹ لگ جائے گی تو اِن شاء اللہ! چھوٹے گی نہیں، اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔

وَصَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ
وَّاٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

حقوق اللہ

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملے میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے۔ پس اللہ کے معاملے میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملے میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ! میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کسل کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!“

”فَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی الْخُطْبَۃِ الَّتِیْ خَطَبَھَا فِیْ اَوَّلِ جُمُعَۃٍ صَلَّاھَا بِالْمَدِیْنَۃِ فِیْ سَالِمِ بْنِ عَوْفٍ: خُذُوْا بِحَظِّکُمْ وَلَا تُفْرِطُوْا فِیْ جَنْبِ اللّٰہِ، قَدْ عَلَّمَکُمُ اللّٰہُ کِتَابَہٗ، وَنَھَجَ لَکُمْ سَبِیْلَہٗ، لِیَعْلَمَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَیَعْلَمَ الْکَاذِبِیْنَ۔ فَاَحْسِنُوْا کَمَا اَحْسَنَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ، وَعَادُوْا اَعْدَائَہٗ، وَجَاھِدُوْا فِی اللّٰہِ حَقَّ جِھَادِہٖ، ھُوَ اجْتَبَاکُمْ وَسَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ، لِیَھْلِکَ مَنْ ھَلَکَ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَۃٍ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ“

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۲۹۶، البدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ:... ’’اپنا حصہ لے لو، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو، اس نے تمہیں اپنی کتاب کی تعلیم فرمادی ہے، اور تمہارے لئے اپنا راستہ واضح کردیا ہے، تاکہ وہ جان لے کہ کون سچے ہیں اور کون جھوٹے ہیں؟ پس تم احسان کرو جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر اِحسان کیا ہے، اور اس کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھو، اور اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ اس کے راستے میں جہاد کا حق ہے، اس نے تم کو چن لیا ہے، اور تمہارا نام مسلمان رکھا ہے، تاکہ جس کو ہلاک ہونا ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور جس کو زندگی حاصل کرنی ہے وہ دلیل کے واضح ہونے کے بعد جئے، اور نہیں ہے کوئی قوّت مگر اللہ تعالیٰ (کی توفیق) کے ساتھ۔‘‘

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پہلا خطبہ جمعہ ہے، اس خطبے میں پہلے ارشاد فرمایا تھا کہ: اللہ کا تقویٰ (اللہ سے ڈرنا) اس کی ناراضی سے بچاتا ہے، اس کے غصّے سے بچاتا ہے، اس کی سزا سے بچاتا ہے، اور اللہ سے ڈرنا چہروں کو سفید کرتا ہے، رَبّ کو راضی کرتا ہے، اور درجے کو بلند کرتا ہے۔

اس کے بعد وہ جملے ہیں جو میں نے اس وقت پڑھے ہیں، ان میں ارشاد فرمایا: ’’اپنا حصہ لو، اور اللہ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو۔‘‘ اپنا حصہ لو یعنی اعمال کا حصہ یہاں سے حاصل کرکے جاؤ، دُنیوی زندگی میں تمہارا حصہ جو تمہیں مرنے کے بعد کام آئے گا یہی اعمالِ صالحہ ہیں، اسی طرح جو مال تم نے رضائے اِلٰہی کے لئے اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کردیا وہ تمہارا حصہ ہے، لہٰذا جب دُنیا سے جاؤ تو یہاں سے اپنا حصہ وصول کرکے جاؤ۔

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو:

’’اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کوتاہی نہ کرو‘‘ قیامت کے دن کافر کہیں گے کہ:

’’یٰحَسۡرَتٰی عَلٰی مَا فَرَّطۡتُ فِیۡ جَنۡبِ اللّٰہِ وَاِنۡ کُنۡتُ لَمِنَ السّٰخِرِیۡنَ۔‘‘ (الزمر:۵۶)

ترجمہ:...’’ہائے میری حسرت! اس پر جو کوتاہی کی میں نے اللہ کے معاملے میں، اور بے شک میں تھا ہنسی کرنے والوں میں سے۔‘‘

پس اللہ کے معاملے میں کوتاہی نہ کی جائے، اور اس کے معاملے میں کسل یعنی سستی سے کام نہ لیا جائے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جہاں اور چیزوں سے پناہ مانگتے تھے، وہاں اس چیز سے بھی پناہ مانگتے تھے کہ یا اللہ! میں کسل سے تیری پناہ چاہتا ہوں۔ کسل کے معنی ہیں: اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرنے کے معاملے میں سستی کا برتاؤ کرنا، سستی سے کام لینا۔

ایمان و یقین لانے میں کوتاہی:

اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی کرنا، اس کی ایک صورت تو سب سے بڑی کفار میں پائی جاتی ہے، یعنی وہ اللہ تعالیٰ پر اِیمان نہیں لائے، اللہ تعالیٰ کے رسولوں پر، اللہ تعالیٰ کی کتابوں پر، اللہ تعالیٰ کے فرشتوں پر، اللہ تعالیٰ کے اَحکام پر اِیمان نہیں لائے۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ یہ چیز اللہ تعالیٰ نے ہمیں نصیب فرمادی، یعنی ایمان، یہ بہت بڑی دولت ہے اور اس نعمت پر اللہ تعالیٰ کا جتنا بھی شکر کیا جائے کم ہے، لیکن ایمان کے بھی مختلف درجات ہیں، ایمان، ایمان میں بھی فرق ہے، تو کوشش کرنی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ایمان کے درجات میں ترقی عطا فرمائے اور ہمیں کامل ترین ایمان نصیب فرمائے، آمین! محنت بھی کرنی چاہئے، دُعا بھی کرنی چاہئے۔

فرائض میں کوتاہی:

ایمان کے بعد دُوسرا درجہ اعمال کا ہے، اور اعمال میں سب سے اوّل فرائض کا درجہ ہے، نماز فرض ہے، روزہ فرض ہے، زکوٰۃ فرض ہے، اگر مالی و بدنی استطاعت ہے تو حج فرض ہے، اسی طرح جو حقوقِ واجبہ ہیں، ان کے ادا کرنے میں سستی نہ کی جائے۔

ہم سے جو فرائض و واجبات ادا کرنے میں غفلت ہوجاتی ہے، کوتاہی ہوجاتی ہے، یہ اس لئے ہوتی ہے کہ ہمیں ان فرائض و واجبات کی اہمیت کا اندازہ نہیں، اور ان کو ترک کرنے کے وبال کا احساس نہیں، اگر ہمیں معلوم ہو کہ ان فرائض میں کوتاہی کرنے سے ہمارا کتنا نقصان ہو رہا ہے تو ان کے بجالانے میں کبھی سستی نہ کریں، کبھی سستی نام کو بھی نہ آئے، اور بُرا ماحول بھی سستی پیدا کرتا ہے، اچھا خاصا دِین دار آدمی اگر بے دِین لوگوں میں چلا جائے، جن کو دِین کی پروا نہیں، تو یہ بھی ڈھیلا ہوجائے گا، اور ایک آدمی جو دِین کے اعتبار سے سست ہے، اگر اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے اور وہ کسی اچھی محفل میں چلا جائے، اچھے ماحول میں چلا جائے، وہاں اس کو کچھ وقت گزارنے کا موقع ملے تو اس کی سستی بھی کافور ہوجائے گی، ہمارے وہ نوجوان جو پانچ وقت کی نماز بھی نہیں پڑھتے، جب تبلیغ میں نکلتے ہیں تو تہجد بھی پڑھنے لگتے ہیں، اور چند دن میں تہجد گزار بن جاتے ہیں، اس لئے کہ ان کو مسجد کا پاکیزہ ماحول ملا ہے، اور معاشرے کے گندے ماحول سے ان کو نکلنے کا موقع ملا ہے، اس وقت تو ان کا ماحول محدود ہوتا ہے، شب و روز اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننا سنانا ہوتا ہے، ذکر ہے، تسبیح ہے، نماز ہے، دعوت ہے، الغرض! تبلیغ میں نکلنے کے بعد آدمی کو سراپا خیر کا ماحول مل جاتا ہے، اور آدمی کے مزاج پر اس ماحول کے اثرات پڑتے ہیں، اس لئے میں اپنے عزیز نوجوانوں کے لئے تبلیغ میں نکلنے کو

ضروری سمجھتا ہوں، تاکہ یہاں کے زہریلے ماحول نے ان کے مزاج میں جو زہریلے اثرات پیدا کردیئے ہیں، تبلیغ میں نکل کر ان کے مزاج کی اصلاح ہوجائے اور اس زہر کا تریاق مہیا ہوجائے۔

نیک اعمال میں کوتاہی:

اور تیسری قسم کی سستی یہ ہے کہ ان چیزوں میں کوتاہی جو فرض نہیں ہیں، واجب نہیں ہیں، فرائض اور واجبات کو تو آدمی ادا کرتا ہے، لیکن دُوسری جو عبادتیں ہیں نفلی، ان میں نفس کہتا ہے: ''چلو یہ چیز کوئی فرض تو نہیں، نہ کرو!'' لیکن قیامت کے دن معلوم ہوگا کہ ہم نے کتنی دولت کھودی، اور ہمارے نفس نے تساہل پسندی اور سستی سے کام لے کر کتنا خسارہ اُٹھایا، اس لئے اس معاملے میں بھی جہاں تک اپنے اِمکان میں ہو سستی نہ کی جائے، فرائض کے بعد نوافل ادا کرنے میں اور دُوسرے نیک کام کرنے میں، اگرچہ یہ چیز فرائض میں شامل نہیں، مگر آخرت کا ذخیرہ جمع کرنے کے لئے ضروری ہے۔

مرنے والے کی حسرت:

ایک حدیث میں ہے:

''قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا مِنْ اَحَدٍ یَّمُوْتُ اِلَّا نَدِمَ، قَالُوْا: وَمَا نَدَامَتُهٗ یَا رَسُوْلَ اللهِ؟ قَالَ: اِنْ کَانَ مُحْسِنًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ ازْدَادَ، وَاِنْ کَانَ سَیِّئًا نَدِمَ اَنْ لَّا یَکُوْنَ نَزَعَ۔'' (رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۴۸۴)

ترجمہ:... ''آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بھی مرتا ہے اس کو ندامت ضرور ہوتی ہے، (چاہے نیک ہو، چاہے بد ہو، اچھا ہو، یا بُرا ہو، پھر اس کی تشریح فرمائی کہ:)

نیک آدمی کو یہ حسرت ہوتی ہے کہ اس نے زیادہ سے زیادہ نیکیاں کیوں نہ جمع کرلیں؟ اور بُرے آدمی کو حسرت ہوتی ہے کہ وہ بُرائیوں سے کیوں باز نہ آیا؟ اور اس نے توبہ و اِستغفار سے تدارک کیوں نہ کرلیا؟''

الغرض! نیک آدمی کو بھی یہ حسرت ہوتی ہے، کیونکہ وہاں نیکیوں کا سکہ چلے گا، اب جس کی جیب میں جتنے پیسے ہیں، وہ اتنی ہی چیزیں خرید سکتا ہے، اور وہاں چیزیں بہت سستی ہیں، بہت سستی ملتی ہیں، لیکن جیب میں پیسے بھی تو ہوں، تو اس وقت آدمی للچائے گا اور اس کو یہ حسرت ہوگی کہ اے کاش! میں زیادہ سے زیادہ نیکیاں لے کر آتا تو آج زیادہ سے زیادہ یہاں کی چیزیں خرید سکتا۔ وہاں کی چیزیں کیا ہیں؟ جنت کے درجات! وہاں نیکیوں کے حساب سے درجات ملیں گے، اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نصیحت فرماتے ہیں کہ دُنیا سے اپنا نیکیوں کا حصہ لے کر جاؤ، اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں سستی اور کوتاہی نہ کرو۔

سچوں اور جھوٹوں کے درمیان امتیاز:

اس کے بعد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب تم کو سکھادی ہے، اور اپنے تک پہنچنے کا راستہ تمہارے سامنے کھول دیا ہے، ہدایت کو واضح کردیا ہے۔'' اب چلنا تمہارا کام ہے، اللہ تعالیٰ سے مدد مانگتے رہو اور چلتے رہو، اور یہ اللہ تعالیٰ نے اس لئے کیا ہے کہ ''تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کردے ان لوگوں کو جو سچے ہیں اور ظاہر کردے جھوٹوں کو'' سچے اور جھوٹے الگ الگ ہوجائیں، یہاں بھی اللہ تعالیٰ سچے اور جھوٹے کے درمیان فیصلہ کردیتے ہیں، لیکن اصل فیصلہ قیامت کے دن ہوگا، جب یہ اعلان ہوگا: ''وَامْتَازُوا الْيَوْمَ أَيُّهَا الْمُجْرِمُوْنَ'' (یٰسٓ:۵۹) (اے مجرمو! تم الگ ہوجاؤ)۔

نعوذ باللہ، ثم نعوذ باللہ، اللہ تعالیٰ پناہ میں رکھیں! جب حکم ہوگا کہ اے مجرمو الگ ہوجاؤ! مجرم فرماں برداروں سے الگ ہوجائیں گے، تو اس وقت سچے اور جھوٹے کے درمیان پورا اِمتیاز ہوجائے گا، حق تعالیٰ شانہٗ ہماری پردہ دری نہ فرمائے اور ہماری حالت پر رحم فرمائے، آمین!

مخلوق کے ساتھ انصاف کرو:

آگے فرمایا: ''تو تم بھی احسان کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے اِحسان کیا تم پر'' قرآنِ کریم میں قارون کی قوم کا یہ فقرہ نقل کیا ہے کہ قارون کو نصیحت کرتے ہوئے لوگوں نے یہ کہا: ''اس خزانے پر اِتراؤ نہیں، اللہ تعالیٰ اِترانے والوں کو پسند نہیں فرماتے، تم اپنے اس خزانے اور مال و دولت کے ذریعے آخرت کا گھر تلاش کرو، اور دُنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو۔'' دُنیا میں تمہارا اتنا حصہ ہے، دو روٹیاں کھالیں، کپڑا پہن لیا، رہنے کا مکان ہوٹوٹا پھوٹا، تمہاری جو بنیادی ضروریات ہیں، جن پر زندگی کا مدار ہے، یہی تمہاری ہیں اور بس، اس سے زیادہ تمہارا کچھ نہیں۔

حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

''یَقُوْلُ ابْنُ اٰدَمَ: مَالِیْ، مَالِیْ، قَالَ: وَهَلْ لَکَ یَا ابْنَ اٰدَمَ! اِلَّا مَا اَکَلْتَ فَأَفْنَیْتَ، أَوْ لَبِسْتَ فَأَبْلَیْتَ أَوْ تَصَدَّقْتَ فَأَمْضَیْتَ۔'' (مشکوٰۃ ص:۴۴۰)

ترجمہ:... ''آدم کا بیٹا کہتا ہے: میرا مال، میرا مال۔ آدم کے بیٹے! تیرا مال نہیں مگر وہ جو تو نے کھالیا، کھاکر ختم کردیا، پہن لیا، پہن کر بوسیدہ کردیا، یا صدقہ کرکے آگے بھیج دیا اور اپنے لئے ذخیرہ کردیا، (اس کے علاوہ جتنا مال ہے وہ تیرا نہیں ہے، تجھے غلط فہمی ہے، یہ تو دُوسروں کا ہے)۔''

تو قارون کی قوم اسے نصیحت کررہی ہے کہ جو مال اللہ تعالیٰ نے تجھے عطا

فرمایا ہے، اس سے آخرت خریدو، ایک بات، دُوسری بات یہ کہ دُنیا میں جتنا تمہارا حصہ ہے اس کو نہ بھولو کہ تمہارا حصہ بس اتنا ہی ہے، اس سے زیادہ نہیں ہے، اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے تم پر اِحسان کیا ہے تم بھی دُوسروں پر اِحسان کرو، اللہ تعالیٰ نے تمہیں دیا ہے تم دُوسروں کو دو، اور یہ نہ سمجھو کہ دُوسروں کو دوں گا تو میرے پاس کیا رہ جائے گا، اپنی ضرورت رکھ کر باقی دُوسروں کو دے دو۔

حضرت اسماء بنتِ ابی بکرؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کی بہن اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحب زادی ہیں، انہوں نے ایک مرتبہ خرچ کے سلسلے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھا کہ میں گھر میں صدقہ وغیرہ کرسکتی ہوں؟ فرمایا: ہاں کرسکتی ہو اور پھر فرمایا:

”وَلَا تُحصِیُ فَیُحصِی اللّٰہُ عَلَیکِ وَلَا تُوعِیُ فَیُوعِی اللّٰہُ عَلَیکِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۶۴)

ترجمہ:... ”اور گن گن کر نہ دیا کرو، ورنہ اللہ تعالیٰ بھی گن گن کر دیا کرے گا، اور بند کرکے نہ رکھا کر، ورنہ اللہ تعالیٰ تم پر بند کردے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے تمہیں اَن گنت دیا ہے، تم بھی اَن گنت دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو فیاضی سے دیا ہے، تم بھی فیاضی سے دو، اللہ تعالیٰ نے تم کو طاقت دی ہے، اس طاقت کو لوگوں کی بھلائی پر خرچ کرو، مال دیا ہے، مال کو خرچ کرو اللہ تعالیٰ کے بندوں کی بھلائی کے لئے۔ اسی طرح جتنی صلاحیتیں اور قوّتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں دی ہیں ان کو خلقِ خدا پر خرچ کرو اور ان پر رحم کرو۔ مشہور حدیث ہے:

”اَلْخَلقُ عِیَالُ اللّٰہِ فَاَحَبُّ الْخَلقِ اِلَی اللّٰہِ مَنْ اَحْسَنَ اِلٰی عِیَالِہٖ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۲۵)

ترجمہ:... ”مخلوق اللہ تعالیٰ کا کنبہ ہے، پس اللہ تعالیٰ کو اپنی مخلوق میں سب سے زیادہ محبوب وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے کنبے کے ساتھ سب سے زیادہ حسنِ سلوک کرنے والا ہو۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

”اَلرَّاحِمُوْنَ یَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، اِرْحَمُوْا مَنْ فِی الْاَرْضِ یَرْحَمُکُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۴۲۳)

ترجمہ:... ”رحم کرنے والوں پر رحمٰن رحم کرتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو، آسمان والا تم پر رحم کرے گا۔“

تم زمین والوں کے ساتھ حسنِ سلوک کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ حسنِ سلوک کرے گا۔

اللہ کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھو:

اس کے بعد فرمایا: ”وَعَادُوْا اَعْدَائَهٗ“ اور اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھو۔ اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے محبت رکھو، اگر اللہ تعالیٰ کے دوستوں سے دوستی نہیں تو تمہیں پاسِ محبت نہیں، اور اگر اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں سے دُشمنی نہیں تو پاسِ غیرت نہیں ہے، اور یہ دونوں علامتیں ہیں ضعفِ ایمان کی اور اللہ تعالیٰ سے کمزور تعلق کی۔ ایک حدیث میں ہے:

”مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ، وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ، وَاَعْطٰی لِلّٰهِ، وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۱۴)

ترجمہ:... ”جس نے محبت کی اللہ کے لئے، اور دُشمنی کی اللہ کے لئے، اور جس نے دیا اللہ کے لئے، اور نہ دیا اللہ کے لئے، اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا۔“

ایک اور حدیث میں فرمایا کہ:

''اِنَّ اَحَبَّ الْأَعْمَالِ اِلَی اللهِ تَعَالٰی اَلْحُبُّ فِی اللهِ وَالْبُغْضُ فِی اللهِ۔'' (رواہ احمد، مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ:... ''اللہ تعالیٰ کو سب اعمال میں سب زیادہ محبوب عمل ہے اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے محبت رکھنا، اور اللہ تعالیٰ کی خاطر کسی سے بغض رکھنا۔''

افسوس ہے کہ ہمارے یہاں یہ چیز مفقود ہے، کیونکہ ہمارا رابطہ اللہ تعالیٰ سے مفقود ہے یا کمزور ہے، جب کہا جاتا ہے کہ: فلاں قسم کے لوگوں کے ساتھ لین دین نہ کرو، تو کہتے ہیں کہ: ''کافروں کے ساتھ بھی تو لین دین کی اجازت ہے!''، جب کہا جاتا ہے کہ: ان لوگوں کو جو دِینِ اسلام کے باغی ہیں، اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دُشمن ہیں، مثلاً: مرزائی، ان کو اپنی تقریبات میں نہ بلاؤ اور خود ان کی تقریبات میں نہ جاؤ، تو آپ لوگ بہانہ بنالیتے ہیں، اور میں ویسے بھی آپ لوگوں کو جیل تو نہیں بھجوادُوں گا، (میرے سامنے بہانے بنانے کی کیا ضرورت ہے؟) لیکن اگر کل اللہ تعالیٰ نے یہ سوال کرلیا کہ میرے دُشمنوں سے تعلق کیوں رکھا تھا؟ تو پھر کیا جواب ہوگا؟ وہ جواب سوچ کر لے جایئے...!

غرضیکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''عَادُوْا اَعْدَائَہٗ'' اللہ تعالیٰ کے دُشمنوں سے دُشمنی رکھو۔

اللہ کے دُشمنوں سے دوستی رکھتے ہو، اور تمہیں معلوم ہے کہ دُشمن سے دوستی رکھنے والا دُشمن ہوتا ہے، اور دُشمن کا دُشمن دوست ہوتا ہے، گویا تم اللہ کے دُشمنوں سے دوستی کرکے اللہ تعالیٰ سے اپنی دُشمنی کا اعلان کرتے ہو، تم اپنے دُنیاوی تعلقات میں ایسے لوگوں سے تو قطع تعلق کرلیتے ہو جو تمہارے دُشمنوں سے دوستی رکھتے ہوں، تم ان کے یہاں نہیں جاتے، کیونکہ وہ فلاں فلاں آدمی سے تعلق رکھتا ہے جس کے ساتھ

تمہارے تعلقات کشیدہ ہیں، تمہاری انا اس کو برداشت نہیں کرتی کہ تم اپنے دُشمنوں کے ساتھ تعلق رکھنے والوں سے تعلق رکھو، تو ذرا سوچو کہ اللہ تعالیٰ کی غیرت اس چیز کو کیسے برداشت کرے گی کہ تم اس کے دُشمنوں سے تعلق رکھو...؟

اللہ کے راستے میں جہاد کرو:

آگے ارشاد فرمایا کہ: ''وَجَاهِدُوْا فِي اللهِ حَقَّ جِهَادِهٖ'' اللہ تعالیٰ کے راستے میں جہاد کرو، جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا۔

اس کے راستے میں جہاد کرنے کا کیا حق ہے؟ کہ جان کا نذرانہ پیش کرنے کی ضرورت ہو تو جان ہتھیلی پر رکھ کر پیش کردو، اور کہو کہ:

جان دی، دی ہوئی اسی کی تھی
حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

ایک جہاد میں دو صحابی گئے، ایک کہنے لگے کہ میں دُعا کرتا ہوں تم آمین کہو، اور تم دُعا کرو تو میں آمین کہوں گا۔ ایک نے ہاتھ اُٹھائے اور دُعا کی کہ: ''یا اللہ! کل کافروں سے مقابلہ ہونے والا ہے، میرے مقابلے میں بڑا سا کافر آئے، جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سخت دُشمن ہو، میرا اس سے سخت مقابلہ ہو، پھر مجھے اس پر فتح نصیب فرمائیں، اس کو قتل کردوں۔'' دُوسرے نے کہا: آمین! اب دُوسرے نے ہاتھ اُٹھائے اور کہا کہ: ''یا اللہ! کل مقابلہ ہونے والا ہے، پہلے میں کافروں کو قتل کروں، اس کے بعد مجھ کو جامِ شہادت نصیب فرما، میں تیرے راستے میں شہید ہوجاؤں، جب آپ قیامت کے دن مجھ سے پوچھیں کہ: تجھے کیوں زخمی کیا گیا؟ کیوں قتل کیا گیا؟ کیوں تیرے تلوار ماری گئی، کیوں تجھے نیزہ لگایا گیا؟ تو میں کہوں: یا اللہ! یہ آپ کی خاطر کیا گیا ہے، صرف آپ کی خاطر، آپ کے نام کے لئے۔'' جیسے حضرت مرزا جانِ جاناں قدس سرہٗ نے اپنے احباب سے فرمایا تھا کہ: ہماری قبر پر یہ شعر لکھ دینا:

بہ لوح تربت ما یافتند از غیب تحریرے
کہ ایں مقتول را جز بے گناہی نیست تقصیرے

ترجمہ:... ”ہماری تربت کی لوح پر لوگوں کو غیب سے یہ تحریر لکھی ہوئی ملی کہ یہ جو اس قبر میں مقتول پڑا ہوا ہے، بے گناہی کے سوا اس کا اور کوئی گناہ نہیں تھا۔“

حضرت قدس سرہٗ کو شیعوں نے شہید کردیا تھا، مغرب کے بعد گھر میں گھس گئے اور ذبح کردیا، شہید فی سبیل اللہ ہوگئے۔

غرضیکہ اللہ کے راستے میں جہاد کرنا یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں جان و مال پیش کردو، جان مانگے تو جان حاضر، مال کا نذرانہ مانگے تو مال حاضر، قوّتوں اور صلاحیتوں وغیرہ کا نذرانہ مانگیں وہ حاضر، وقت مانگیں وہ حاضر، جو مانگیں وہ حاضر، کیونکہ جو کچھ بھی مانگا ہے انہی کی امانت ہے۔

اللہ تعالیٰ اہلِ ایمان کی جان و مال کو خرید چکا ہے:

قرآنِ کریم میں ارشاد ہے:

”اِنَّ اللهَ اشْتَرٰى مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ، يُقَاتِلُوْنَ فِىْ سَبِيْلِ اللهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ“

(التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ:... ”بے شک اللہ نے خرید لیا ہے ایمان والوں سے ان کی جانوں کو اور ان کے مالوں کو اس بدلے میں کہ ان کے لئے جنت ہے، جہاد کرتے ہیں اللہ کے راستے میں اپنے مالوں کے ساتھ بھی، اپنی جانوں کے ساتھ بھی، قتل کرتے ہیں اور خود بھی قتل ہوجاتے ہیں۔“

دُوسرے لوگوں میں سے کوئی برادری کے لئے قتل ہوتا ہے، کوئی جاہ و منصب کے لئے قتل ہوتا ہے، اور مؤمن محض اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قتل ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کی جان و مال کو خرید لیا اور ان کی قیمت ادا کی جاچکی ہے، یعنی جنت۔

آگے فرمایا:

”وَعْدًا عَلَيْهِ حَقًّا فِى التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ وَالْقُرْاٰنِ، وَمَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ، فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَيْعِكُمُ الَّذِىْ بَايَعْتُمْ بِهٖ، وَذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ۔“ (التوبۃ:۱۱۱)

ترجمہ:... ”یہ اللہ کے ذمے سچا وعدہ رہا، توراۃ میں بھی، اِنجیل میں بھی اور قرآن میں بھی، اور اللہ تعالیٰ سے بڑھ کر اپنے وعدے کو پورا کرنے والا کون ہوسکتا ہے؟ سو تمہیں خوش ہوجانا چاہئے اللہ کے اس سودے پر جو تم نے اللہ سے کیا ہے، اور یہ ہے بڑی کامیابی۔“

جب یہ آیت شریفہ نازل ہوئی تو صحابہؓ نے کہا: واہ! واہ! واہ! واہ! حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا واہ، واہ؟ صحابہ کرامؓ نے کہا کہ: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ خود ہی فرما رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم سے ہماری جان و مال کا سودا کرلیا ہے، اللہ کی قسم! نہ ہم اس سودے کو خود توڑیں گے، نہ توڑنے دیں گے، اب وہ سودا ہوچکا، پکا رہے گا، جو چیز اللہ تعالیٰ نے خریدی ہم اس کو پیش کرنے کے لئے حاضر ہیں، اللہ اس سودے کو کیوں توڑیں گے؟

بھئی! یہ مطلب ہے اس ارشاد کا کہ: ”اللہ کے راستے میں جہاد کرو جیسا کہ حق ہے اس کے راستے میں جہاد کرنے کا“ مالک کی طرف سے جس چیز کا مطالبہ ہو اس کے لئے تیار ہوجاؤ، کسی تردّد اور پریشانی کی ضرورت نہیں، آگے پیچھے دیکھنے کی

ضرورت نہیں، کوئی جان مال، عزّت آبرو سے محبت کی ضرورت نہیں، بیوی بچوں سے محبت کی ضرورت نہیں، کیونکہ یہ سب کچھ اللہ کا دیا ہوا ہے، اور وہ ہم سے خرید بھی چکا ہے، اور اس کی قیمت بھی ادا کرچکا ہے۔ صحابہ کرامؓ ایسے ہی کیا کرتے تھے، صحابہ کرامؓ کو جو اللہ نے چمکایا اسی بات پر چمکایا، حضرت جی مولانا محمد یوسفؒ فرماتے تھے کہ: ہم لوگ جب مسجد میں جاتے ہیں تو گھر والوں سے کہہ کر جاتے ہیں کہ: ''چائے بناکر رکھنا، میں واپس آکر پیئوں گا!'' اور صحابہ کرامؓ جب مسجد میں جاتے تو گھر کہہ کر جاتے کہ: ''مسجد میں جارہے ہیں، اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کام سے نہ بھیجا تو واپس آجائیں گے، ورنہ انتظار نہ کرنا۔'' تیار ہوکر جاتے تھے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس کا کوئی شمہ نصیب فرمائے۔ اللہ کے دُشمنوں سے عداوت ہو، اللہ سے تعلق ہو، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دِین کی دِل میں عظمت ہو، اور اس محنت پر جو کچھ ملنے والا ہے، اس کی قدر و قیمت دِل میں ہو، تو پھر آدمی محض رضائے اِلٰہی کے لئے ہر قربانی دے سکتا ہے۔ اور میاں! فتویٰ دِماغ سے نہیں دِل سے لیا جاتا ہے، کسی جگہ دِل کا اور کسی جگہ دِماغ کا فتویٰ چلتا ہے، جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات آجائے تو دِماغ سے فتویٰ نہ لو، سوچوں میں نہ پڑو، دِل سے فتویٰ لو!

اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے لوگ:

اس خطبے میں آگے ارشاد ہے: ''هُوَ اجْتَبَاكُمْ'' اس نے تمہیں چن لیا ہے۔

یہ قرآن کی آیت ہے، غور کرو اللہ کی مخلوق کتنی پھیلی ہوئی ہے؟ پانچ ارب انسانی مخلوق بتائی جاتی ہے، لیکن ساری مخلوق میں سے اللہ نے تم کو اپنے لئے چن لیا ہے، باقی سب کو چھوڑ دیا، تم اللہ کے چنے ہوئے ہو، اور اس چناؤ پر اس کا جتنا بھی شکر بجالاؤ کم ہے، بہت سے لوگ ملازمت کے اُمیدوار بیٹھے ہوں اور گورنر ہاؤس کی نوکری کے لئے ان میں چند نوجوانوں کو چن لیا جائے اور نگاہِ انتخاب خود ہی ان پر پڑجائے،

نہ درخواست دی، نہ کسی کی سفارش، نہ رِشوت دی، مالک نے تمہاری درخواست کے بغیر، سفارش کے بغیر اپنے کام کے لئے تم کو چن لیا، اپنے دِین کے لئے تم کو چن لیا، تم اللہ تعالیٰ کے چنے ہوئے ہو، یہ کتنا بڑا اِعزاز ہے! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا لقب بھی ''مجتبیٰ'' ہے، ''مصطفیٰ'' بھی ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم رسولوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہیں، اور تم عام انسانوں کی جماعت میں سے چنے ہوئے ہو، اور صحابہ کرامؓ، انبیائے کرام علیہم السلام کی جماعتوں میں سے چنے ہوئے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے بہتر کوئی رسول نہیں، صحابہ کرامؓ سے بہتر دُوسرے رسولوں کے صحابہ نہیں، اور تم سے بہتر دُوسرے نبیوں کی اُمتیں نہیں، مجتبیٰ ہیں، یعنی چنے ہوئے ہیں۔

مسلمان: اللہ کا فرماں بردار ہوتا ہے:

آگے فرمایا: ''وَسَمَّاکُمُ الْمُسْلِمِیْنَ'' اسی نے تمہارا نام رکھا ہے مسلمان۔

''مسلم'' کی جمع ہے ''مسلمین''، ہم مسلم ہیں، ''مسلم'' کہتے ہیں فرماں بردار کو، اسی لئے لغت کی کتابوں میں اسلام کے معنی ہیں: گردن ڈال دینا، جو کسی کے آگے اپنی گردن ڈال دے، اس کو ''مسلم'' کہتے ہیں، اور اللہ نے ہم کو ''مسلم'' کہہ دیا، ہماری سعادت ہے، ہماری خوش قسمتی ہے کہ مالک کی طرف سے ہمیں ''مسلمین'' کا خطاب دیا جارہا ہے کہ یہ اللہ کے فرماں بردار بندے ہیں، یہ تم پر عنایت ہے، نوازش ہے، تم بھی کچھ ان کا لحاظ کرو۔

آگے فرمایا:

''لِیَهْلِکَ مَنْ هَلَکَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَیَحْیٰی مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ''

ترجمہ:... ''یہ اللہ نے اس لئے کیا ہے تاکہ جس کو

ہلاک ہونا ہو وہ حجت اور دلیل قائم ہونے کے بعد ہلاک ہو، اور
جس کو زندگی حاصل کرنی ہو وہ بھی دلیل اور حجت کے ساتھ
زندگی حاصل کرے، اور کوئی طاقت نہیں اللہ کے بغیر۔“

لاؤڈ اسپیکر پر دُرود وسلام پڑھنا رِیاکاری ہے:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ واقعہ بیان کرتے ہیں کہ: ہم سفر میں تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، اور لوگ جوش میں بلند آواز سے تکبیر پڑھ رہے تھے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: ”لوگو! تم کسی بہرے یا غائب کو نہیں پکار رہے۔“ آج کل لاؤڈ اسپیکر پر صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا رواج چل نکلا ہے، بھئی! صلوٰۃ وسلام پڑھنے کا یہ کون سا طریقہ ہے؟ آخر لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے کس کو سنانا چاہتے ہو؟ اگر مخلوق کو سناتے ہو تو خوب سمجھ لو کہ تم کو ذرّہ برابر بھی ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اُلٹا موجبِ وبال ہے، رِیارکاری ہے کہ مخلوق کو سنانے کے لئے کرتے ہو؟ اور اگر اللہ کو سنانا چاہتے ہو تو وہ لاؤڈ اسپیکر کا محتاج نہیں ہے۔ معلوم ہوا کہ یہ لاؤڈ اسپیکر تم نے شیطان کے کہنے پر لگایا ہے، اس نے تم کو پٹی پڑھائی ہے تاکہ وہ رِیاکاری کے ذریعے تمہارا ثواب غارت کرے، تمام بدعات کی یہی حالت ہے۔ میں نے ایک دفعہ کہا تھا کہ سنت میں نور ہوتا ہے اور بدعت میں شور ہوتا ہے۔ یہ جو گا گا کر صلوٰۃ وسلام پڑھتے ہیں ساری زندگی ان کے چہرے پر داڑھی نہیں آتی، ان کو سنت سے کوئی شغف نہیں، ان کو کبھی شرم نہیں آئی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا پاک نام لے رہے ہیں تو حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل بھی بنالیں۔ ”میرے مولا! مدینہ بلالو مجھے“ یوں ہی گا رہے ہیں، یہ تو کنجری بھی گاتی تھی ریڈیو پر، وہ نعت خواں بن گئی۔

تو اِرشاد فرمایا: ”اے لوگو! تم کسی بہرے کو یا غائب کو نہیں پکار رہے ہو، تم اس کو پکار رہے ہو جو سمیع و بصیر ہے، اور جو تمہارے ساتھ ہے، اور جس کو تم پکار

رہے ہو وہ تمہاری سواری کی گردن سے بھی زیادہ قریب ہے۔“

ایک بار صحابہؓ نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! ہمارا پروردگار ہمارے قریب ہے کہ اس سے سرگوشی کریں، یا دُور ہے کہ ہم اس کو پکار کر کہیں؟ اس پر قرآنِ پاک کی یہ آیت نازل ہوئی:

”وَاِذَا سَأَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ، اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ“ (البقرۃ:۱۸۶)

ترجمہ:...”کہ جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں پوچھیں تو میں قریب ہوں، پکارنے والا جب بھی پکارتا ہے میں اس کی پکار سنتا ہوں۔“

اسی طرح مشکوٰۃ شریف میں ہے:

”قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی: وَاَنَا خَلْفَهٗ اَقُوْلُ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ فِیْ نَفْسِیْ، فَقَالَ: یَا عَبْدُاللهِ بْن قَیْس! اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَنْزٍ مِّنْ کُنُوْزِ الْجَنَّةِ؟ فَقُلْتُ: بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللهِ! قَالَ: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۰۱)

ترجمہ:...”حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سوار تھا، اور زیرِ لب پڑھ رہا تھا: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ“ مجھ سے ارشاد فرمایا: یا عبداللہ بن قیس! (ابوموسیٰ اشعریؓ کا نام عبداللہ بن قیس ہے) تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ بتاؤں؟ میں نے کہا: یا رسول اللہ! ضرور بتائیے۔ فرمایا: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللهِ“ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔“

”لَا حَوْلَ“ نہیں ہے غلطی اور گناہ سے پھرنے کی طاقت، ”وَلَا قُوَّةَ“ اور

نہ نیکی اور بھلائی پر جما رہنے کی طاقت، ”اِلَّا بِاللّٰہِ“ مگر اللہ کی توفیق سے۔ جو کچھ ہو رہا ہے مالک کی قدرت سے ہو رہا ہے، کوئی گناہ سے بچتا ہے تو اس کی رحمت سے بچتا ہے، کوئی نیکی کرتا ہے تو اس کی رحمت سے کرتا ہے، یہ معنی ہیں اس کلمے کے: ”لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ“۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

ذکر اللہ کی فضیلت

ذکرِ اِلٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکرِ اِلٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے کہ: ’’یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دِل کا‘‘ کہ اپنے لطف و احسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دِل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!“

”فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ اللّٰہِ وَاعْمَلُوْا لِمَا بَعْدَ الْیَوْمِ، فَاَنَّہٗ مَنْ یُّصْلِحْ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ یَکْفِیْہُ اللّٰہُ مَا بَیْنَہٗ وَبَیْنَ النَّاسِ، ذٰلِکَ بِأَنَّ اللّٰہَ یَقْضِیْ عَلَی النَّاسِ وَلَا یَقْضُوْنَ عَلَیْہِ، وَیَمْلِکُ مِنَ النَّاسِ وَلَا یَمْلِکُوْنَ مِنْہُ، اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ۔“

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۳۹۷، البدایہ والنہایہ ج:۳ ص:۲۱۳)

ترجمہ:... ’’پس تم زیادہ کرو اللہ کا ذکر، اللہ کا ذکر کثرت سے کرو اور آج کے دن کے مابعد کے لئے عمل کرو، اس لئے کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ دُرست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے درمیان اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کے لئے کافی ہوجاتے ہیں، وجہ اس کی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلہ فرماتے ہیں اور لوگ اس پر فیصلہ نہیں کرتے، اور وہ لوگوں پر اِختیار رکھتے ہیں، لوگ اس کے مقابلے میں اختیار نہیں رکھتے، اللہ تعالیٰ سب سے بڑا ہے، اور نہیں قوّت مگر اللہ عظمت والے کے ساتھ۔‘‘

دِین کی بنیادی باتیں:

یہ آخری جملے اس خطبہ شریفہ کے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ طیبہ تشریف لانے کے بعد سب سے پہلے جمعہ میں دیا تھا، اس خطبے میں چند ضروری اور بنیادی باتوں کی طرف اُمت کو متوجہ فرمایا، ان میں سے ایک یہ کہ اللہ کا ذکر کثرت سے کیا کرو، اللہ کو بہت کثرت سے یاد کیا کرو، اللہ کا ذکر اتنی کثرت سے کیا کرو کہ ذکرِ اِلٰہی تمہارے دِلوں کی صفت بن جائے، ذکرِ اِلٰہی تمہارے دِلوں میں پیوست ہوجائے، اور اس کے نور سے تمہارے دِل منوّر ہوجائیں، اور تمہاری رُوح اس کی لذّت وحلاوت سے سرشار اور مست ہوجائے۔

ایک حدیث شریف میں فرمایا ہے: ’’حَتّٰی یُقَالُ اِنَّهٗ مَجْنُوْنٌ‘‘ یہاں تک کہا جائے کہ یہ تو دیوانہ آدمی ہے، یعنی اللہ تعالیٰ کی یاد میں مست اور دیوانے ہوجاؤ، جیسے آدمی کسی کی محبت میں دیوانہ ہوجاتا ہے۔ تو کثرتِ ذکرِ اِلٰہی کو اپنا وظیفہ بناؤ، حتی الوسع

تمہارا کوئی لمحہ اللہ کے ذکر کے بغیر ضائع نہیں ہونا چاہئے، ذکر زبان سے بھی کرو، دِل سے بھی کرو، تنہائی میں بھی کرو، مجلس میں بھی کرو، ہمہ وقت اللہ کا ذکر کرو۔

ذکر کا مفہوم:

''ذکر'' کہتے ہیں یاد کرنے کو، یا تذکرہ کرنے کو، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ: ''فلاں آدمی آپ کا ذکر کر رہا تھا'' یعنی آپ کا تذکرہ کر رہا تھا۔ ''ذکر'' کے اصل معنی ''یاد'' کے ہیں۔ زبان سے یاد کرنا یہ ہے کہ تمہاری زبان پر اللہ کا نام جاری رہے۔ ایک شخص حضورِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اور عرض کیا کہ: یا رسول اللہ! کوئی نصیحت کیجئے، مگر نصیحت مختصر سی ہو، بات لمبی نہ ہو کہ لمبی بات بھول جاتی ہے۔ فرمایا:

''لَا یَزَالُ لِسَانکَ رُطَبًا مِّنْ ذِکْرِ اللہِ''

(مشکوٰۃ ص:۱۹۸، بحوالہ ترمذی)

ترجمہ:... ''تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہئے۔''

اگر تمہاری زبان ہمیشہ اللہ کے ذکر سے تر رہتی ہے تو بس تمہارا کام ہوگیا، پس اپنی زبان کو ذکرِ اِلٰہی کا عادی بناؤ، جب بھی تمہیں کوئی موقع ملے فوراً اللہ کو یاد کرو، تمہاری زبان پر فوراً اللہ کا ذکر جاری ہوجانا چاہئے، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ کا شعر ہے:

اب یہ عالم ہے ذرا بھی جب کبھی خلوَت ہوئی
پھر وہی جان تصوّر، پھر حدیثِ دِل وہی

ذرا سی فرصت مل جائے، کوئی لمحہ مل جائے، بس اللہ کے ذکر میں مشغول ہوجاؤ، یہ ہے کثرتِ ذکر۔

ذکر کی کثرت مطلوب ہے:

قرآنِ کریم میں بھی اور حدیث شریف میں بھی جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے کا حکم فرمایا ہے، مگر اس کے ساتھ کثرتِ ذکر کی قید بھی لگائی ہے: ”اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا“ یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو۔

ایک جگہ بھی یہ نہیں فرمایا کہ نماز کثرت سے پڑھا کرو، اور دُوسری عبادتوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے یہ قید نہیں لگائی کہ کثرت سے کیا کرو، لیکن ذکر کے لئے فرمایا: ”اُذْكُرُوا اللهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا“ کثرت سے اللہ کا ذکر کرو۔ یہاں پر بھی فرمایا: ”اللہ کو کثرت سے یاد کرو“ اور اس کثرت کی کوئی حد بیان نہیں فرمائی، گویا اپنی ہمت اور اپنی طاقت کے مطابق جتنا بھی اللہ تعالیٰ کا ذکر کرسکتے ہو کرو، اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو، اتنا یاد کرو کہ اللہ کی یاد تمہارے دِل کی صفت بن جائے، اور ذکرِ اِلٰہی تمہارے دِل کی ایک کیفیت بن جانی چاہئے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اتنا یاد کرو کہ اللہ کا ذکر دُوسری تمام چیزوں اور کیفیتوں پر غالب آجائے، جب اس کا غلبہ اتنا ہوجائے تب اس کے اثرات ظاہر ہوں گے، کیونکہ آدمی کے دِل کی جو کیفیت غالب ہوتی ہے وہ دُوسری کیفیتوں کو مغلوب کرلیتی ہے، اب اگر دن بھر تو ہم دُوسرے تذکرے کریں لیکن پھر تھوڑا سا اللہ کا ذکر بھی کرلیا کریں، اس سے تو کچھ کام نہیں چلتا، کیونکہ ذکرِ اِلٰہی سے قلب کی غالب کیفیت نہیں بنی، اللہ تعالیٰ کے ذکر کو غالب ہوجانا چاہئے تب قلب کی دُوسری کیفیتیں مغلوب اور کمزور ہوں گی۔

ذکرِ اِلٰہی سے دِلوں کی زندگی ہے:

اللہ کے ذکر سے دِل زندہ ہوتا ہے، اور ذکرِ اِلٰہی کے بغیر دِل مردہ ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے کہ:

”قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: مِثْلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ رَبَّہٗ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ مِثْلُ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۱۹۶)

ترجمہ:...”مثال اس شخص کی جو اللہ کا ذکر کرتا ہے اور جو شخص کہ اللہ کا ذکر نہیں کرتا، زندہ اور مردہ کی مثال ہے۔“

ذکرِ اِلٰہی کرنے والا زندہ ہے، اور جو شخص ذکرِ اِلٰہی سے محروم ہے وہ مردہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے کہ: ”یا اللہ! میں آپ سے سوال کرتا ہوں شکر کرنے والی زبان کا، اور یاد کرنے والے دِل کا“ کہ اپنے لطف و احسان سے زبان شاکر عطا فرمادے اور دِل ذاکر عطا فرمادے جو صرف اس اللہ کو یاد کرے۔ اللہ تعالیٰ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا کی برکت سے ہم سب کو بھی یہ دولت نصیب فرمائیں۔

نفس کی ریاضت ضروری ہے:

اور ایک بات خاص تجربے کی عرض کرتا ہوں کہ آدمی کا نفس شتر بے مہار ہے، یہ جلدی سے قابو میں نہیں آتا، یہ اپنی مرضی کا مالک ہے، کبھی اس کی موج ہوئی اور اس کو نشاط ہوا تو سارے کام اس سے کروالو، اور کبھی نشاط نہیں ہوتا تو یہ فرض بھی ادا کرکے نہیں دیتا، البیلا قسم کا مزاج ہے نفس کا، کبھی کسی طرف، کبھی کسی طرف، اس میں پختگی اور مستقل مزاجی نہیں، جیسے انجان گھوڑا جو سوار کے قابو میں نہیں آتا اور صحیح رفتار نہیں پکڑتا ہے۔ تو یہی حال نفس کا بھی ہے کہ یہ بھی بغیر ریاضت اور سدھانے کے صحیح کام نہیں کرتا، اس سے کام لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس پر روزانہ کا کام لگادو اور اس سے کہہ دو کہ: ”برخوردار! اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، تم چاہے میں کرو، چاہے چیں کرو، اتنے دانے تو تجھ سے پسوا کے چھوڑنا ہے، تم نوکر ہو، مزدور ہو، اتنی نوکری تو

تم سے لینی ہے۔'' بھئی ملازم رکھتے ہو تو اس سے وقت پر ڈیوٹی لیتے ہو، اور پوری ڈیوٹی لیتے ہو، اگر کبھی دیر سے آتا ہے تو تنبیہ کرتے ہو کہ: میاں! وقت پر آیا کرو۔ اسی طرح ہم بھی بارگاہِ الٰہی کے نوکر ہیں، ملازم ہیں، بندے ہیں، ہمیں بے شمار نعمتیں دے کر طاعت و بندگی کی ڈیوٹی پر لگایا ہے۔ تو اللہ کے بندے نفس کے ساتھ طے کرلیتے ہیں کہ بھئی اتنا کام تو تم سے کروانا ہے، اتنی تلاوت روزانہ کروانی ہے، اتنی نماز تم سے روزانہ پڑھوانی ہے، (ایک تو فرض نمازیں ہیں، کچھ نفل نمازیں بھی اس کے ساتھ رکھو، تھوڑی بہت کام دیں گی)۔ اتنا ذکر و تسبیحات تم سے کروانا ہے، اور اسی طرح جن حضرات کو مال عطا فرمایا ہے وہ نفس کے ساتھ طے کرلیں کہ اتنا صدقہ تجھ سے دِلوانا ہے، اسی طرح آگے چلے جایئے کہ نفس سے کہا جائے کہ محلے کے اندر ایک شخص کی اعانت بھی تجھ سے کروانی ہے۔ ہمارے دعوت و تبلیغ والے حضرات یہ کچھ آگے نکل جاتے ہیں، نیکی میں آدمی جتنا آگے نکل جائے اچھا ہے، اتنا کام تم سے دعوت و تبلیغ کا لینا ہے، مسجد میں آتے ہو تو اِعتکاف کی نیت سے بیٹھو، اس سے یہ بھی طے کروالو کہ اتنی دیر تمہیں مسجد میں بٹھانا ہے۔

نفس سے شرائط طے کرکے پھر اس کی نگرانی کی جائے:

اِمام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: نفس کے ساتھ اس طرح باتیں طے کرنے کو ''مشارطہ'' کہا جاتا ہے، یعنی نفس سے ملازمت کی شرائط طے کرنا کہ یہ یہ کام تم نے کرنے ہیں، اور جس طرح ملازمین پر ایک نگراں مقرّر کردیا جاتا ہے کہ ملازم صحیح کام بھی کر رہے ہیں یا نہیں؟ اسی طرح جب تم نے نفس کے ساتھ ''مشارطہ'' کرلیا اور شرائط طے کرکے اب اس کو کام میں لگادیا تو اس کی نگرانی بھی کرو، اور یہ دیکھتے رہو کہ جتنا کام اس کے ذمے لگایا تھا وہ ٹھیک سے کر بھی رہا ہے یا نہیں؟ اس کو ''مراقبہ'' کہتے ہیں، اور پھر سارے دن کے اعمال پر نظر ڈالتے ہوئے رات کو سونے سے پہلے اپنے

نفس کا محاسبہ کرو، جس طرح دُکان دار اپنے ملازمین سے شام کو پورا حساب لیتا ہے، اور پھر اگر اس نے اپنے ذمے کے کاموں میں سستی یا کوتاہی کی تھی اس پر اسے مناسب سزا بھی دو، الغرض اپنے نفس کو سدھانے اور رام کرنے کے لئے تمہیں اس کو چار مراحل سے گزارنا ہوگا۔

پہلے مشارطہ کرو، پھر مراقبہ کرو، پھر محاسبہ کرو، اگر کوئی صحیح عذر پیش کرتا ہے تو اس کو قبول کرلو اور اگر بے جا تأویل کرتا ہے تو اس کے ساتھ ''معاقبہ'' کرو، (یعنی مناسب سزا دینا) اگر اس کو ریاضت کے ان چار مراحل سے گزاروگے تو یہ گھوڑا صحیح چلے گا اور رفتہ رفتہ سیدھا چلنے کا عادی ہوجائے گا، ورنہ یہ ہمیشہ شترِ بے مہار رہے گا کہ جدھر منہ اُٹھا چل دیا، جی میں آیا تو کچھ کرلیا، ورنہ اَڑیل ٹٹو بن گیا، لہٰذا اپنے نفس کو کبھی شترِ بے مہار نہ چھوڑو، بلکہ اس پر پابندیاں لگاؤ، اور اس کو مجاہدے کا عادی بناؤ، بعض اکابر ایسے ہیں کہ بارہ سال تک اپنے نفس کو پانی نہیں دیا، چنانچہ مولانا الیاس رحمہ اللہ کا قصہ ہے کہ طبیب نے پانی منع کردیا تھا تو بارہ سال نہیں پیا۔

تو بات یہاں سے چلی تھی کہ آپ نے ذکر اللہ کے فضائل سن لئے، اور سن کر گھر چلے گئے اور بس اتنا کہہ دیا کہ مولوی صاحب نے بڑی اچھی حدیث بیان فرمائی تھی، لیکن نتیجہ کچھ بھی نہیں، سب کچھ سنا مگر اپنے نفس کو عمل کی لائن پر نہیں ڈالا، اگر تم اپنے نفس پر قابو نہیں پاسکتے اور اس کو سدھانے سے عاجز ہو تو اس کو کسی شیخ کے سپرد کردو، اور اس کی ہدایت کے مطابق اس کو چلاؤ، گھوڑے کو سدھانے اور اس کو رفتار سکھانے کے لئے سائیس کے حوالے کردیا کرتے ہیں، اور وہ چند دن اس کی ریاضت کراتا ہے، جس طرح گھوڑے کو سدھانے کا ایک مستقل فن ہے، اسی طرح نفس کو سدھانے کا بھی فن ہے، اس کو کسی ماہر کے سپرد کروگے تو وہ اس کے سارے کس بل نکال دے گا، اس لئے عارف فرماتے ہیں:

''نفس ناتواں کشت اِلَّا ظلِ پیر''

نفس کی فہمائش کرو:

اپنے نفس کی فہمائش کرو، اس کا طریقہ یہ ہے کہ ایک وقت تنہائی کا مقرّر کرلو، اور اپنے نفس کو خطاب کرو، پہلے اسے اللہ تعالیٰ کے اِنعام و اِحسانات یاد دِلاؤ کہ اے نفس! دیکھ کہ اللہ نے تجھے صحت عطا فرمائی ہے، قوّت عطا فرمائی ہے، اور تجھ پر بے شمار اِحسانات فرمائے ہیں، تیرے لئے خیر اور بھلائی کے تمام اسباب مہیا فرمائے ہیں۔ پھر اس کو قبر و حشر یاد دِلاؤ کہ تجھے دُنیا کو چھوڑ کر قبر میں جانا ہے، اگر تو نیک بن کر گیا تو تیرے لئے راحت ہی راحت ہے، ورنہ قبر کی تنہائی کا، وہاں کی سختیوں کا، وہاں کے سانپ بچھوؤں کا تجھے سامنا کرنا ہوگا۔ الغرض! جو کچھ آدمی کو مرنے کے بعد پیش آنے والا ہے اس کو یاد دِلاؤ، پھر اس سے کہو کہ تو کچھ کمالے، دُنیا سے خالی ہاتھ نہ جا، جب وہ کام کرنے پر آمادہ ہوجائے تو اس سے پوچھو کہ: کتنا کام کیا کرے گا؟ وہ کام اس کے ذمے لگادو، اگر خود فیصلہ نہیں کرسکتے تو شیخ سے مشورہ کرلو، اور اُستاذ کی ضرورت اس لئے پیش آتی ہے، تم جانتے ہو کہ بچے بیٹھے پڑھ رہے ہوتے ہیں، اگر میاں جی نہ ہوں تو یہ بچے نہیں پڑھیں گے، اُستاذ سر پر ڈنڈا لے کر کھڑا رہے تو پڑھتے ہیں، تو یہ نفس بھی بچہ ہے۔ اِمام بصیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ’’نفس مثل بچہ ہے، اگر زبردستی اس کا دُودھ چھڑاؤگے تو چھوڑے گا، ورنہ بوڑھے ہونے تک نہیں چھوڑے گا‘‘ بچہ کتنا ہی بڑا ہوجائے، ماں جب تک اس سے زبردستی دُودھ نہیں چھڑاتی، نہیں چھوڑتا، جب اس کا دُودھ چھڑایا جاتا ہے تو دو چار دن ضد کرتا ہے، روتا ہے، چِلّاتا ہے، پھر آخر چھوڑ دیتا ہے، پھر اس کی عادت بھی ختم ہوجاتی ہے، تو بھئی تجربہ یہ ہے کہ آپ اپنے ذمے ایک مناسب مقدار مقرّر کرلیں، کہ اتنا تو دُرود پڑھا کرو، اتنا اِستغفار پڑھا کرو، اتنی تسبیحات پڑھا کرو، یہ زبان جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمائی ہے، واللہ العظیم! یہ ہمیں سونے کی کان عطا فرمائی ہے، جتنا چاہو نکالتے رہو

سونا، اللہ تعالیٰ کا ذکر کرو سونا نکلتا ہے، لیکن افسوس ہے کہ ہمیں اس کی قدر ہی نہیں کہ یہ زبان کتنی بڑی نعمت ہے؟ اگر اس کو ذکر کا عادی بنالیا جائے تو ہم اس کے ذریعے کتنا ذخیرہ جمع کرسکتے ہیں، سونے کے کتنے ڈھیر اِکٹھے کرسکتے ہیں، لیکن ہم سونا بنانے کے بجائے سونے میں وقت گزارتے ہیں، بس سوگئے اور جاگ گئے، اللہ ہم پر رحم فرمائے۔ اکابر فرماتے ہیں کہ: اپنے نفس کی اصلاح کے لئے حق تعالیٰ شانہٗ سے اِلتجا بھی کیا کرو۔

اصلاح کے لئے نعمتوں کا مراقبہ:

کسی وقت تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان کو تالو کے ساتھ لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور پھر یوں تصوّر کرو کہ میں بارگاہِ رَبّ العزّت میں پیش ہوں اور اس سے ہم کلام ہوں، پھر اللہ کے ساتھ دِل سے باتیں کرو، باتیں کیا کروگے؟

شکر نعمت ہائے تو چنداں کہ نعمت ہائے تو
عذر تقصیرات ما چنداں کہ تقصیرات ما

ترجمہ:... ''یا اللہ! جتنی تیری نعمتیں، اتنا ہی تیرا شکر،
اور جتنی ہماری کوتاہیاں اتنی ہی ہماری طرف سے معذرت۔''

یعنی اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بے شمار ہیں، ان پر شکر بھی بے شمار ہونا چاہیے، اور ہمارے گناہ بھی شمار سے باہر ہیں ان پر توبہ بھی اتنی کثرت سے ہونی چاہیے۔ اللہ کے انعامات سوچتے رہو اور شکر بجالاؤ۔ یا اللہ! آپ نے ہمیں بے شمار نعمتیں عطا فرمائیں، یہ انعامات فرمائے، مجھ سے ان میں سے ایک نعمت کا بھی شکر اَدا نہیں ہوسکتا، یا اللہ! تیرا شکر ہے، ایک حدیث میں یہ دُعا سکھائی گئی:

''اَللّٰھُمَّ مَا اَصْبَحَ بِیْ مِنْ نِّعْمَۃٍ اَوْ بِأَحَدٍ مِّنْ خَلْقِکَ فَمِنْکَ وَحْدَکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ، فَلَکَ الْحَمْدُ وَلَکَ الشُّکْرُ۔'' (مشکوٰۃ ص:۲۱۱)

ترجمہ:... ''یا اللہ! مجھ پر یا تیری مخلوق میں سے کسی پر
جتنی نعمتیں ہیں، یہ سب تیری جانب سے ہیں، آپ کا کوئی شریک
نہیں، پس آپ ہی کے لئے حمد ہے، آپ ہی کے لئے شکر ہے۔''

فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے: جو شخص تین مرتبہ یہ دُعا صبح کو پڑھے، اس نے شام تک کی تمام نعمتوں کا حق ادا کردیا، شکر اَدا کردیا، اور جو شخص رات کو پڑھے مغرب کے بعد، اس نے رات کی تمام نعمتوں کا شکر اَدا کردیا، لیجئے شکرِ نعمت کی کیسی مختصر سی تدبیر اِرشاد فرمادی۔ الغرض! اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کو سوچو، تفصیلاً سوچو! اس سے اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا ہوگی، کیونکہ جس شخص کا احسان ہمارے ذمے ہو فطرتاً اس کی محبت دِل میں پیدا ہوجاتی ہے، اور اس کے احسان سے آدمی دَب جاتا ہے، جب تم اللہ تعالیٰ کے اِنعامات کو سوچو گے تو تمہیں اللہ تعالیٰ سے محبت پیدا ہوگی، اور جب تم اس کی نعمتوں کا شکر اَدا کروگے تو اللہ کو تم سے محبت ہوجائے گی۔

اپنی کوتاہیوں کا مراقبہ اور اِستغفار:

دُوسرا مضمون سوچنے کا اپنی کوتاہیاں اور اپنی لغزشیں، شیخ عطار رحمہ اللہ کی مناجات کا یہ شعر مجھے بہت اچھا لگتا ہے، وہ پندنامے میں فرماتے ہیں:

بے گناہ نہ گزشت بر ما ساعتے
باحضور دِل نہ کردم طاعتے

ترجمہ:... ''بغیر گناہ کے ہم پر ایک گھڑی بھی نہیں
گزری، اور دِل کی حاضری کے ساتھ میں نے آپ کی ایک
بندگی بھی تو نہیں کی۔''

اپنی زندگی کی ایک نماز بتادو کہ جس میں پورے حضورِ قلب کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے سامنے حاضر ہوئے ہو؟ اور اس حاضری میں اِردگرد کی کوئی قصہ کہانی نہ ہوئی

ہو؟ ایک بھی نہیں! اس طرح اپنی کوتاہیاں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو اور پیش کر کے اس کی مغفرت چاہو۔

اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش کرو:

ایک تیسری چیز ہے، وہ تمہارے مطلب کی ہے، اپنی حاجتیں اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کرو۔ بس یہ تین مضمون ہیں۔ تنہائی میں بیٹھ جاؤ، زبان تالو سے لگالو، آنکھیں بند کرلو، اور اللہ تعالیٰ سے باتیں کرو، اللہ کے اِنعامات کا اِستحضار کرو، ان پر شکر بجالاؤ، اپنی کوتاہیوں کا اِستحضار کرو اور ان پر معافی مانگو، اور تیسرا اپنی حاجات اللہ تعالیٰ کے سامنے رکھو، اور ان حاجات کے لئے بارگاہِ اِلٰہی میں اِلتجا کرو، اپنی درخواست پیش کرو، یا اللہ! میرا یہ کام کردیجئے۔ اس اِلتجا اور دُعا میں اپنے نفس کی اصلاح کی بھی اِلتجا کرو، چلو بیڑا پار ہوگیا!

یہ میں نے تمہیں کیمیا کا نسخہ بتایا ہے، لیکن اس کی قدر کون کرے گا؟ کوئی نہیں! بے وقت، بے ضرورت چیز مل جاتی ہے، مفت میں مل جاتی ہے، لوگ قدر نہیں کرتے۔ کوئی شخص دو روپے کے جوتے کو سو روپے کی شال سے صاف کر رہا تھا، کسی نے کہا کہ: ''تو بڑا احمق ہے! اتنی قیمتی شال کے ساتھ ٹوٹا ہوا جوتا صاف کر رہا ہے؟'' کہنے لگا: ''جوتا میں نے خود خریدا ہے، شال باپ کی وراثت میں ملی ہے!''

یہ کیمیا کا نسخہ تمہیں بہت سا خرچہ کرکے معلوم کرنا پڑتا تو تمہیں قدر ہوتی، بیٹھے بٹھائے مل گیا، کوئی بھی اس کی قدر نہیں کرے گا، سوائے ان لوگوں کے جن کو اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے، بڑی بات ہے پانچ منٹ نکالو، دس منٹ نکالو، اللہ تعالیٰ سے مناجات کیا کرو، پھر دیکھو دِل کو کیسی راحت نصیب ہوتی ہے، کیسا سکون نصیب ہوتا ہے، اور باطن کی ترقی کتنی ہوتی ہے، پھر اندازہ کروگے۔

خطبہ شریفہ کا دُوسرا مضمون:

میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطبہ شریفہ کا جو حصہ پڑھا، اس میں دُوسرا مضمون یہ ارشاد فرمایا: ''وَاعۡمَلُوۡا لِمَا بَعۡدَ الۡیَوۡمِ'' یعنی اللہ کو کثرت سے یاد کرو، اور آج کے دن کے بعد کے لئے عمل کرو۔

کل کی تیاری آج کرو:

آج کے دن کے بعد سے مراد ہے اس زندگی کے بعد والی زندگی، جو موت سے شروع ہوگی، پھر قبر کی زندگی، پھر حشر کے طویل دن کی زندگی، پھر جنت کی دائمی اور ابدی زندگی، اس کے لئے عمل کرو، اور اس زندگی سے ہمیشہ کی زندگی کے لئے کما کر لے جاؤ، دُنیا کے تمام عقلاء پس انداز کرنے کے قائل ہیں کہ جتنا آج کمایا جائے وہ سارے کا سارا آج ہی ختم نہ کردیا جائے، بلکہ اپنی کمائی کا کچھ حصہ آڑے وقت کے لئے جمع کرکے رکھا جائے، ہاں! کوئی قلندر قسم کا آدمی ہو، وہ تو پس انداز کرنے کا خیال نہیں رکھتا، وہ تو یوں سمجھتا ہے کہ بچا کر رکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ جب ہم کو ضرورت ہوگی اللہ تعالیٰ دے دیں گے:

''خدا خود میر ساماں ہست ارباب توکل را''

یہاں ان جیسے لوگوں کی بات نہیں، ہمارے جن لوگوں کو عقل مند سمجھا جاتا ہے، ان کی بات کرتا ہوں کہ عقل مند لوگ پس انداز کیا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ سرکاری ملازمین سے گورنمنٹ ان کا ''جی پی فنڈ'' کاٹ لیتی ہے، (گویا یہ جبری پس انداز کرنا ہے) کہ اگر ان کو پوری تنخواہ دے دی تو یہ تو خرچ کرلیں گے، بعد میں جب ریٹائر ہوجائیں گے تو ان کے پاس کچھ رہے گا نہیں، بعد میں جب ان کے پاس کام نہیں رہے گا اس وقت ان کو دے دیں گے، اس لئے اس تنخواہ کا کچھ حصہ کاٹ لیتے

ہیں، تو معلوم ہوا کہ یہ اُصول تمام عقلاء کا مُسلّمہ ہے کہ آج کما کر آج ہی نہ کھالو، بلکہ کچھ پس انداز بھی کرو، کچھ بچا کے رکھو، عقلاء کا یہی اُصول ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہاں ارشاد فرما رہے ہیں، مگر فرق یہ ہے کہ عقلائے زمانہ کی عقل صرف دُنیا تک محدود ہے، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر دُنیا و آخرت دونوں کو محیط ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ تمہاری پوری دُنیا کی زندگی وہ ''آج کا دن ہے''، اور آخرت کی زندگی یا یوں کہئے کہ مرنے کے بعد کی زندگی ''کل کا دن'' ہے، اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: ''اِعۡمَلُوۡا لِمَا بَعۡدَ الۡیَوۡمِ'' یعنی کل کے لئے عمل کرو، اگر دُنیا ہی میں کما کھا کر خالی ہاتھ چلے گئے تو یہ عقل مندی کی بات نہیں، یہ بڑے بڑے عقلاء جو ہمیں مشورہ دے رہے ہیں پس انداز کرنے کا، بچت کرنے کا، وہ خود دُنیا میں کھا پی کر چلے گئے، کل کے لئے کچھ بھی پس انداز نہیں کیا، جو یہاں کمایا تھا یہیں کھا پی لیا، نہیں بھائی! ایسا نہیں کرنا چاہئے، یہ بے عقلی کی بات ہے، آج کے بعد کے لئے عمل کرو، یہ کھانا کمانا تو زندگی کے لئے ہے، اور زندگی کا مقصد کچھ اور ہے، پس اعمال کا اتنا ذخیرہ جمع کرو، جو ہمیں کل کام دے۔

اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ دُرست کرو:

آگے یہ فرمایا کہ: ''بات یہ ہے کہ جو شخص اپنے اور اللہ تعالیٰ کے درمیان کا معاملہ دُرست کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے میں اس کی کفایت فرمادیتے ہیں۔'' گویا جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ معاملہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس سے سودا کرلیتے ہیں کہ تم ہمارا کام کرو، تمہارا کام ہمارے ذمے۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لکھا کہ: ''مجھے کوئی مختصر سی نصیحت کیجئے، بات لمبی نہ ہو، مختصر ہو تا کہ اسے حرزِ جان

بناؤں۔“ اکابر کا ہمیشہ یہ بھی معمول رہا ہے کہ بزرگوں سے نصیحت طلب کرتے تھے۔ علامہ شعرانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ”تنبیہ المغترین“ میں اس پر ایک مستقل باب قائم کیا ہے کہ جب بڑوں کی خدمت میں جاؤ تو ان سے نصیحت طلب کرو۔ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ باوجودیکہ خود بھی صحابی ہیں، حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات خود بھی سنے ہیں، لیکن جن کو اپنا بڑا سمجھتے تھے، ان کی خدمت میں لکھتے رہتے تھے، اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں خط لکھا، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے کاتب کو بلایا اور کہا کہ لکھو:

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ خط ہے عائشہ اُمّ المؤمنین کی جانب سے معاویہ کے نام!

”فَاِنِّی سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ: مَنِ الْتَمَسَ رِضَی اللہِ بِسَخَطِ النَّاسِ، کَفَاہُ اللہُ مُؤُوْنَۃَ النَّاسِ، وَمَنِ الْتَمَسَ رِضَی النَّاسِ بِسَخَطِ اللہِ وَکَّلَہُ اللہُ اِلَی النَّاسِ، وَالسَّلَامُ عَلَیْکَ!“

(مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ جو شخص اللہ کو راضی کرنے کی خاطر اِنسانوں کو ناراض کرلیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس سے انسانوں کی ناراضی کی خود کفایت فرماتے ہیں (کہ ان کی پروا نہ کرو، ان کو راضی کرنا ہمارا ذمہ رہا)، اور جو شخص لوگوں کی رضامندی کی خاطر اللہ کو ناراض کردیتا ہے، اللہ تعالیٰ اس شخص کو ان لوگوں کے سپرد کردیتے ہیں (کہ کرو ان کو راضی، میں دیکھتا ہوں تم کتنے لوگوں کو راضی کرلیتے ہو!)۔“

اور یہی مضمون اس خطبہ شریفہ میں ارشاد فرما رہے ہیں کہ جو شخص اپنے درمیان کا اور اللہ کے درمیان کا معاملہ صحیح کرلے اللہ تعالیٰ اس کے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کی خود کفایت فرماتے ہیں کہ وہ ہمارے ذمے رہا، ہم سے تم معاملہ دُرست رکھو، تمہارے اور لوگوں کے درمیان جو معاملہ ہے اس کو ہم پر چھوڑ دو، وہ میں دُرست کرلوں گا، تم اس کی پروا نہ کرو کہ کوئی ناراض ہوتا ہے، لوگ ناراض ہوجائیں گے تو ہم ان کو بھی راضی کردیں گے، بھئی یہ بھی بڑے امتحان کی بات ہے، آزمائش کی بات ہے، اللہ تعالیٰ کسی کو آزمائش میں نہ ڈالے، بسا اوقات ایسا ہوجاتا ہے کہ ایک طرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے، دُوسری طرف لوگوں کی رضامندی ہے، اگر اس کام کو کرلے تو اللہ تعالیٰ ناراض ہوجاتے ہیں اور نہ کرے تو لوگ ناراض ہوتے ہیں، بہت سے لوگ ایسے دوراہے پر کھڑے ہوجاتے ہیں اور پھر ہم میں سے اکثریت ان لوگوں کی ہے کہ جو کہتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ تو معاف کردے گا، مخلوق کو راضی کرلو، اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی ضرورت نہیں، وہ خود راضی ہوجائے گا، بڑا غفور رحیم ہے!'' اور یہیں سے لوگوں نے ایک فقرہ تصنیف کرلیا ہے: ''اللہ کو راضی کرنا آسان ہے، لوگوں کو راضی کرنا مشکل ہے!'' تو آسان کام کیوں نہیں کرتے؟ مشکل کام کیوں کرتے ہو؟ واقعی بڑا اِمتحان ہے، اللہ تعالیٰ ہماری حفاظت فرمائے، یہ سب سے مشکل مرحلہ ہے، پہلے تو بیوی بچے ناراض ہوجاتے ہیں، پہلے اپنے گھر سے مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ میری عادت ہے کہ لوگوں کو داڑھی رکھنے کا کہتا ہوں، تو اس کے جواب میں بہت سے لوگوں کو یہ کہتے سنا کہ: ''بیوی نہیں مانتی!'' اور یہ بیوی کی اجازت کے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم ماننے سے قاصر، ان کے لئے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرنا آسان، اور بیوی کو ناراض کرنا مشکل۔ یہ جو میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہتا رہتا ہوں، میں نے اپنے بزرگوں سے اس کی اجازت لے رکھی ہے، بغیر اجازت کے کچھ نہیں کہتا، بلکہ میں نے اس کی سند لے رکھی ہے۔

میرے حضرت ڈاکٹر صاحب نوّر اللہ مرقدہٗ پر محبت کے رنگ کا بڑا غلبہ تھا، اور میرے اکابر مجھ جیسے بے مروّت نہیں تھے، اکابر اور ولی اللہ لوگوں پر مروّت کا بڑا غلبہ ہوتا ہے، کسی پر روک ٹوک کرنا، یہ تو حضرتؒ کے مذہب ہی میں نہیں تھا، میں نے جتنی زندگی حضرتؒ کی خدمت میں گزاری، کسی پر ناراض ہوتے نہیں دیکھا، سراپا محبت وشفقت تھے، سبحان اللہ! اللہ تعالیٰ نے ان حضرات کو اتنا بڑا حوصلہ عطا فرمایا تھا، تو میں نے ایک مرتبہ حضرت ڈاکٹر صاحب سے علیحدگی میں عرض کیا کہ: ''مجھ سے لوگوں کا داڑھی منڈوانا برداشت نہیں ہوتا، میں لوگوں کو داڑھی کے لئے کہہ دیتا ہوں۔'' عادتِ مبارکہ تھی کہ بات سن کر تھوڑی دیر کے لئے سر جھکا لیتے اور سوچ کر بات کرتے تھے، فوراً نہیں۔ تو حضرتؒ نے میری بات سن کر سر جھکا لیا، اور تھوڑی دیر بعد فرمایا کہ: ''مولوی صاحب! ضرور کہا کریں'' تو حضرتؒ کے یہ الفاظ ہیں، تو میں نے کہا کہ الحمدللہ! ہم کو تو شیخ سے سند مل گئی، اس لئے ہم کہتے ہیں اور الحمدللہ نفع بھی ہوتا ہے، اور بہت سے لوگوں کو فائدہ بھی ہوتا ہے، بات یہ ہے کہ تنبیہ ہوجاتی ہے تو لوگ مان جاتے ہیں، اور اگر کوئی توجہ نہ دِلائے تو خود بھی توجہ نہیں ہوتی۔ کبھی خود اِتفاقاً توجہ ہوجائے تو الگ بات ہے۔

تو کہتے ہیں کہ: ''بیوی نہیں مانتی!'' بعض نوجوان سختی سے شکایت کرتے ہیں کہ اَماں نہیں مانتی، اَبا نہیں مانتے، کہتے ہیں کہ: ''اگر تم نے داڑھی نہ منڈوائی تو میں تمہیں عاق کردوں گا!'' الغرض بڑا اِمتحان ہے، خصوصاً نوجوانوں کے لئے اور بھی مشکل ہوجاتی ہے، کیونکہ وہ خودمختار نہیں ہوتے، والدین کے ماتحت ہوتے ہیں، اور والدین ہیں بے دِین، ان کو دِین کی قدر نہیں، اللہ تعالیٰ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی قدر ان کے دِل میں نہیں، تو یہ نوجوان دِین پر عمل کرنا چاہتے ہیں، مگر والدین نہیں مانتے، ایسے نوجوان بے چارے کشمکش میں مبتلا ہوجاتے ہیں کہ کیا کریں اور کیا نہ کریں؟ اور گھر سے نجات ملے تو دوست احباب کا حلقہ شروع ہوجاتا ہے کہ: ''ارے

تم مُلاَّ بن گئے ہو!'' اس کے بعد برادری، پھر معاشرے کا مسئلہ آجاتا ہے، اور آپ چاہتے ہیں کہ لوگوں کے ساتھ چلیں، لوگوں کو راضی کر کے چلیں اور وہ راضی ہوتے نہیں، ''نہ نومن تیل ہو، نہ رادھا ناچے'' نہ مخلوق راضی ہو، نہ تم اللہ تعالیٰ کا کام کرو، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ساٹھ سال بعد تم وہیں کے وہیں ہو اور معاشرہ بھی وہیں کا وہیں ہے، تم اگر مخلوق کو راضی کر کے چلنا چاہو تو ایک قدم بھی نہیں اُٹھا سکتے۔

اس خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس اِشکال کا حل فرمارہے ہیں، وہ یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے اور اپنے درمیان کے معاملے کو دُرست کرلو، اللہ تعالیٰ تمہارے اور لوگوں کے درمیان کے معاملے کو خود ہی دُرست فرمالیں گے، اِن شاء اللہ۔ تم کسی کی پروا کئے بغیر اللہ تعالیٰ کا حکم مانو، لوگ جھک مار کر خود ہی تمہارے ساتھ چلنے لگیں گے، ساری دُنیا راضی ہوجائے گی، سارے راضی ہوجائیں گے، تم ایک کو راضی کرلو، ساری دُنیا کو ناراض کردو، وہ ایک، ساری دُنیا کو راضی کردے گا، اور اگر تم دُنیا کو راضی کر کے اللہ تعالیٰ کو ناراض کرلوگے تو وہ تم سے سب کو ناراض کردے گا، جیسا کہ اس نے آج کل تمہارے درمیان فتنہ وفساد ڈالا ہوا ہے۔ بیوی میاں کی نہیں بنتی، بھائی بھائی کی نہیں بنتی، دوست احباب کی نہیں بنتی، اور آپس میں دو آدمی جس کام میں شریک ہیں، ان دونوں کی نہیں بنتی، کیونکہ تم نے کبھی اللہ تعالیٰ سے نہیں بنائی، وہ تمہاری نہیں بننے دے گا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اسی کو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں پر فیصلے کرتے ہیں، لوگ اللہ پر فیصلہ نہیں کرتے، اور اللہ لوگوں پر مکمل اختیار رکھتے ہیں اور تم لوگ اللہ پر اِختیار نہیں رکھتے۔

ہم یہ آیۃ الکرسی میں پڑھتے ہیں کہ: ''اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے آگے ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے'' اللہ تعالیٰ تمام انسانوں کے اور اس کائنات کے ماضی ومستقبل کے ذرّے ذرّے سے واقف ہے، اور بندوں کو اس کا کچھ بھی علم نہیں، سوائے اس کے کہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہے بتادے، بندوں کو اس کے علم میں سے

کسی شے کا علم نہیں ہے۔ بالکل یہی قصہ ہے قدرت کا بھی، اللہ تعالیٰ کو تمام انسانوں پر قدرتِ کاملہ ہے، کافروں کو مؤمن بنادے، اس کو قدرت ہے، مسلمانوں کو کافر بنادے، اس کو قدرت ہے، غنیوں کو فقیر بنادے، اس کو قدرت ہے، فقیروں کو غنی بنادے، اس کو قدرت ہے، وہ قادرِ مطلق ہے، دوستوں کو دُشمن بنادے، دُشمن کو دوست بنادے، اس کو قدرت ہے۔ اللہ تعالیٰ اِنسانوں پر پورا اِختیار رکھتے ہیں، اور اِنسان اللہ پر کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے، اللہ کی تقدیر کو کون بدل سکتا ہے؟ تمام حکومتیں مل جائیں، تمام لوگ مل جائیں، اللہ تعالیٰ کے قضا و قدر کے فیصلوں کو نہیں بدل سکتے، اس کا فیصلہ تو چل کے رہے گا، جو اللہ تعالیٰ کو منظور ہے وہ تو ہو کے رہے گا، تو عقل مندی کی بات یہ ہوگی کہ تم اللہ تعالیٰ کے ساتھ اپنا معاملہ صحیح کرلو، مخلوق کے ساتھ بگڑتا ہے تو بگڑنے دو، پروا نہ کرو:

بابا رشتہ سب سے توڑ
بابا رشتہ حق سے جوڑ

چند دن میں معاملہ صحیح ہوجائے گا، یہی لوگ جو بگڑے ہوئے ہیں، سر جھکا کر آئیں گے، چنانچہ اسی حقیقت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ تعالیٰ کا فیصلہ سب پر چلتا ہے، پر اس پر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، وہ سب کا مالک ہے مگر اس پر کسی چیز کا کسی کو اِختیار نہیں، لہٰذا اس پر کامل یقین اور توکل رکھو، اس کی خاطر سب کو چھوڑ دو، مگر کسی کی خاطر اس کو نہ چھوڑو۔

آخر میں ارشاد فرمایا کہ: ”اَللّٰہُ اَکْبَرُ، وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَظِیْمِ“

”اللہ اکبر“ کا کلمہ ”تکبیر“ کہلاتا ہے، یعنی اللہ سب سے بڑا ہے، ہر بڑے سے بڑا ہے، اس سے بڑا کوئی نہیں، کوئی نہیں، لوگ تو یہ کہتے ہیں کہ: اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ سب سے بڑا ہے۔ یعنی اللہ کے سوا جتنی مخلوق ہے وہ ان سب سے بڑا ہے، مگر عارفین کہتے ہیں کہ: اللہ اکبر کے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری حدِ تصوّر سے بھی

بڑا ہے، جہاں تک تمہاری حدِ تصوّر جاسکتی ہے، اس سے بھی بڑا ہے، مخلوق کے ہر قیاس اور پیمانے سے بڑا ہے، اس کی بڑائی تک کسی کے وہم و خیال کی رسائی نہیں، اس کی عظمت اور بڑائی تمہارے کسی پیمانے میں نہیں آسکتی، کیونکہ اس کی ذات بھی لامحدود، اور صفات بھی لامحدود، ہم کیا چیز ہیں؟ آسمان و زمین کی ساری مخلوق بھی اس کی بڑائی کا تصوّر نہیں کرنے سے عاجز ہے، وہاں جبریل (فرشتہ) کو پر مارنے کی جگہ نہیں، ہماری تمہاری کیا وقعت ہے؟ حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اِنَّ لِلّٰہِ سُبْحَانَہٗ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِّنْ نُّوْرٍ، لَوْ کَشَفَھَا لَأَحْرَقَتْ سُبُحَاتُ وَجْھِہٖ کُلّ مَنْ أَدْرَکَہ بَصَرہٗ۔"

(اتحاف ج:۲ ص:۷۲)

"اللہ تعالیٰ کے چہرے پر ۷۰ پردے نور کے ہیں، اگر ان میں سے ایک پردے کو ہٹادیا جائے تو جہاں جہاں تک اللہ تعالیٰ کی نظر پہنچتی ہے وہاں وہاں تک اس کے پاک چہرے کی شعاعیں دُنیا کو جلاکر راکھ کرڈالیں گی۔"

ہم نے اللہ تعالیٰ کی عظمت کو پہچانا نہیں، اور سچ یہ ہے کہ پہچان بھی نہیں سکتے، نطفے سے پیدا ہونے والی مخلوق اللہ تعالیٰ کو کیا پہچانے گی؟

"عَنْ زُرَارَۃَ بْنِ أَوْفٰی اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِجِبْرِیْلَ: ھَلْ رَأَیْتَ رَبَّکَ؟ فَانْتَفَضَ جِبْرِیْلُ وَقَالَ: یَا مُحَمَّدُ! اِنَّ بَیْنِیْ وَبَیْنَہٗ سَبْعِیْنَ حِجَابًا مِّنْ نُّوْرٍ، لَوْ دَنَوْتُ مِنْ بَعْضِھَا لَأُحْتَرَقْتُ۔" (مشکوٰۃ ص:۵۱۰)

ترجمہ:... "ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل علیہ السلام سے پوچھا کہ: کبھی اللہ تعالیٰ کی زیارت کی؟ تو جبریل علیہ السلام کانپ گئے اور کہنے لگے: توبہ! اتنی طاقت

جبریل کی آنکھوں میں کہاں؟ میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر پردے ہیں، اگر میں ان میں سے ایک کے بھی قریب جاؤں تو جل کر راکھ ہوجاؤں۔“

اللہ تعالیٰ ایسی عظمت والا ہے، اور ہم اس کے مقابلے میں مخلوق کو ترجیح دیتے، اس کو ناراض کرکے مخلوق کو راضی کرنے میں لگے ہوئے ہیں، کیسی حماقت اور بے وقوفی ہے، نعوذ باللہ، اَستغفر اللہ! ہمیں ہر نماز کے ہر انتقال میں ”اللہ اکبر“ کی تعلیم دی گئی ہے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی عظمت ہمارے اُوپر کھل جائے، اور مخلوق کی عظمت ہمارے دِل سے نکل جائے، اللہ کا رنگ ہم پر غالب آجائے، اور مخلوق کا رنگ اُتر جائے، یہ اللہ کی رنگت ہے اور اللہ کی رنگت سے بہتر کس کی رنگت ہوسکتی ہے؟

آخر میں ارشاد فرمایا کہ: ”جو کچھ کہا گیا ہے اس پر عمل کی طاقت اللہ عظمت والے کی طرف سے ہوسکتی ہے۔“ اللہ تعالیٰ ہم سب کو عمل کی توفیق عطا فرمائے، طاقت نصیب فرمائے، اپنے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین ثم آمین!

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

غیبت

ایک اخلاقی بُرائی، ایک گناہِ کبیرہ

ایک چیز ہے مذاق اُڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا، دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اُڑانے سے دُوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دُوسرے کی عزّت کو ہلکا کرنا، اور جس شخص کا مذاق اُڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارہ سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دُوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دِل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں، یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ: ''میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا'' اس میں ایک تو مذاق اُڑانے کا گناہ ہوا، دُوسرا جھوٹ بولنے کا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

’’اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!‘‘

’’وَقَدْ اَخْرَجَ اَبُوْ یَعْلٰی عَنِ الْبراءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَتّٰی اَسْمَعَ الْعَوَاتِقَ فِیْ بُیُوْتِھَا، اَوْ قَالَ: فِیْ خُدُوْرِھَا، فَقَالَ: یَا مَعْشَرَ مَنْ اٰمَنَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یَدْخُلِ الْاِیْمَانُ فِیْ قَلْبِہٖ! لَا تَغْتَابُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِھِمْ، فَاِنَّہٗ مَنْ یَّتَّبِعْ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ یَتَّبِعُ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ، وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحُہُ فِیْ جَوْفِ بَیْتِہٖ۔ قَالَ الْھَیْثَمِیُّ: وَرِجَالُہٗ ثِقَاتٌ۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۹۳)

وَاَخْرَجَهُ الطِّبْرَانِیُّ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُمَا نَحْوَهٗ، اِلَّا اَنَّ فِیْ رِوَایَتِهٖ: لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلا تتبعوا عَوْرَاتِهِمْ، فَاِنَّهٗ مَنْ یتبع عَوْرَةَ اَخِیْهِ الْمُسْلِمَ هَتَکَ اللّٰهُ سِتْرَهٗ۔ قَالَ الْهَیْثَمِیُّ: وَرِجَالُهٗ ثِقَاتٌ۔‘‘

(مجمع الزوائد ج:۸ ص:۹۸)

ترجمہ:... ’’حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنادیا کنواری لڑکیوں کو ان کے گھروں میں، (یا یہ کہا کہ ان کے پردوں میں) پس آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اے جماعت ان لوگوں کی جو اپنی زبان سے ایمان لائے ہیں اور اِیمان ان کے دِل میں داخل نہیں ہوا! مسلمانوں کی غیبت نہ کرو، اور ان کے عیوب تلاش نہ کرو، اس لئے کہ جو اپنے مسلمان بھائی کے عیوب تلاش کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے عیب کو تلاش کریں گے، اور جس شخص کے عیب اللہ تعالیٰ تلاش کریں گے، اس کو اس کے گھر بیٹھے رُسوا کردیں گے۔ یہی خطبہ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہما سے طبرانی نے روایت کیا، اور ان کے الفاظ یہ ہیں کہ اہلِ ایمان کو اِیذا نہ پہنچاؤ، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، کیونکہ جو شخص اپنے مسلمان بھائی کے عیب تلاش کرے گا، اللہ اس کا پردہ چاک کردیں گے۔‘‘

غیبت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ:

یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا خطبہ ہے، اور اس میں مسلمانوں کی معاشرت کے بارے میں بطورِ خاص دو چیزوں کا ذکر فرمایا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور دُوسرے یہ کہ ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، اور اس کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں اس عنوان سے ذکر فرمایا ہے کہ: ''اے وہ گروہ جو اپنی زبان سے تو مسلمان ہوگئے ہیں، لیکن ایمان ان کے دِل میں داخل نہیں ہوا۔''

غیبت اور تجسّس منافقین کی عادت تھی:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایسے لوگ منافق تھے، جو ظاہر میں کلمہ پڑھتے تھے، اور اپنے مسلمان ہونے کا اظہار کرتے تھے، لیکن حقیقت میں اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اِیمان نہیں رکھتے تھے، گویا مسلمانوں کی غیبت کرنا، ان کے عیوب کو تلاش کرنا، اور ان کو رُسوا کرنے کی کوشش کرنا یہ منافقین کا وطیرہ تھا، مسلمانوں کا نہیں۔

غیبت کی مذمت قرآنِ کریم میں:

سورۂ حجرات میں اللہ تعالیٰ نے ان دو آیتوں میں اس کا ذکر فرمایا:

''یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْھُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّکُنَّ خَیْرًا مِّنْھُنَّ، وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَکُمْ وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقٰبِ، بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوْقُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ، وَمَنْ لَّمْ یَتُبْ فَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الظّٰلِمُوْنَ۔ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اجْتَنِبُوْا کَثِیْرًا

مِّنَ الظَّنِّ اِنَّ بَعۡضَ الظَّنِّ اِثۡمٌ، وَّلَا تَجَسَّسُوۡا وَلَا یَغۡتَبۡ بَّعۡضُکُمۡ بَعۡضًا، اَیُحِبُّ اَحَدُکُمۡ اَنۡ یَّاۡکُلَ لَحۡمَ اَخِیۡهِ مَیۡتًا فَکَرِهۡتُمُوۡهُ، وَاتَّقُوا اللّٰهَ، اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِیۡمٌ۔“

(الحجرات:۱۱، ۱۲)

ترجمہ:...”اے ایمان والو! نہ تو مردوں کو مردوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب ہے کہ وہ ان سے بہتر ہوں، اور نہ عورتوں کو عورتوں پر ہنسنا چاہئے، کیا عجب کہ وہ ان سے بہتر ہوں۔ اور نہ ایک دُوسرے کو بُرے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا بُرا ہے، اور جو باز نہ آویں گے تو وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، اور سراغ مت لگایا کرو، اور کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرو، کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے؟ اس کو تو ناگوار سمجھتے ہو! اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ بڑا توبہ قبول کرنے والا، بڑا مہربان ہے۔“ (بیان القرآن)

ایک دُوسرے سے ہنسی مذاق کرنا، کسی کا ٹھٹھا کرنا، یہ بھی ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس کی جڑ اس طرح کاٹی ہے کہ جس کا تم مذاق اُڑا رہے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو۔ ایک آدمی باہر سے دروازہ کھٹکھٹا رہا ہے، اندر والے کو کچھ معلوم نہیں کہ باہر کون ہے، لیکن دروازہ کھولنے کے بجائے اندر بیٹھا ہوا دروازہ کھٹکھٹانے والے کو بُرے بُرے الفاظ کہتا ہے، اور جب دروازہ کھولتا ہے تو معلوم ہوا کہ وہ بڑا آدمی تھا (دِین یا دُنیا کے لحاظ سے) یا اس کا کوئی افسر تھا، یا اُستاذ تھا، ذی وجاہت آدمی تھا، اب دروازہ کھولنے کے بعد اپنے الفاظ پر اس کو کتنی شرمندگی ہوگی؟ یہ میں نے ایک

مثال پیش کی ہے، جب تک دروازہ بند ہے تم کو معلوم نہیں کون ہے، یا تو وہ باہر سے بتادے کہ میں فلاں آدمی ہوں، یا تم تمیز کے ساتھ بات کرو کیونکہ تمہیں معلوم نہیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے والا کون ہے، لیکن جانے بوجھے بغیر تم اس کو تحقیر و توہین آمیز جملے کہتے ہو، جب دروازہ کھلے گا اور تمہیں اس شخص کی حقیقت معلوم ہوگی تو تمہیں اس پر شرمندگی ہوگی۔

”میں“ کہنے کے بجائے اپنا نام بتانا چاہئے:

ایک حدیث میں ہے:

”عَنْ جَابِرٍ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ دَيْنٍ كَانَ عَلٰى أَبِيْ فَدَقَقْتُ الْبَابَ فَقَالَ: مَنْ ذَا؟ فَقُلْتُ: أَنَا! فَقَالَ: أَنَا، أَنَا، كَأَنَّهٗ كَرِهَهَا۔“

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۰۱)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: ایک مرتبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دَرِ دولت پر حاضرِ خدمت ہوا، دروازہ کھٹکھٹایا، اندر سے فرمایا: ”کون ہے؟“ میں نے کہا کہ: ”میں ہوں!“ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں! میں!“ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس جملے کو ناپسند فرمایا کہ ”میں، میں“ کیا ہوتا ہے؟ نام بتاؤ! اپنا تعارف کراؤ کہ فلاں آدمی ہوں۔

ایک ”میں“ کا لفظ ہر ایک کے لئے بولا جاسکتا ہے، ہوسکتا ہے کہ اندر کا آدمی تمہاری آواز کو نہ پہچان سکے، تو جس طرح اندر بیٹھا ہوا آدمی دروازہ کھٹکھٹانے والے کو کوئی بدتمیزی کا لفظ بولے تو بعد میں اس کو شرمندہ ہونا پڑے گا، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جس کا تم مذاق اُڑاتے ہو، ہوسکتا ہے کہ وہ تم سے بہتر ہو، ابھی تو غیب کا پردہ لٹکا ہوا ہے، کچھ معلوم نہیں کہ کون کس مرتبے کا ہے؟ قیامت کے دن جب یہ پردہ ہٹایا جائے گا اور ہر ایک کا مرتبہ ظاہر کردیا جائے گا، اس وقت کتنی شرمندگی ہوگی؟

اگر تم نے کسی اچھے آدمی کا مذاق اُڑایا ہوگا تو کس قدر ندامت کا سامنا ہوگا، لہٰذا کسی کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے۔

مذاق اور مزاح میں فرق:

میں نے حدیث شریف کے بیان میں کہا تھا کہ ایک چیز ہے مذاق اُڑانا، اور ایک ہے مزاح کرنا، دونوں کے درمیان فرق ہے، مذاق اُڑانے سے دُوسرے کی تخفیف مراد ہوتی ہے، یعنی دُوسرے کی عزّت کو ہلکا کرنا، اور جس شخص کا مذاق اُڑایا جائے، اس سے ہنسی اور تمسخر کیا جائے وہ بے چارہ سبکی محسوس کرتا ہے۔ اور مزاح سے مراد اس کو مانوس کرنا ہوتا ہے، یعنی کوئی ایسی بات کہی کہ جس سے خوش طبعی پیدا ہوجائے اور دُوسرا آدمی مانوس ہوجائے۔ دِل توڑنے کا نام خوش طبعی نہیں، یہ ہماری بدمذاقی ہے کہ کہتے ہیں کہ: ”میں تو ویسے ہی مذاق کر رہا تھا“ اس میں ایک تو مذاق اُڑانے کا گناہ ہوا، دُوسرا جھوٹ بولنے کا۔

خوش طبعی میں بھی جھوٹ بولنا جائز نہیں:

حالانکہ خوش طبعی کی بات میں جھوٹ بولنا بھی جائز نہیں، خلافِ واقعہ بات بیان کرنا بھی جائز نہیں، اس معاملے میں ہمارے ہاں بڑی گڑبڑ ہوتی ہے، کسی کو پریشان کرنے کے لئے فرضی کہانی سنادی، بعد میں کہہ دیا کہ: ”میں تو مذاق کر رہا تھا!“ یہاں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہے کہ کسی مردوں کی جماعت کو مردوں کا اور کسی عورتوں کی جماعت کو عورتوں کا مذاق نہیں اُڑانا چاہیے، اللہ تعالیٰ نے افراد کو ذکر نہیں فرمایا، مراد فرد ہے یعنی مردوں کی جماعت میں سے کوئی فرد کسی فرد کا مذاق نہ اُڑائے، اور عورتوں کی جماعت میں سے کوئی عورت کسی عورت کا مذاق نہ اُڑائے، ان دونوں جنسوں کو اللہ تعالیٰ نے الگ الگ بیان فرمایا ہے، اس لئے کہ اگر مردوں کی جماعت

عورتوں کا مذاق اُڑائے تو یہ مروّت کے خلاف ہے، اور اگر کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اُڑائے تو یہ خلافِ حیا ہے، تو گویا کہ یہ فرمایا جارہا ہے کہ یہ تو ممکن نہیں کہ کوئی مرد کسی عورت کا مذاق اُڑائے، اور یہ بھی ممکن نہیں کہ کوئی عورت کسی مرد کا مذاق اُڑائے، اس لئے دو صورتوں کو بیان فرمایا ہے، اور دو کو حذف کردیا، واللہ اعلم!

بڑے آدمی کا مذاق اُڑانا رذالت ہے:

اور یہاں سے ایک اور بات بھی معلوم ہوگئی کہ چھوٹا آدمی کسی بڑے کا مذاق اُڑائے تو یہ اس کے چھوٹے پن اور رذالت کی دلیل ہے، ہاں! کبھی برابر والا برابر والے کا مذاق اُڑائے تو خیال ہوسکتا ہے کہ شاید دُرست ہو، لیکن حق تعالیٰ شانہٗ نے فرمایا کہ ہوسکتا ہے کہ تم سے بہتر ہو، مطلب یہ کہ بظاہر تو وہ تمہارے برابر کا ہے، لیکن احتمال ہے کہ مرتبے کے اعتبار سے تم سے بڑا ہو، اگرچہ تمہارا ہم عمر ہے، ہم عصر ہے، ظاہر میں تمہاری طرح کا آدمی ہے، لیکن رُتبے کے اعتبار سے تم سے بہتر ہے، اور اگر مرتبے کے اعتبار سے بہتر ہے تو تم کو مذاق نہیں اُڑانا چاہئے، کیونکہ یہ اسی طرح ناروا ہوگا جس طرح کہ کوئی ماتحت اَن جانے میں اپنے افسرِ اعلیٰ کا مذاق اُڑائے، پہلے چونکہ پہچانا نہیں تھا، اس لئے مذاق اُڑالیا، بعد میں جب پتا چلا تو معذرت کرنے لگا، تو ایک تو یہ ہدایت فرمائی۔

کسی پر طعن کرنا:

دُوسری ہدایت یہ فرمائی کہ آپس میں ایک دُوسرے پر طعن نہ کیا کرو، سورۃ الھمزۃ میں ایسے شخص کے لئے ”ویل“ کا لفظ استعمال فرمایا ہے: ”وَيۡلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِۣ“ (بڑی خرابی ہے ہر ایسے شخص کے لئے جو پسِ پشت عیب نکالنے والا ہو، اور رُو در رُو طعنہ دینے والا ہو)۔

کسی کی عیب جوئی کرنا اور کسی کو اس کے عیب کا طعنہ دینا بڑا گناہ ہے، بعض لوگوں کا ہاضمہ ایسا خراب ہوتا ہے کہ کسی کا عیب معلوم ہوجائے تو جب تک وہ لوگوں کے سامنے اُچھالے نہیں، گائے نہیں، اس غریب کی روٹی ہضم نہیں ہوتی، تو ایسے لوگوں کو اگر کسی کا عیب معلوم ہوجائے اور وہ اس کو لوگوں کے پاس گائیں نہیں تو ان کا پیٹ پھول جاتا ہے، کسی کا عیب کسی کے سامنے بیان کرنا کم ظرفی کی علامت ہے، اکابر فرماتے ہیں: "صُدُوْرُ الْأَحْرَارِ قُبُوْرُ الْأَسْرَارِ" یعنی آزاد اور شریف لوگوں کے سینے لوگوں کے بھیدوں کی قبریں ہیں۔

لوگوں کے راز کی باتیں ان کے سینوں میں اتنی محفوظ ہیں کہ کسی کو خبر نہیں۔ تو شریف لوگ وہ ہیں جن کو لوگوں کی باتیں اور ان کے عیوب معلوم ہیں، مگر کبھی کسی کے سامنے ان کا اظہار نہیں کیا۔ الغرض! کسی کا عیب اس کی غیر موجودگی میں بیان کرنا غیبت کہلاتا ہے اور اس کے منہ پر بیان کرنا طعن کہلاتا ہے، اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ نہ کسی کی غیبت کرو اور نہ ایک دُوسرے کو طعن کرو۔

طعنے دینا عورتوں کی خصلت ہے:

عورتیں بیچاری اس معاملے میں بہت زیادہ کمزور ہوتی ہیں، ان کی یہ خاص بیماری ہے، خصوصاً اگر عورتوں کے درمیان لڑائی ہوجائے تو خوب طعن و تشنیع کرتی ہیں، اور ایک دُوسری کی غیبتیں کرتی ہیں۔ ہمارے ہاں ایک تھانے دار تھے، وہ کہتے تھے کہ: میں نے بہت سارے خفیہ قتل عورتوں کے ذریعے معلوم کئے ہیں، دیہاتی عورتیں جب رات کو رفعِ حاجت کے لئے جاتی ہیں تو دُنیا جہان کی کہانیاں بیان کرتی ہیں، وہ کہتے تھے کہ میں بھیس بدل کر زنانہ لباس میں چلا جاتا تھا، رات کا اندھیرا ہوتا تھا، عورتیں قصے کہانیاں بیان کرتی تھیں اور ان کی باتوں سے قتل کا سراغ لگالیتا۔ تو ایک دُوسرے کو طعن نہیں کرنا چاہیے۔

بُرے القاب سے پکارنا:

ایک ہدایت یہ فرمائی کہ ایک دُوسرے کو بُرے القاب اور بُرے ناموں سے نہ پکارو، صحابہ کرامؓ فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو زمانۂ جاہلیت میں ہم میں سے ہر ایک کے دو، دو، چار، چار نام تھے۔ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاحب کو اس کا نام لے کر بلایا، تو عرض کیا گیا کہ: وہ شخص اس نام سے بلائے جانے کو پسند نہیں کرتا، یہ سن کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلانِ عام فرمادیا، اور ممانعت فرمادی کہ کسی شخص کا ایک سے زیادہ نام نہ رکھا جائے، اور یہ جو بُرے بُرے لقب لوگوں نے تجویز کر رکھے ہیں، ان اَلقاب کو اِستعمال نہ کیا جائے، اصل نام کو چھوڑ کر یہ جو اور نام رکھے جاتے ہیں وہ کسی نہ کسی عیب کو ظاہر کرتے ہیں، اس لئے اللہ نے بُرے القاب سے پکارنے کی ممانعت فرمادی۔

بدگمانی اور تجسّس:

دُوسری آیت میں بدگمانی اور تجسّس سے منع فرمایا، بدگمانی یہ ہے کہ کسی شخص نے بڑی خیرخواہی کے طور پر کوئی بات کہی، اس کی بات خیرخواہانہ تھی اور اس کا مقصد اچھا تھا، مگر ہم نے اپنے پاس سے اس کا بُرا مقصد تصنیف کرلیا کہ اس مقصد کے لئے اس نے یہ بات کہی ہے، اچھا مقصد ذہن میں نہیں آتا۔ اور یہ بھی خاص عورتوں کی بیماری ہے، چونکہ ذہن میں کجی ہوتی ہے اس لئے بدگمانی کے طور پر اپنی طرف سے وجہ تصنیف کرلیتی ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ایسی بدگمانی ناجائز ہے، کیونکہ بعض گمان گناہ ہوتے ہیں، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

”اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ! فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ“

(مشکوٰۃ ص:۴۲۷)

ترجمہ:... ”بدگمانی سے بچا کرو، اس لئے کہ بدگمانی سب سے بدتر جھوٹی بات ہے۔“

بدگمانی کی فتنہ سامانی:

جس گھر میں بدگمانی داخل ہوجائے وہ گھر اُجڑ جاتا ہے، اور جس معاشرے میں بدگمانی کا دور دورہ ہوجائے وہ معاشرہ تباہ و برباد ہوجاتا ہے، کیونکہ جب ہر آدمی دُوسرے کی بات کا اُلٹا مطلب لے گا، اور ہر شخص دُوسرے سے بدگمان رہے گا تو باہمی اعتماد کیسے پیدا ہوگا؟ اور معاشرہ صحیح نہج پر کیسے قائم رہے گا؟ آج کل تمہارے ہاں بڑے لوگ کیا کر رہے ہیں؟ تمہیں معلوم ہی ہے! یہ عورتوں کی لگائی بجھائی کی ہوئی ہے، عورتیں بیچاری اس لگائی بجھائی کے معاملے میں ماہر ہوتی ہیں۔

دوزخ میں عورتوں کی کثرت:

عید کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے مجمع میں تشریف لے گئے، ان سے فرمایا:

''یَا مَعْشَرَ النِّسَآءِ! تَصَدَّقْنَ، فَاِنِّیْ اَرَیْتُکُنَّ اَکْثَر اَھْلَ النَّارِ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۳)

ترجمہ:... ''اے عورتوں کی جماعت! تم صدقہ کیا کرو، اس لئے کہ مجھے دِکھایا گیا ہے کہ جہنم میں اکثریت تمہاری ہوگی۔''

دُوسری حدیث میں فرمایا کہ:

''اِطَّلَعْتُ فِی الْجَنَّةِ فَرَأَیْتُ أَکْثَرَ أَھْلَھَا الْفُقَرَآءَ، وَاطَّلَعْتُ فِی النَّارِ فَرَأَیْتُ أَکْثَرَ أَھْلَھَا النِّسَآءَ۔''

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۴۶)

یعنی میں نے جنت کی سیر کی تھی، میں نے دیکھا کہ وہاں اکثریت کمزوروں کی تھی، جن بے چاروں کو یہاں کوئی پوچھتا نہیں، ٹوٹے پھوٹے

لوگ، گرے پڑے لوگ، اور میں نے دوزخ کو دیکھا تو وہاں اکثریت عورتوں کی تھی، اس لئے فرمایا کہ: تم دوزخ سے بچنے کے لئے صدقہ زیادہ کیا کرو۔ عورتوں نے پوچھا کہ: یا رسول اللہ! ہماری اکثریت وہاں کیوں ہوگی؟ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ: ایک عورت جو بڑی دانا تھی، اس نے کہا کہ: اس کی وجہ کیا ہے؟ فرمایا کہ: ''تُکْثِرْنَ اللَّعْنَ وَتَکْفُرْنَ الْعَشِیْرَ۔'' (مشکوٰۃ ص:۱۳) تم اپنے شوہر کی ناشکری کرتی ہو، کبھی خوش نہیں ہوتیں۔

عورتوں کی ناشکری:

یہ بے چاری عورتوں کی کمزوری ہے، گھر میں اللہ تعالیٰ نے کتنا ہی راحت کا سامان عطا کر رکھا ہو، کھانے کو موجود ہے، پہننے کو موجود ہے، ہر قسم کی راحت ہے، اللہ نے عزّت بھی دے رکھی ہے، رزق بھی دے رکھا ہے، لیکن خاتونِ خانہ کو ذرا چھیڑ کر دیکھئے، ایسا لگے گا کہ دُنیا میں اس سے زیادہ دُکھوں کی ماری کوئی نہیں ہے، ''الحمدللہ! حق تعالیٰ شانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے'' یہ کلمہ ان کی زبان سے کبھی نہیں نکلتا، اِلَّا ماشاء اللہ!

حضرت مولانا عزیر گلؒ کا واقعہ:

''الحمدللہ'' پر مجھے قصہ یاد آیا، میں اور مفتی احمدالرحمٰن مرحوم، حضرت مولانا عزیر گلؒ جو کہ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد اور خادم تھے، ان کی زیارت کو گئے تھے، حضرتؒ ان دنوں صاحبِ فراش تھے، چند دنوں بعد اِنتقال ہوگیا تھا، پیشاب پاخانہ بھی دُوسرے لوگ کرواتے تھے، اور ایک عرصے سے آنکھیں بھی ضائع ہوگئی تھیں، کھا نہیں سکتے تھے، پی نہیں سکتے تھے، نظر کچھ نہیں آتا، پیشاب پاخانے کے لئے دُوسروں کے محتاج تھے، ہم دونوں گئے تو ان کو اِطلاع کی گئی کہ فلاں فلاں آئے ہیں، فرمایا: بلالو! بلالیا، سلام کیا، جواب دیا، مفتی احمد الرحمٰن رحمہ اللہ نے پوچھا کہ: کیا حال ہے؟ اتنے

مزے سے ''الحمدللہ'' کہا کہ آج تک اس کی مٹھاس کانوں میں ہے، ''الحمدللہ'' ایسا معلوم ہورہا تھا کہ رُواں رُواں ان کا ''الحمدللہ'' کہہ رہا ہے۔

نعمتوں پر شکر کرو:

الغرض! ہم لوگوں کو جو نعمتیں، اور جو چیزیں حاصل ہیں، ان پر کبھی ''الحمدللہ'' نہیں کہتے، اور جو چیزیں حاصل نہیں، ہمیشہ ان پر کڑھتے رہتے ہیں، حالانکہ دُنیا کی ساری چیزیں ایک آدمی کو تو حاصل نہیں ہوسکتیں، یہ تو حکمت کے خلاف ہے، آپ یہ چاہیں کہ دُنیا میں آپ کو کوئی رنج و پریشانی نہ ہو، کوئی مراد ایسی نہ رہے جو پوری نہ ہو، کسی قسم کی کوئی اُلجھن نہ ہو، یہ تو اس دُنیا میں ناممکن ہے، پھر یہ دُنیا دُنیا کیوں ہوگی، جنت ہوگی!

دریں دُنیا کسے بے غم نہ باشد
اگر باشد بنی آدم نہ باشد

دُنیا میں ایسا کون ہے جس کا کوئی پہلو کمزور نہ ہو؟ میرے مولا کی حکمت کارفرما ہے کہ کسی کو کچھ دے رکھا ہے، کسی کو کچھ دے رکھا ہے، ہمیں تو حکم ہے کہ ہر حال میں مالک کا شکر بجالاؤ، لیکن عورتیں بے چاری بہت کمزور ہوتی ہیں اس معاملے میں، ان کے منہ سے کلمۂ شکر بہت کم نکلتا ہے۔

ایک شکرگزار عورت کا واقعہ:

آپ کو یاد ہوگا ایک مرتبہ میں سکھر گیا تھا، وہاں میرے ایک عزیز کرنل صاحب تھے، باتوں باتوں میں انہوں نے بتایا کہ ہم دونوں میاں بیوی چار بجے اُٹھتے ہیں، گرمیوں کے موسم میں چار بجے تہجد پڑھی، اس کے بعد فجر کی نماز پڑھ کر میں تو لیٹ جاتا ہوں، اور کوئی آٹھ بجے اُٹھتا ہوں، تو میں دیکھتا ہوں کہ گھر والی مصلے پر بیٹھی

ہے، چار بجے سے دُعائیں مانگ رہی ہے، یہ ہمیشہ کا معمول ہے، وہ کہتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے اس سے کہا کہ: تو کیا مانگتی رہتی ہے، چار گھنٹے ہوگئے؟ کہتی ہے: کچھ بھی نہیں مانگتی رہتی، بس اللہ کا شکر اَدا کرتی رہتی ہوں، یا اللہ! آپ نے ہم پر کتنے اِنعامات فرمائے ہیں، بس یہی شکر کرتی رہتی ہوں۔ سبحان اللہ! کیسی شکرگزار بی بی ہیں۔

اکثر لوگ ناشکرے ہوتے ہیں:

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَقَلِيْلٌ مِّنْ عِبَادِیَ الشَّکُوْرُ“ (سبا:۱۳) (اور بہت کم ہیں میرے بندوں میں شکر اَدا کرنے والے)۔ اکثر ناشکرے ہیں کہ کھاپی کر بھی کفرانِ نعمت کرتے ہیں، مالک نے سب کچھ دے بھی رکھا ہے، پھر بھی ان کے منہ سے کلمۂ شکر نہیں نکلتا، اگر منہ سے نکل جائے تو دِل سے نہیں نکلتا، اور اگر رسمی طور پر الحمدللہ کہہ بھی دیں تو ایسا نہیں کہ دِل کی گہرائیوں سے شکر نکلے۔

الغرض! عورتیں شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ:

”مَنْ لَّمْ يَشْكُرِ النَّاسَ لَمْ يَشْكُرِ اللهَ۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۶۱)

ترجمہ:... ”جو اِنسانوں کا شکر اَدا نہیں کرتا، وہ اللہ کا شکر بھی ادا نہیں کرتا۔“

تو گھروں میں ساری لڑائی اسی وجہ سے ہے کہ مجھے یہ نہیں دیا، وہ نہیں دیا، مطالبات کی ایک طویل فہرست ہے، جو ”پی ڈی اے“ (پاکستان ڈیموکریٹک الائنس، یعنی پی پی اور اس کی حلیف جماعتوں کے اتحاد) کے مطالبات سے بھی زیادہ لمبی ہے، ہر روز ایک مطالبہ، ایک نیا لفافہ، اب مطالبات کے اس جنگل کو کاٹنا، اس کو سر کرنا غریب مرد کے بس کی بات نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: اگر تم ان

میں سے کسی کے ساتھ ساری عمر بھلائی کرتے رہو، اگر ایک دن کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہوجائے تم سے، تو کہیں گی: ’’مَا رَأَیْتُ مِنْکَ خَیْرٌ قَطُّ!‘‘(فتح الباری ج:۲ ص:۵۴۰) کہ میں نے تجھ سے کبھی بھلائی نہیں دیکھی۔ یہ تھی وہ بات جس پر فرمایا کہ تم اپنے شوہر کی ناشکری بہت کرتی ہو، اور دُوسری بات یہ کہ تم لعنت ملامت بہت کرتی ہو، اور تم اچھے خاصے سمجھ دار، ہوشیار، عقل مند آدمی کی عقل کو ایسا چکر دیتی ہو کہ وہ بے چارہ پریشان ہوکر رہ جاتا ہے، ایسی اُلجھنیں، اور ایسی گرہیں ڈال دیتی ہیں کہ عقل کے ناخن ان گرہوں کو کھولنے سے عاجز آجاتے ہیں۔

لوگوں کے عیوب کی ٹوہ لگانا:

الغرض! کسی کے عیب کی ٹوہ لگانا ایک گناہ ہے، پھر اگر کسی کا عیب معلوم ہوگیا تو اس کو بیان کرنا دُوسرا گناہ، اور یہ بیان کرنا اگر اس کے سامنے ہوگا تو اس کو ’’طعن‘‘ کہتے ہیں، جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ’’وَیْلٌ لِّکُلِّ ھُمَزَةٍ لُّمَزَةٍ‘‘ (خرابی ہے طعن کرنے والے، عیب چین کے لئے)۔

فرمایا کہ: ایک دُوسرے کو طعن مت کیا کرو۔ ہم میں سے زیادہ تعداد ان لوگوں کی ہے، کیا مرد، کیا عورتیں، جو اس بیماری میں مبتلا ہیں۔ جس طرح حجاج بن یوسف کی تلوار سے کوئی محفوظ نہیں تھا، اسی طرح شاید ہی کوئی اللہ کا بندہ ہماری زبان کی تلوار سے محفوظ رہا ہو۔ یہ چوڑھے کا چھرا ہے، جو نہ حلال کو دیکھتا ہے نہ حرام کو، نہ بڑے کو دیکھتا ہے نہ چھوٹے کو، نہ بُرے کو دیکھتا ہے نہ اچھے کو، کسی شخص کو ہماری زبان سے امان نہیں، ہماری زبان کترنی کی طرح ہر ایک کو کاٹتی چلی جاتی ہے۔

اور اگر کبھی کسی کا عیب معلوم ہوگیا، اور اس کے سامنے بیان کرنے کی جرأت نہیں، اب عیب معلوم ہونے کے بعد ہم موقع تلاش کرتے ہیں کہ دُوسروں کے سامنے بیان کریں گے، اس کے سامنے بیان نہ ہو، اس کو ’’غیبت‘‘ کہتے ہیں۔ رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

”ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ، قِيلَ: أَفَرَأَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ أَخِيْ مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ، وَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهُ۔“

(مشکوٰۃ ص:۴۱۲)

یعنی غیبت یہ ہے کہ تم اپنے بھائی کا ایسی بات کے ساتھ تذکرہ کرو کہ اگر اس کے سامنے تذکرہ کیا جاتا تو اس کو بُرا لگتا۔ پیٹھ پیچھے اس لئے تذکرہ کرتے ہیں کہ اگر سامنے تذکرہ کریں تو اس کو بُرا لگے گا، اور وہ ناراض ہوگا۔ ایک صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! یہ فرمائیے کہ اگر میرے بھائی میں وہ بات موجود ہو جو میں بیان کرتا ہوں، یعنی سچی بات کہوں تو؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اگر وہ بات اس میں پائی جاتی ہے تو تم نے اس کی غیبت کی، اور اگر وہ اس میں نہیں پائی جاتی بلکہ اپنے پاس سے تصنیف کرکے اس سے منسوب کی تو پھر تم نے اس پر بہتان باندھا، پھر یہ غیبت نہیں بلکہ بہتان ہے۔

جب تم کسی آدمی کی بُرائی کروگے اس کی پیٹھ پیچھے، تو دو ہی شکلیں ہیں، یا تو واقعتاً اس میں وہ پائی جاتی ہے، تو یہ غیبت ہوگی اور غیبت، زنا سے بدتر ہے، یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے، اور اگر وہ بات اس میں پائی نہ جاتی ہو بلکہ جناب کے اپنے ذہن کی تصنیف ہو تو پھر یہ بہتان ہے، خالص تہمت۔ غیبت کو اللہ تعالیٰ نے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھانے سے تشبیہ دی، ایک حدیث میں آتا ہے کہ دو صحابی کسی تیسرے آدمی کا تذکرہ کر رہے تھے، ظاہر ہے کہ تذکرہ ایسا ہوگا۔

ہمارے حضرت حکیم الاُمت تھانویؒ ارشاد فرماتے ہیں کہ: غیبت سے بچنے کا یہی طریقہ ہے کہ کسی آدمی کا تذکرہ اس کی پیٹھ پیچھے مت کیا کرو، جب بھی تذکرہ کروگے تو بات کھینچ تان کر قدرتی طور پر غیبت پر آجائے گی۔ اور ہمارے لئے تو دِلچسپ موضوع ہی یہی ہے۔

”فَسَمِعَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلَیْنِ مِنَ الْأَنْصَارِ یَقُوْلُ أَحَدُهُمَا لِصَاحِبِہٖ .... فَسَکَتَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ سَارَ سَاعَةً فَمَرَّ بِجِیْفَةِ حِمَارٍ شَائِلٍ بِرِجْلِہٖ فَقَالَ: أَیْنَ فُلَانٌ وَّفُلَانٌ؟ فَقَالُوْا: نَحْنُ ذَا یَا رَسُوْلَ اللهِ! فَقَالَ لَهُمَا: کُلَا مِنْ جِیْفَةِ هٰذَا الْحِمَارِ! فَقَالَا: یَا رَسُوْلَ اللهِ! غَفَرَ اللّٰہُ لَکَ، مَنْ یَّأْکُلُ مِنْ هٰذَا؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: مَا نِلْتُمَا مِنْ عِرْضِ هٰذَا الرَّجُلِ اٰنِفًا أَشَدُّ مِنْ أَکْلِ هٰذِهِ الْجِیْفَةِ .....“

(الترغیب والترہیب ج:۳ ص:۳۳۰، طبع: دارالکتب العلمیہ بیروت)

ترجمہ:... ”دو صحابی تذکرہ کر رہے تھے کسی تیسرے شخص کا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سن لیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جارہے تھے، آگے دیکھا کہ ایک مرے ہوئے گدھے کی لاش پڑی ہے، دونوں کو بلوالیا اور فرمایا کہ: اس مردار کی لاش میں سے کھاؤ! انہوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! گدھا اور اس کی لاش، اس کو کون کھاسکتا ہے؟ فرمایا کہ: یہ جو تم دونوں نے اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھایا، یعنی اس کی غیبت کی، وہ اس لاش سے زیادہ بدتر ہے۔“

تو اس خطبے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اے ان لوگوں کی جماعت جن کی زبانوں نے تو اِسلام کا اقرار کرلیا ہے لیکن ان کے دِل میں ایمان نہیں اُترا، مسلمانوں کی غیبتیں نہ کرو، اور ان کے عیوب کو تلاش نہ کرو، عیوب تلاش کرنے کے معنی یہ ہیں کہ ٹوہ لگائی جائے کسی کا عیب معلوم کرنے کے لئے۔ بعض لوگوں کو یہ بھی خاص بیماری ہوتی ہے تحقیقات کی، اور اس تحقیقات کا مقصد ہوتا ہے ان

لوگوں کے عیوب کو اُچھالنا اور ان کی کمزوریوں کو بیان کرنا، اور ان کی عزّت کو پامال کرنا، اور لوگوں کے سامنے ان کی بُرائیاں کرنا۔

مسلمانوں کے عیوب تلاش کرنے والے کی سزا:

فرمایا: مسلمانوں کی کمزوریوں اور ان کے عیوب تلاش کر کے بیان نہ کرو، اس لئے کہ بُرائی کا بدلہ ویسی ہی بُرائی ہوتی ہے، تم مسلمانوں کے عیوب تلاش کروگے تو اللہ تبارک وتعالیٰ تمہارے عیوب تلاش کریں گے، اللہ تعالیٰ معاف کرے، اگر اللہ تعالیٰ کسی کے عیوب تلاش کرنے لگیں تو اس کو گھر بیٹھے رُسوا کردیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ کو تو سب کچھ معلوم ہے، اسی لئے فرمایا کہ: جو شخص اپنے مسلمان بھائی پر پردہ ڈالے گا، کہ تمہیں کسی کا عیب معلوم ہوگیا مگر تم نے اس پر پردہ ڈال دیا اور کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تو قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ اس کے عیوب پر پردہ ڈالیں گے، جیسا معاملہ تم مسلمانوں کے ساتھ کروگے، ویسا معاملہ اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ کریں گے۔

دُعا:

یا اللہ! ہم تیرے گناہگار بندے ہیں، یا اللہ! ہمیں قیامت میں رُسوا نہ کیجئے، ہمارے عیوب پر پردہ ڈال دیجئے، اور ہمارے گناہوں کی مغفرت فرمادیجئے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

ضمیمہ

از

''تبلیغِ دِین''

اِمام غزالی رحمہ اللہ

''مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس وعظ کے آخر میں اِمام غزالی رحمہ اللہ کے رسالے ''تبلیغِ دِین'' سے غیبت کا بیان نقل کردیا جائے، تاکہ یہ رسالہ اس موضوع پر کسی حد تک جامع ہوجائے۔''

غیبت کی حقیقت:

کسی مسلمان کے پیٹھ پیچھے اس کے متعلق کوئی واقعی بات ایسی ذکر کرنا کہ اگر وہ سنے تو اس کو ناگوار گزرے، ''غیبت'' کہلاتی ہے۔ مثلاً: کسی کو بے وقوف یا کم عقل کہنا، یا کسی کے حسب ونسب میں نقص نکالنا، یا کسی کی کسی حرکت یا مکان یا مویشی یا لباس، غرض جس شے سے بھی اس کو تعلق ہو، اس کا کوئی عیب ایسا بیان کرنا جس کا سننا اسے ناگوار گزرے، خواہ زبان سے ظاہر کی جائے یا رمز وکنایہ سے، یا ہاتھ سے

اور آنکھ کے اِشارے سے، یا نقل اُتاری جائے، یہ سب غیبت میں داخل ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک موقع پر کسی عورت کا ٹھگنا ہونا ہاتھ کے اِشارے سے ظاہر کیا اور یوں کہا تھا کہ: یا رسول اللہ! وہ عورت جو اتنی سی ہے۔ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اے عائشہ! تم نے اس کی غیبت کی ہے''۔

مولویوں کا اندازِ غیبت:

سب سے بدتر غیبت وہ ہے جس کا رواج مقتدا اور دِین دار لوگوں میں ہو رہا ہے، کیونکہ وہ غیبتیں کرتے ہیں اور پھر اپنے آپ کو نیک سمجھتے ہیں۔ ان کی غیبتیں بھی نرالے انداز کی ہوتی ہیں، مثلاً: مجمع میں کہنے لگے کہ: ''اللہ کا شکر ہے اس نے ہم کو اَمیروں کے دروازوں پر جانے سے بچا رکھا ہے، ایسی بے حیائی سے خدا پناہ میں رکھے'' اس کلمے سے جو کچھ ان کا مقصود ہے وہ ظاہر ہے کہ اُمراء کے پاس بیٹھنے والے مولویوں پر طعن کرنا اور ان کو بے حیا کہنا منظور ہے، اور ساتھ ہی اپنی صلاحیتِ تقویٰ جتا رہے ہیں اور رِیاکاری کا گناہ کما رہے ہیں۔ اسی طرح مثلاً: کہنے لگے کہ: ''فلاں شخص کی بڑی اچھی حالت ہے، اگر اس میں حرصِ دُنیا کا شائبہ نہ ہوتا جس میں ہم مولوی لوگ مبتلا ہوجاتے ہیں'' اس فقرے سے بھی جو کچھ مقصود ہے وہ ذرا سے تأمل سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اس کا بے صبرا ہونا ظاہر کرتے ہیں، اور اپنی طرف حرص کی نسبت اس نیت سے کرتے ہیں کہ سننے والا ان کو متواضع سمجھے، اور یہی غیبت ہے، ساتھ ہی رِیاکاری بھی ہے۔ زیادہ تعجب تو اس پر ہوتا ہے کہ یہ حضرات غیبت کرتے ہیں اور اپنے آپ کو غیبت سے محفوظ اور پارسا سمجھتے ہیں۔ یا مثلاً: بول اُٹھے ''سبحان اللہ! بڑے تعجب کی بات ہے'' اور جب اتنا کہنے پر لوگوں نے اس بات کے سننے کے شوق میں ان کی جانب کان لگائے تو کہنے لگے: ''کچھ نہیں! فلاں شخص کا خیال آگیا تھا، حق تعالیٰ ہمارے اور اس کے حال پر رحم فرمائے اور توبہ کی توفیق دے'' اس فقرے

کا جو کچھ منشا ہے وہ عقل مند پر مخفی نہیں ہے، کیونکہ ان کا یہ کلمہ ترحم وشفقت یا دُعا کی نیت سے نہیں ہوتا جیسا کہ ظاہری الفاظ سے فہم پڑتا ہے، اس لئے کہ اگر دُعا کرنی مقصود ہوتی تو دِل ہی دِل میں کیوں نہ کرلیتے، ''سبحان اللّٰہ'' کہہ کر لوگوں کو متوجہ کرنا اور معصیت کا اشارہ کرنا ہی کیا ضروری تھا؟ یا کسی شخص کا عیب ظاہر کرنا بھی کوئی شفقت یا خیرخواہی کی بات ہے؟ اسی طرح بعض لوگوں کی عادت ہے کہ غیبت سے منع کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ: ''بھائی! غیبت مت کیا کرو'' مگر دِل ان کا غیبت کو مکروہ نہیں سمجھتا بلکہ اس نصیحت کرنے سے محض اپنی دِین داری اور تقویٰ کا اظہار کرنا مقصود ہوتا ہے۔ اسی طرح کسی مجمع میں غیبت ہوتی ہے تو ناصح اور پارسا بن کر کہنے لگتے ہیں کہ: ''میاں! غیبت کرنا گناہ ہے، اس سے ہم سننے والے بھی گناہگار ہوتے ہیں۔''

یہ لوگ کہنے کو تو کہہ جاتے ہیں، مگر دِل ان کا مشتاق رہتا ہے کہ ''کاش! یہ شخص ہماری نصیحت پر عمل نہ کرے، جو کچھ کہہ رہا ہے کہے جائے اور ہمیں سنائے جائے'' بھلا کوئی ان سے پوچھے کہ غیبت سننے کا اِنتظار بھی ہے اور پھر یوں بھی سمجھتے ہو کہ ہم منع کرکے گناہ سے سبکدوش ہوگئے۔ یاد رکھو! کہ جب تک غیبت کرنے اور سننے کو دِل سے بُرا نہ سمجھوگے تو اس وقت تک غیبت کے گناہ سے ہرگز نہ بچوگے، کیونکہ غیبت کرنے والا اور سننے والا دونوں برابر ہیں، اور جس طرح زبان سے غیبت کرنا حرام ہے اسی طرح دِل سے غیبت کرنا بھی حرام ہے، البتہ چند صورتوں میں خاص لوگوں کی غیبت کرنا جائز ہے، جس کی تفصیل ہم بیان کرتے ہیں:

مظلوم کو ظالم کی غیبت کرنا جائز ہے:

اوّل:... مظلوم شخص ظالم کی شکایت اگر اَفسرِ اعلیٰ تک پہنچائے اور اپنے اُوپر سے ظلم رفع کرنے کی نیت سے اس کے مظالم بیان کرے تو گناہ نہیں ہے، البتہ ظالم کے عیوب کا ایسے لوگوں سے بیان کرنا جنھیں اس کو سزا دینے یا مظلوم کے اُوپر سے ظلم

رفع کرنے کی طاقت نہ ہو، بدستور غیبت میں داخل اور حرام ہے۔ ایک بزرگ کی مجلس میں حجاج بن یوسف کا ذکر آ گیا تھا، تو انہوں نے یوں فرمایا کہ: ”حق تعالیٰ انصاف کے دن مظلوموں کا بدلہ حجاج سے لے گا، اور حجاج کا بدلہ اس کی غیبت کرنے والوں سے لے گا، اس لئے کہ بہتیرے آدمی حجاج کے مظالم ایسے آدمیوں کے سامنے بیان کرتے ہیں جن کو حجاج کے کئے ہوئے ظلم رفع کرنے کی طاقت نہیں، تو ایسے لوگوں کے سامنے حجاج کی غیبت کس طرح جائز ہوسکتی ہے؟“

بدعتی کی غیبت کرنا جائز ہے:

دوم:... کسی شخص سے کوئی بدعت یا خلافِ شرع اَمر کے رفع کرنے میں مدد لینی ہو یا کسی کو اس کے فتنے سے بچانا ہو تو اس سے بھی ان بدعتی لوگوں کا حال بیان کرنا اگرچہ ان کی غیبت کرنا ہے، مگر جائز ہے۔

فتویٰ کی مدد سے کسی کی غیبت کرنا جائز ہے:

سوم:... مفتی سے فتویٰ لینے کے لئے اِستفتاء میں اَمرِ واقعی کا اظہار کرنا بھی جائز ہے، اگرچہ اس اظہارِ حال میں کسی کی غیبت ہوتی ہو۔ دیکھو! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت ہندہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ: ”یا رسول اللہ! میرا خاوند ابوسفیانؓ اتنا بخیل ہے کہ بقدرِ کفایت بھی مجھ کو خرچ نہیں دیتا“ اور ظاہر ہے کہ یہ ابوسفیان رضی اللہ عنہ کی شکایت اور غیبت تھی، مگر چونکہ مفتیٔ شریعت سے اِستفسار کیا جارہا ہے کہ اس صورت میں میرے لئے شریعت کیا حکم دیتی ہے؟ لہٰذا اس غیبت میں کچھ حرج نہیں۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ اس صورت میں بھی یہ غیبت اسی وقت جائز ہے کہ جب اس میں اپنا یا کسی مسلمان کا فائدہ مقصود ہو۔

دُوسرے کو نقصان سے بچانے کے لئے غیبت کرنا:

چہارم :... اگر کوئی شخص کسی سے نکاح یا خرید و فروخت کا معاملہ کرتا ہے، اور تم کو علم ہو کہ اس معاملے میں ناواقفیت کی وجہ سے اس کا نقصان ہے، تو اس کو نقصان سے بچانے کے لئے اس کا حال بیان کردینا جائز ہے۔ اسی طرح قاضی کی عدالت میں کسی گواہ کا کوئی عیب اس نیت سے ظاہر کرنا کہ صاحبِ حق کو اس مقدمے میں میرے خاموش رہنے سے نقصان نہ پہنچے، جائز ہے۔ البتہ صرف اسی شخص سے ذکر کرنا جائز ہے جس کے نقصان کا اندیشہ ہو یا جس پر فیصلے اور حکم کا مدار ہو۔

پنجم :... اگر کوئی شخص ایسے ہی نام سے مشہور ہو جس میں عیب ظاہر ہوتا ہے، مثلاً: اَعمش (چندھا)، اعرج (لنگڑا) تو اس نام سے اس کا پتا بتلانا غیبت میں داخل نہیں ہے، پھر بھی اگر دُوسرا پتا بتلادو تو بہتر ہے تاکہ غیبت کی صورت بھی پیدا نہ ہو۔

ششم :... اگر کسی شخص میں کوئی عیب ایسا کھلا ہوا پایا جاتا ہے کہ لوگ اس کا یہ عیب ظاہر کرتے ہیں تو اسے ناگوار نہیں گزرتا، مثلاً مخنث یا ہیجڑا کہ ان کے اس فعل کا تذکرہ کیا جاتا ہے تو ان کو خیال بھی نہیں ہوتا، تو یہ تذکرہ بھی غیبت سے خالی ہے، البتہ اگر اس کو ناگوار گزرے تو حرام ہے، کیونکہ فاسق کے بھی کسی ایسے گناہ کا ذکر کرنا جو اسے ناگوار گزرے بلاعذرِ خاص جائز نہیں ہے۔

غیبت کا علاج:

نفس کو غیبت سے روکنے کی تدبیر یہ ہے کہ غیبت کی سزا اور نقصان میں غور کرو، حدیث میں آیا ہے کہ: ''آگ جو گھاس میں اثر کرتی ہے، غیبت اس سے جلد اور زیادہ اثر مسلمان کی نیکیوں میں کرتی ہے۔'' یعنی غیبت کرنے سے نیک اعمال جل

جاتے ہیں۔ اب ذرا سوچو کہ جب کوئی نیکوکار شخص جس نے دُنیا میں مشقتیں اُٹھا اُٹھا کر نیکیاں جمع کی تھیں، جب قیامت کے دن اپنے نامۂ اعمال کو رے دیکھے گا اور اس کو معلوم ہوگا کہ غیبت کی وجہ سے اس کی نیکیاں اس شخص کے نامۂ اعمال میں لکھ دی گئی ہیں جس کی وہ غیبت کیا کرتا تھا، تو کس قدر حسرت و افسوس کرے گا۔

مسلمان کو سوچنے کے لئے اپنے ہی نفس کے عیوب بہتیرے ہیں، اس لئے مناسب ہے کہ جب فرصت ملے اپنی حالت پر نظر ڈالو، اور جو عیب پاؤ اس کے رفع کرنے میں مصروف ہوجاؤ کہ دُوسروں کے عیوب دیکھنے کا موقع ہی نہ آئے، اور یوں سمجھو کہ تمہارا ذرا سا عیب جتنا تم کو نقصان پہنچائے گا دُوسرے کا بڑا عیب بھی تم کو اس قدر نقصان نہیں پہنچائے گا۔ اور اگر تمہیں اپنا عیب نظر نہ آئے تو یہ خود ایسا عیب ہے جس کے برابر کوئی عیب نہیں، کیونکہ کوئی انسان عیب سے خالی نہیں ہے، پس اپنے آپ کو بے عیب سمجھنا تو بڑا سخت عیب ہے۔ اس لئے اوّل اس کا علاج کرو، اور اس کے بعد جو عیب نظر آتے جائیں ان کی تدبیر کرتے رہو، اور اگر اِتفاقاً اس پر بھی کسی شخص کی غیبت ہوجائے تو اللہ سے توبہ جدا کرو، اور اس شخص کے پاس جاکر غیبت کی خطا جدا معاف کراؤ، اور اگر اس سے نہ مل سکو تو اس کے لئے دُعائے مغفرت کرو اور خیرات کرکے اس کی رُوح کو اِیصالِ ثواب کرو۔ غرض چونکہ تم نے غیبت کرکے اپنے مسلمان بھائی پر ظلم کیا ہے اس لئے جس طرح ممکن ہو اس ظلم کی جلد تلافی کرو۔

توبہ کیسے کریں؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا اِنتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دُنیا سے تائب ہوکر گیا، اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

اس دن ایک دوست نے پرچہ دیا تھا کہ توبہ کیسے کی جائے؟ تو آج مختصر طور پر توبہ کے بارے میں کچھ عرض کرتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔ یوں کہتے ہیں کہ توبہ سالکین کی منازل میں سب سے پہلی منزل ہے، یعنی سالک جو اللہ تعالیٰ کے راستے پر چلنے کا قصد رکھتا ہو، اس کا سب سے پہلے کام اور پہلا قدم سچی توبہ کرنا ہے۔

توبہ کی حقیقت:

توبہ کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے چند باتیں ذہن میں رکھنا بہت ضروری ہیں، اوّل یہ کہ توبہ کے معنی لوٹ کے آنے کے ہیں، بندہ جب گناہوں میں مبتلا ہوجاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دُور جاپڑتا ہے، اور جب توبہ کرتا ہے تو گویا لوٹ کر واپس آجاتا ہے۔

توبہ کی شرائط:

ا:...توبہ کے لئے سب سے پہلی بات تو یہ ضروری ہے کہ آدمی کے دِل میں یہ مضمون پیدا ہوجائے کہ گناہ کرکے میں اللہ تعالیٰ سے دُور ہوگیا ہوں، اور میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہِ عالی میں جرم کا ارتکاب کیا ہے، میں مجرم ہوں، اس احساس کے

ساتھ اس کے دِل میں ندامت پیدا ہوگی اور اس کی علامت دِل میں شرمسار اور شرمندہ ہوجانا اور آنکھیں اُوپر نہ اُٹھا سکنا ہے۔ حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے جب خطا کا صدور ہوا تھا، اور ان کو حکم دیا گیا تھا کہ زمین پر اُتر جاؤ، تو یوں کہتے ہیں کہ سو سال تک انہوں نے نظر اُوپر اُٹھا کر نہیں دیکھا، اپنے آپ کو قصوروار سمجھتے تھے، اور قرآنِ کریم میں ان کی توبہ کی دُعا نقل کی ہے کہ حضرت آدم اور حضرت حوّا علیہما الصلوٰۃ والسلام دونوں نے کہا:

”رَبَّنَا ظَلَمۡنَآ اَنۡفُسَنَا وَاِنۡ لَّمۡ تَغۡفِرۡ لَنَا وَتَرۡحَمۡنَا لَنَكُوۡنَنَّ مِنَ الۡخٰسِرِيۡنَ۔“ (الاعراف:۲۳)

ترجمہ:... ”اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، (اپنا نقصان کرلیا ہے) اور اگر آپ ہماری بخشش نہیں فرمائیں گے اور ہم پر رحم نہیں فرمائیں گے تو کوئی شبہ نہیں کہ ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہوجائیں گے۔“

تو پہلی چیز یہ کہ ہمیں واقعتاً احساس ہوجائے کہ ہم گناہ کرکے مجرم کی حیثیت اختیار کرچکے ہیں، اور ہمارے دِل میں ندامت پیدا ہوجائے کہ واقعی ہم سے قصور ہوا ہے، حدیث شریف میں فرمایا ہے: ”اَلنَّدَمُ تَوۡبَةٌ“ (ترغیب وترہیب ج:۴ ص:۴۸، بحوالہ حاکم) توبہ ندامت کا نام ہے، کسی شخص کے دِل میں ندامت ہی پیدا نہ ہو، اور زبان سے توبہ کرتا رہے، یہ توبہ نہیں، تو جب یہ بات معلوم ہوگئی کہ توبہ کا پہلا قدم یہ ہے کہ آدمی کے دِل میں ندامت پیدا ہو، اور وہ اپنے آپ کو قصوروار سمجھے۔

۲:... دُوسری شرط یہ ہے کہ گناہوں کا علم ہو، جو آدمی گناہ کو گناہ نہیں سمجھتا، اس کے دِل میں ندامت پیدا نہیں ہوگی، وہ یہ کہے گا کہ: ”میں نے کونسا قصور کیا ہے کہ توبہ کروں؟“ بے شمار لوگ ایسے ہیں جو گناہ سے واقف ہی نہیں، یعنی یہ بھی معلوم نہیں کہ ہم گناہ کررہے ہیں، اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صغیرہ اور کبیرہ گناہوں

کو بیان کرنے کا اہتمام فرمایا ہے تاکہ اُمت کو معلوم ہوجائے کہ یہ چیزیں گناہ ہیں۔

صغیرہ گناہوں کو تو ضبط کرنا ہی مشکل ہے، لیکن کبیرہ گناہوں کی بعض اکابر نے فہرست مرتب کردی ہے، اور اس کے لئے مستقل کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں شیخ ابنِ حجر مکی رحمہ اللہ کی کتاب ''الزواجر عن الکبائر'' اچھی کتاب ہے، اس موضوع پر حافظ شمس الدین رحمہ اللہ کا بھی ایک مختصر سا رسالہ ہے، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کی فہرست جمع ہے، حضرت حکیم الاُمت مجدّد الملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی تھانوی قدس سرہٗ نے بھی کبیرہ گناہوں پر ''جزاء الاعمال'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا ہے، اور حضرت مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمہ اللہ کا بھی ایک رسالہ ہے ''گناہِ بے لذّت''، اس میں بھی کبیرہ گناہوں کو جمع کیا ہے، حضرت مولانا احمد سعید دہلوی رحمہ اللہ کا ایک رسالہ ہے ''دوزخ کا کھٹکا'' اس میں بھی اچھا مجموعہ گناہِ کبیرہ کا جمع کردیا گیا ہے۔

کبیرہ گناہ بہت سے ایسے ہیں جو اِنسان کے دِل سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو زبان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ایسے ہیں جو کان سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے ہاتھ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے پیٹ سے تعلق رکھتے ہیں، بہت سے شرم گاہ سے تعلق رکھتے ہیں، تو ان گناہوں کا ہمیں علم اور اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ان گناہوں پر جو وعیدیں سنائی ہیں کہ ایسا کرنے والے کو یہ سزا ملے گی، وہ بھی ہمارے سامنے ہوں، اور اس بات کا یقین ہو کہ یہ سزائیں جو ذکر فرمائی گئی ہیں، اگر اللہ تعالیٰ نے معافی عطا نہ فرمائی تو پھر ان سزاؤں کا ہم سے تحمل نہیں ہوسکے گا۔ تو یہ دُوسری چیز ہوئی یعنی ہم کو گناہوں کا اور ان پر ملنے والی سزاؤں کا علم ہو، تاکہ اس پر ندامت کا مضمون پیدا ہو۔

۳:... اور تیسری چیز کہ جب یہ معلوم ہوگیا کہ میں مجرم ہوں، اور مجھ سے قصور ہوا ہے، تو دِل کے ساتھ اور زبان کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی کا خواست گار

ہو، صرف زبان سے نہیں بلکہ یوں سمجھے کہ مجرم کو حاکم کے سامنے پکڑ کر لایا گیا ہے، یا کسی بھگوڑے غلام کو آقا کے سامنے لایا گیا ہے، اس وقت وہ دِل سے بھی شرمندہ ہوگا اور زبان سے بھی معافی کا خواست گار ہوگا، اگر کوئی غلام یا کوئی مجرم حاکم کے سامنے لایا جائے اور وہ زبان سے کچھ نہ کہے، لوگ اس کو کہا کرتے ہیں کہ ارے معافی مانگ لے، کہہ دے کہ مجھ سے غلطی ہوگئی، معاف کردیجئے۔ لیکن اگر وہ نہیں بولتا اور اپنے قصور کا اِقرار کرکے معافی کا طالب نہیں ہوتا تو حاکم کو غصہ آنا ہی چاہئے، لیکن اس پر دیکھنے والوں کو بھی غصہ آتا ہے کہ بدبخت کے منہ سے اتنا بھی نہیں نکلتا ہے کہ مجھے معاف کردو، بھول ہوگئی ہے، غلطی ہوگئی ہے، معاف کردیں، تو تیسری چیز ہے زبان اور دِل کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے معافی مانگنا۔

۴:... چوتھی بات یہ کہ سچے دِل سے توبہ کرتے ہوئے اس بات کا بھی یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ توّاب ہیں، توبہ قبول کرنے والے ہیں، ضرور قبول فرمائیں گے میری توبہ، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو بڑے سے بڑے گناہگار کو معاف کرسکتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معاف کرنے والا نہیں ہے۔ یہاں پر آکر شیطان دھوکا دیتا ہے اور وہ بندے سے کہتا ہے کہ: ”تو نے اتنے گناہ کئے ہیں، اتنے گناہ کئے ہیں، اب تو معافی کے لائق نہیں رہا، تیرے گناہوں کو کیسے معاف کیا جاسکتا ہے؟ دیکھ تو سہی کہ تو نے کتنے جرائم کئے ہیں؟“ شیطان کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ یہ رحمت سے مایوس ہوجائے، توبہ نہ کرے، اسی مقصد کے لئے شیطان اس کے گناہوں کو اتنا بڑا کرکے پیش کرتا ہے کہ اس کو یقین ہوجائے کہ میری کسی طرح بھی معافی نہیں ہوسکتی، میں ایسا گناہگار ہوں کہ لائقِ رحمت ہی نہیں رہا۔ اس کو کہتے ہیں کہ مایوسی کفر ہے، شیطان گناہ کو بڑا دِکھا کر مایوس کرنا چاہتا ہے تاکہ بندہ اللہ تعالیٰ سے معافی نہ مانگے، نعوذ باللہ! تو چوتھی چیز یہ ہے کہ آدمی شیطان کے اس مکر کو سمجھے، وہ گناہ کرتے وقت تو کہتا ہے کہ گناہ کرلے، اللہ بڑا غفور و رحیم ہے، معافی مانگ لینا۔ اور جب بندے نے حماقت سے

گناہ کرلیا تو اس کو رحمت سے مایوس کرتا ہے کہ تیری بخشش نہیں ہوسکتی، بندے کو شیطان کے اس مکر میں نہیں آنا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو معاف کردیں اور وہ سچے دِل سے توبہ کرنے والوں کو ضرور معاف فرمادیتے ہیں۔

اللہ کی شانِ کریمی:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

"اِنَّ عَبْدًا أَذْنَبَ فَقَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ فَاغْفِرْہُ! فَقَالَ رَبُّہٗ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اِنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَأْخُذُ بِہٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ! ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللہُ ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا فَاغْفِرْہُ! فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اِنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَأْخُذُ بِہٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ! ثُمَّ مَکَثَ مَا شَاءَ اللہُ، ثُمَّ أَذْنَبَ ذَنْبًا قَالَ: رَبِّ أَذْنَبْتُ ذَنْبًا اٰخَرَ، فَاغْفِرْہُ لِیْ! فَقَالَ: أَعَلِمَ عَبْدِیْ اِنَّ لَہٗ رَبًّا یَغْفِرُ الذَّنْبَ وَیَأْخُذُ بِہٖ، غَفَرْتُ لِعَبْدِیْ فَلْیَفْعَلْ مَا شَاءَ۔"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۲۰۳، ۲۰۴)

یعنی بندے نے گناہ کیا، اس سے یہ حماقت ہوئی کہ اس سے گناہ صادر ہوگیا، بعد میں وہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہے اور کہتا ہے کہ: "یا اللہ! مجھے معاف فرمادیں، مجھ سے قصور ہوا ہے، مجھے معاف فرمادیں" تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: "میرے بندے نے گناہ کیا، اس کے بعد وہ توبہ کے لئے میرے پاس آیا، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رَبّ ہے جو گناہوں کو معاف فرمادیا کرتا ہے، سو میں نے اپنے بندے کا گناہ معاف فرمادیا۔" آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: اس نے دوبارہ گناہ کا ارتکاب کیا اور گناہ کرکے پھر اللہ تعالیٰ سے کہتا ہے کہ: "یا اللہ! مجھ سے غلطی ہوئی، جرم ہوا ہے، اپنی رحمت سے اس کو معاف فرمادیجئے!" اللہ

تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندے نے قصور کیا ہے اور وہ تائب ہوکر میرے پاس آیا ہے، اور میرا بندہ جانتا ہے کہ میرے سوا کوئی گناہ کو معاف نہیں کرتا، میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا۔'' تیسری بار پھر بندہ گناہ کرتا ہے، پھر اسی طرح تائب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ سے معافی کا طالب ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''میرے بندے سے غلطی ہوئی، اور اَب یہ تائب ہوکر میرے پاس آیا ہے، اور یہ جانتا ہے کہ اس کا ایک رَبّ ہے جو گناہوں کو معاف کردیا کرتا ہے، اور اس کے سوا کوئی نہیں جو گناہوں کو معاف کرسکے، لہٰذا میں نے اپنے بندے کو معاف کردیا اور آئندہ یہ جو کچھ بھی کرتا رہے، میں نے معاف کردیا۔''

اللہ اکبر! کیا شانِ کریمی ہے! یہ نہیں فرماتے کہ: ''میں دو بار اس کو معاف کرچکا ہوں، لیکن یہ پھر گناہ کرتا ہے، تیسری بار پھر معافی مانگنے آیا ہے، اب اس کو معاف نہیں کروں گا'' نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ فرماتے ہیں کہ: ''میرا بندہ جتنی بار بھی گناہ کرے میں معاف کرتا جاؤں گا!'' قربان جایئے اس رحمت اور اس شانِ کریمی پر یہ مطلب نہیں کہ آئندہ گناہ تو کرتا رہے لیکن توبہ نہ کرے تو تب بھی معافی کا وعدہ ہے، نہیں! بلکہ یہ مطلب ہے کہ سو مرتبہ بھی گناہ کرکے آئے اور معافی کا طالب ہو، تب بھی میں معاف کرتا رہوں گا، گویا اس حدیث میں گناہ کرتے رہنے کی چھوٹ نہیں دی گئی، بلکہ بار بار توبہ کی ترغیب دی گئی ہے، کہ خواہ کتنی ہی بار توبہ ٹوٹ گئی ہو تب بھی بندہ مایوس نہ ہو، بلکہ فوراً توبہ کی تجدید کرکے معافی کا مستحق ہوسکتا ہے۔

ایک اور حدیث شریف میں آتا ہے کہ:

''لَوْ لَمْ تَذْنَبُوْا لَذَھَبَ اللهُ بِکُمْ وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ یَّذْنَبُوْنَ فَیَسْتَغْفِرُوْنَ اللهَ فَیُغْفِرُ لَھُمْ۔''

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۲۰۳)

ترجمہ:... ’’اگر تم لوگ گناہ کرکے معافی کے طالب نہ ہوا کرتے، تو اللہ تعالیٰ تمہیں لے جاتا، تمہاری جگہ کسی دُوسری مخلوق کو لاتا جو گناہ کرتے، معافی مانگتے اور اللہ تعالیٰ ان کی بخشش فرماتے۔‘‘

اللہ تعالیٰ کس کو سزا دیتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ مجرموں کو سزا بھی دیتے ہیں، لیکن ایسے سرکشوں اور مجرموں کو سزا دیتے ہیں جو باغی ہوں، اور جو لوگ اپنی جہالت و نادانی کی وجہ سے، اپنے ضعف و کمزوری کی وجہ سے یا اپنی نفسانی خواہشات کی وجہ سے گناہوں کا اِرتکاب کرلیتے ہیں، لیکن اِرتکاب کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں تائب ہوجاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سزا دینے کے بجائے معاف کرنے کو پسند فرماتے ہیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ کو معاف کردینا اتنا محبوب ہے کہ سزا دینا اتنا محبوب نہیں ہے، اس غفور و رحیم کو بخشش فرمانا زیادہ محبوب ہے بہ نسبت عذاب دینے کے۔ اور میں نے ایک حدیث شریف کا حوالہ دیا تھا اور اس کا ایک ٹکڑا ذکر کیا تھا، اس کا ایک ٹکڑا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

’’.... یَا ابْنَ اٰدَمَ! لَوْ بَلَغَتْ ذُنُوْبُکَ عِنَانَ السَّمَاءِ ثُمَّ اسْتَغْفَرْتَنِیْ غَفَرْتُ لَکَ وَلَا اُبَالِیْ!‘‘

(مشکوٰۃ ص:۲۰۴)

اے ابنِ آدم! اگر تم سارے کے سارے ایک میدان میں جمع ہوجاؤ اور تمہارے گناہ اتنے زیادہ ہوجائیں کہ آسمان سے لے کر زمین تک، زمین سے لے کر آسمان تک، پورا خلا ان گناہوں سے بھرجائے، اورتم آکر میری بارگاہ میں توبہ کرو اور معافی کے طالب ہوجاؤ تو میں اتنی ہی مغفرت لے کر تمہارے استقبال کو آؤں گا جتنے تمہارے گناہ ہیں۔

گناہوں کی نقدی پر مغفرت:

اللہ تعالیٰ کی رحمت کا یہ عالم ہے کہ قیامت کے دن کچھ بندے ایسے ہوں گے، جو گناہوں کی نقدی کے ذریعے اللہ کی مغفرت کے خریدار بن جائیں گے، نیکیوں کی نقدی کے ذریعے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت خریدی ہی جاتی ہے، لیکن گناہوں کے ذریعے بھی جبکہ آدمی ان کے ساتھ توبہ کو لگادے اللہ تعالیٰ کی مغفرت خریدی جاتی ہے۔

تو آدمی کتنا ہی گناہگار کیوں نہ ہو، اس کو یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اس کی بخشش نہیں ہوگی، بلکہ یہ یقین رکھنا چاہئے کہ ہمارے گناہ خواہ کتنے ہی زیادہ ہوں، اللہ تعالیٰ کی مغفرت وقدرت کے احاطے سے باہر نہیں، جب چاہیں بخش دیں۔ اور وجہ اس کی یہ ہے کہ ہمارے گناہ کتنے ہی زیادہ کیوں نہ ہوں، لیکن وہ ہماری صفت ہیں، ہمارے افعال ہیں، ہمارے اقوال ہیں، ہماری صفات ہیں، ہم بھی مخلوق، ہماری صفات بھی مخلوق، اورحق تعالیٰ شانہٗ کی مغفرت اور بخشش اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، بندوں کی صفت اللہ کی صفت سے کیسے بڑھ سکتی ہے؟ بندے کی صفت بھی اتنی ہی چھوٹی ہے جتنا یہ خود چھوٹا ہے، اتنا چھوٹا جتنا چیونٹی کا انڈا ہوتا ہے، اتنا تو ہے بے چارہ کل، ایک ذرّہٴ بے مقدار کی تو اس کی حیثیت ہے، آخر اس کے گناہوں کا رحمتِ خداوندی سے کیا مقابلہ؟ ارے! تمہارے تمام گناہوں کو دھونے کے لئے اس کی رحمت کا ایک چھینٹا کافی ہے، بس ضرورت اس کی ہے کہ تم سچے دِل سے تائب ہوکر آؤ۔ تو یہ چوتھا نمبر ہوا۔

۵:... پانچویں شرط یہ ہے کہ مجرم جب جرم سے توبہ کرتا ہے، معافی مانگتا ہے، تو یہ کہا کرتا ہے کہ آئندہ نہیں کروں گا۔ ایک شخص مجرم کو ڈانٹ رہا ہے اور پوچھتا ہے کہ: ”پھر کروگے؟“ وہ کہتا ہے: ”میری توبہ! پھر نہیں کروں گا“ اور اگر یہ کہے کہ

آئندہ بھی کروں گا، تو وہ معافی نہیں مانگ رہا، مذاق اُڑا رہا ہے، لہٰذا توبہ کے توبہ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ توبہ کرتے وقت آدمی یہ عزم رکھے اور پختہ ارادہ رکھے کہ آج کے بعد کوئی گناہ نہیں کروں گا، بس آج تک جو ہونا تھا ہوگیا، یہ آخری گناہ ہے، اِن شاء اللہ اس کے بعد گناہ نہیں ہوگا۔ ہمیں معلوم ہے کہ اگرچہ یہ پھر گناہ کریں گے، اللہ تعالیٰ کو علم ہے کہ بندے پھر گناہ کریں گے، اس لئے کہ یہ ہماری کمزوری ہے، لیکن بھئی! جس وقت کہ ہم توبہ کریں، اس وقت یہی عزم ہو کہ آج کے بعد پھر نہیں کریں گے، بس ختم۔ جیسے کوئی نشہ چھوڑ دیتا ہے تو چھوڑنے کے معنی یہ نہیں کہ آج کے بعد نہیں ہوگا، بس ختم۔ کوئی بُری عادت چھوڑ دیتا ہے تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ آج کے بعد نہیں کریں گے، ہم بھی جب اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کریں تو یہ عزم لے کر کریں کہ اِن شاء اللہ آج کے بعد مجھے یہ کام نہیں کرنا ہے، بس اللہ تعالیٰ سے صلح ہوگئی، لیکن اگر خدانخواستہ پھر گناہ ہوجائے تو یہ نہ سوچو کہ ”چونکہ میری توبہ ٹوٹ گئی، لہٰذا توبہ تو نبھتی نہیں ہے، تو اَب توبہ ہی کیا کرنی ہے“ اگر یہ سوچ کر آئندہ توبہ کرنا چھوڑ دو گے تو یہ غلط ہے، نہیں! بلکہ اگر بار بار توبہ ٹوٹ جائے تو بار بار اس کی تجدید کرو۔

توبہ ٹوٹنے پر مایوس نہیں ہونا چاہئے:

اس کو ایک مثال سے سمجھاتا ہوں، فرض کیجئے ایک شخص پیٹ کی بیماری میں مبتلا تھا، بڑی مشکل سے مرض قابو میں آیا، علاج معالجہ اس کا ہوتا رہا، طبیب نے اس سے کہا کہ: ”اس شرط پر علاج کرتا ہوں کہ آئندہ بدپرہیزی نہیں کروگے“ اس نے کہا کہ: ”جی بالکل نہیں کروں گا!“ طبیب نے توجہ سے علاج کیا، مرض قابو میں آگیا، الحمدللہ طبیعت بڑی حد تک بحال ہوگئی، لیکن اس نے پھر بدپرہیزی کرلی اور طبیعت پھر بگڑ گئی، بیماری بے قابو ہوگئی تو اَب کیا یہ عقل کی بات ہوگی کہ چونکہ میں پرہیز نہیں کرسکتا تو اس لئے مرنے دو مجھے؟ کبھی دُنیا میں کوئی ایسا شخص دیکھا ہے جو یہ کہے کہ

مجھے مرنے دو، مجھ سے پرہیز تو ہوتا نہیں، علاج کا کیا فائدہ؟ نہیں! بلکہ اس کے بجائے یہ ہوتا ہے کہ طبیب نے اس سے کہا کہ: ''تم نے بدپرہیزی کی ہے؟'' کہا: ''جی بس ہوگئی، حکیم صاحب! آپ ذرا مہربانی کرکے توجہ کے ساتھ علاج کریں، اِن شاء اللہ پھر بدپرہیزی نہیں کروں گا''، مطلب یہ کہ بدپرہیزی کو چھوڑنا چاہئے، علاج کو تو نہیں چھوڑا جاتا کہ چونکہ میں نے بدپرہیزی کی ہے لہٰذا میرا علاج نہ کراؤ، بس چھوڑ دو، مجھے اس طرح مرنے دو، خوب اچھی طرح سمجھ لو کہ جب ہم نے توبہ کرلی تو آئندہ بدپرہیزی سے تو ضرور بچنا چاہئے، اپنی توبہ پر قائم رہنا چاہئے۔ ارے عزم یہی ہونا چاہئے کہ آئندہ مجھے یہ گناہ نہیں کرنا ہے، لیکن اگر خدا نہ کرے گناہ پھر ہوجائے تو ہمت ہار کر اور مایوس ہوکر نہ بیٹھ جائے، اور یہ نہ سوچ کہ مجھے توبہ پر اِستقامت تو نصیب ہوئی نہیں، اب کیا توبہ کریں، بس توبہ کا خیال چھوڑ دینا چاہئے اور بے دھڑک گناہ کرتے رہو، نہیں! تم نے بدپرہیزی کرلی تو پھر توبہ کرلو، پھر بدپرہیزی کرلی، پھر توبہ کرلو، حتیٰ کہ بزرگ فرماتے ہیں کہ اگر ایک دن میں سو مرتبہ توڑ دی ہو تو سو مرتبہ اس کو جوڑ لو، اگر نفس اور شیطان اتنے حاوی ہیں کہ توبہ پر قائم نہیں رہنے دیتے تو اتنا تو کرو کہ جب بھی توبہ کرو تو یہ نیت کرلیا کرو کہ اب نہیں کروں گا۔

توبہ توڑنے اور پھر جوڑنے کا فائدہ؟

یہ ذہن میں رکھو کہ اگر توبہ توڑتے رہے، جوڑتے رہے، توڑتے رہے، جوڑتے رہے، تو کیا بعید ہے کہ توبہ توڑنے کے بعد جب تم نے جوڑ لی تھی تو اس حالت میں تمہارا اِنتقال ہو، تم توبہ جوڑتے رہے، اور توبہ ٹوٹتی رہی، لیکن آخری جو عمل ہوا وہ تھا توبہ کا جوڑنا، توبہ کرلی، اس کے بعد پھر گناہ کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ اس حالت میں موت آگئی اور اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گیا تو دُنیا سے تائب ہوکر گیا، اب یہ شخص اگرچہ روزانہ سو مرتبہ توبہ توڑتا تھا، جوڑتا تھا، توڑتا تھا، جوڑتا تھا، لیکن اس کا آخری عمل تو توبہ ہی رہا، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالْخَوَاتِیْمِ۔''

(مسند احمد ج:۵ ص:۳۳۵)

ترجمہ:...''اعمال کا مدار خاتمے پر ہے۔''

جب اعمال کا مدار خاتمے پر ہے تو اگر آخری عمل توبہ کرکے تمہارا اللہ کی بارگاہ میں پہنچنا ہے کہ توبہ کرنے کے بعد پھر گناہ کا اِرتکاب نہیں کیا تو تمہاری توبہ مکمل ہوگئی، تم تائب ہوکر اللہ کی بارگاہ میں پہنچ گئے اور خاتمہ بالخیر ہوا۔ اس لئے توبہ کرتے وقت تم عزم یہ رکھو کہ آج کے بعد اِن شاء اللہ گناہ نہیں کروں گا، لیکن اگر فرض کرو کہ پھر گناہ کا اِرتکاب ہوجائے تو دِل شکستہ ہوکر توبہ سے نہ ہٹو، بلکہ پھر توبہ کرو، بلکہ پہلے سے زیادہ پکی توبہ کرو اور کہو کہ: ''یا اللہ! مجھ سے پھر غلطی ہوگئی ہے، میں ایسا رذیل آدمی ہوں، اتنا کمینہ ہوں کہ آپ سے میں نے وعدہ کیا تھا کہ دوبارہ گناہ نہیں کروں گا، اس وعدے کو بھی پورا نہ کرسکا، یا اللہ! مجھے معاف فرمادیجئے، میں اب نہیں کروں گا۔''

کپڑے کا گندا ہوجانا بُرا نہیں، اس کو صاف نہ کرنا بُرا ہے:

بھئی! کپڑے کو گندا کرنے سے تو پرہیز کرنا چاہئے، اس سے بچنا چاہئے، لیکن اگر گندا ہوجائے تو اس کو صابن لگاکر دھونے سے پرہیز کرنا تو عقل کی بات نہیں ہے، ایک مرتبہ تم نے کپڑے کو دھولیا، صاف کرلیا، صابن لگاکر اچھی طرح تمام کے تمام داغ، دھبے خوب اُتار دیئے، اب کیا کرنا چاہئے؟ یہ کہ آئندہ ملوّث نہ ہوں، لیکن بچوں کی طرح اگر نادانی کا دور ہے، پھر کپڑے خراب ہوجاتے ہیں تو کپڑوں کو گندا کرنے سے بچانا چاہئے تھا، لیکن جب گندے ہوجائیں تو صابن لگاکر دھونے سے تو نہیں بچنا چاہئے، خوب یاد رکھو! کہ گناہوں کے اِرتکاب سے ہمارے ایمان کا جامہ گندا ہوجاتا ہے، بدبودار اور متعفن ہوجاتا ہے، میلا ہوجاتا ہے، قابلِ نفرت ہوجاتا ہے، اور خوب اچھی طرح جم کر توبہ کرنے سے وہ ایمان کا جامہ صاف ہوجاتا ہے اور

پھر نکھر آتا ہے۔ توبہ کر کے آئندہ گناہ کرنے سے ضرور بچو، لیکن پھر اگر کوئی داغ دھبہ لگ گیا تو فوراً توبہ کرو، فوراً صابن لے کر ملو، اِن شاء اللہ جب تم بار بار توبہ کروگے اور اللہ تعالیٰ سے اِستقامت کی دُعا کروگے کہ: ''یا اللہ! اب مجھے بچالیجئے، میں اپنی اِستعداد وقوّت کے ساتھ، اپنی طاقت کے ساتھ گناہ سے نہیں بچ سکتا، جب تک آپ مجھ پر رحم نہ فرمائیں، اور میری مدد نہ فرمائیں، مجھے آئندہ گناہ سے بچنے کی توفیق عطا فرمادیجئے''، اگر ایسا کرتے رہوگے تو اِن شاء اللہ رفتہ رفتہ یہ کیفیت ہوجائے گی کہ توبہ کروگے، لیکن گناہ نہیں ہوگا، اِن شاء اللہ!

تو یہ پانچواں نمبر ہوا، یعنی توبہ کرتے وقت ارادہ رکھو کہ آئندہ گناہ نہیں ہوگا، اب مستقل طور پر ہمارا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ دُرست ہوگیا، اب ہم ٹھیک چلیں گے، اور پھر ہمت سے کام لو، گناہ کا کتنا ہی تقاضا ہو، گناہ نہ کرو، کوشش کرو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ جو عہد کیا ہے، اس کو پورا کریں اور آئندہ گناہ کے ساتھ اپنے دامن کو آلودہ نہ کریں، لیکن اگر ہوجائے تو فوراً توبہ کرو، بس اس کو ہمیشہ کا دستور العمل بنالو کہ گناہ ہوجائے تو فوراً توبہ کی جائے۔

۶:... چھٹی بات یہ کہ جتنی کوتاہیاں ہوگئی ہیں، ان کی تلافی کرو، نمازیں قضا ہوتی رہیں، اب تم نے سچے دِل سے توبہ کرلی، لیکن توبہ کرنے سے نمازیں معاف نہیں ہوگئیں، بلکہ نمازیں تمہارے ذمے اب بھی باقی ہیں، جیسے کہ آج ایک ظہر کی نماز ہمارے ذمے فرض تھی (اور وہ ہم نے ادا کی) پوری زندگی کی ظہر کی نمازیں ہمارے ذمے فرض ہیں، اور یہ فرض ہمارے ذمے باقی ہے، ان تمام نمازوں کا ادا کرنا اسی طرح ضروری ہے جس طرح کہ آج کی نماز کا اَدا کرنا فرض تھا۔ رہا یہ سوال کہ پھر توبہ کرنے کا فائدہ کیا ہوا؟ توبہ کرنے کا فائدہ یہ ہوا کہ تأخیر کی وجہ سے تم نے جو کوتاہی کی کہ وقت پر اَدا نہیں کی، اس کی معافی مل جاتی ہے۔ اس کی مثال ایسے سمجھو کہ کسی شخص نے پلاٹ خریدا تھا، اس کی قسطیں بہت آسان سی رکھی ہوئی تھیں، اس نے بے

پروائی کی، ادا نہیں کیں۔ متعلقہ محکمے نے اس کا پلاٹ ہی منسوخ کردیا، اور جو پیسے دیئے تھے وہ بھی ضبط کرلئے، اب یہ بڑے افسر کے پاس جا کر کہتا ہے کہ جی مجھ سے بڑی کوتاہی ہوئی ہے، میں آئندہ سستی نہیں کروں گا، اور وہ افسر اس کی بات سن کر لکھ دیتا ہے کہ اس کا پلاٹ بحال کردیا جائے۔ تو کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ جو پُرانی قسطیں رہ گئی ہیں، وہ بھی معاف ہوگئیں؟ نہیں! پلاٹ کی منسوخی تو اس نے اَز راہِ ترحّم ختم کردی، لہٰذا پلاٹ تو بحال ہوگیا، لیکن جو قسطیں تمہارے ذمے تھیں وہ تو بدستور واجب الادا رہیں گی، بلکہ دُنیا کا حکم اوّل تو ایسے منسوخ شدہ پلاٹ کو بحال ہی نہیں کرے گا، اور اگر کوئی رحم دِل ایسا کر بھی دے تو وہ حاکم یہ کہے گا کہ تمام گزشتہ قسطیں یک مشت یہاں لاکر رکھ دو، تب میں بحالی کا حکم جاری کرتا ہوں۔ تو جتنی زندگی میں ہم نے نمازیں قضا کی ہیں، اگر عزم رکھتے ہو کہ میں ان کو اَدا کروں گا، تب تو توبہ صحیح ہوئی، اور گزشتہ نمازیں قضا کرنے کا اگر عزم نہیں تو توبہ ہی نہیں، مذاق اُڑاتے ہو توبہ کا...!

اسی طرح کسی شخص کے ذمے روزے باقی ہیں، اس نے روزے چھوڑ دیئے تھے، یا توڑ دیئے تھے رمضان المبارک کے، بعض چھوڑ دیتے ہیں، بعض توڑ دیتے ہیں، اگر کسی نے روزہ چھوڑ دیا تو اس کے بدلے ایک روزہ اس کے ذمے ہے، اور اگر کوئی شخص روزہ توڑ دے تو اِکسٹھ روزے اس کے ذمے ہیں، ایک روزہ تو توڑے ہوئے روزے کی جگہ، اور ساٹھ روزے کفارے کے، اور یہ ساٹھ روزے لگاتار ہوں کہ درمیان میں وقفہ نہ ہو، درمیان میں ناغہ نہ ہو، اگر ناغہ ہوجائے تو پھر نئے سرے سے شروع کرے، یہاں تک کہ لگاتار کفارے کے ساٹھ روزے پورے ہوجائیں، رمضان کا ایک روزہ توڑ دینے کا اتنا بڑا گناہ ہے۔

اسی طرح کسی شخص نے کسی کو قتل کیا ہو اور یہ قتل جان بوجھ کر نہیں، بلکہ غلطی سے ہوا ہو، خطا سے ہوا ہو، تو اس کا کفارہ قرآنِ کریم نے یہ ذکر کیا ہے کہ غلام آزاد کرے، اگر غلام نہیں ملتا تو دو مہینے پے درپے روزے رکھے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

توبہ کرنے کے لئے، بس اس کی توبہ قبول ہونے کی شرط یہ ہے کہ دو ماہ کے لگاتار روزے رکھے، اگر روزے رکھنے شروع کردیئے تھے کہ درمیان میں بیمار ہوگیا اور روزے کا ناغہ ہوگیا تو جتنے روزے رکھے تھے، وہ ختم، اب نئے سرے سے شروع کرکے ساٹھ پورے کرے۔ البتہ عورت کو جو اس کے خاص اَیام کی وجہ سے روزے قضا کرنے پڑتے ہیں، وہ اس تسلسل میں رُکاوٹ نہیں ڈالتے، لیکن شرط یہ ہے کہ پاک ہونے کے بعد فوراً شروع کردے۔ الغرض! جس نے روزے نہیں رکھے تھے، وہ قضا کرے، یا اگر توڑ دیئے تھے تو توڑے ہوئے روزوں کا کفارہ ادا کرے۔

اسی طرح اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں دی تھی تو گزشتہ سالوں کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے، جتنے سال سے اس کے پاس مال تھا اس کا حساب کرکے زکوٰۃ ادا کرے۔

اسی طرح حقوق اس نے دبائے ہوئے ہیں تو جو حقوق ادا کرنے کے لائق ہیں، ان کو اَدا کرے، اور اگر ان کا ادا کرنا ممکن نہیں، یعنی ان کا معاوضہ ادا نہیں کیا جاسکتا، تو صاحبِ حق سے معافی مانگے، مثلاً: ایک آدمی اپنی بیوی کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو اس کی معافی کی شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اسی طرح اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے ساتھ زیادتی کی ہے تو توبہ کے لئے شرط یہ ہے کہ اس سے معافی مانگے، اگر کسی کا کسی کے ذمے قرض ہے، اس کو اَدا کرے اور اَدا کرنے میں جو تأخیر کی، اس کی معافی مانگے، اگر کسی کی چوری کی ہے، کسی سے رِشوت لی ہے، کسی کا مال ناجائز کھایا ہے اس کو واپس کردے۔

سچی توبہ پر نصرتِ اِلٰہی:

حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

میرے پاس ایک آدمی آیا کہ میں بیعت ہونا چاہتا ہوں، پوچھا: کیا کام کرتے ہو؟ کہا

کہ: ڈاکے ڈالتا تھا، لیکن اب میں تائب ہوکر آیا ہوں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: تمہیں بیعت ضرور کریں گے، لیکن جب سے تم نے یہ کاروبار شروع کیا تھا، اس کی فہرست بناکر لاؤ کہ کتنے ڈاکے ڈالے، کس کس کا گھر لوٹا تھا۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ آدمی سچا تھا، چند دن کی محنت کے بعد اس نے یاد کرکے جتنے ڈاکے ڈالے تھے، جتنی چوریاں کی تھیں، ان سب کی فہرست بنالی اور حضرتؒ کی خدمت میں پیش کی۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ: اب دُوسرا کام یہ کرو کہ ان میں سے ہر ایک کے پاس جاؤ کہ فلاں وقت میں نے تمہاری چوری کی تھی، ڈاکا ڈالا تھا اور اب میں تائب ہوگیا ہوں، تمہارا مال میرے ذمے قرض ہے، یہ قرض مجھے فوراً ادا کرنا چاہئے تھا مگر اتنی گنجائش میرے پاس نہیں کہ اس کو فوراً ادا کردوں، اب اس کی دو صورتیں ہوسکتی ہیں، ایک تو یہ کہ آپ معاف کردیں، اللہ تعالیٰ آپ کو اس کا بدلہ قیامت کے دن عطا فرمائیں گے، دُوسری صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ میرے ذمے ہے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ اِن شاء اللہ، اللہ تعالیٰ توفیق دیں گے تو میں فوراً اَدا کردوں گا، بہرحال آپ کو اس کی وجہ سے جو اَذیت پہنچی، اس پر مجھ کو معاف کردیں۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ ہر ایک کے پاس جاؤ اور ہر ایک سے لکھوا کر لاؤ کہ میں نے معاف کردیا، یا میں مہلت دیتا ہوں ادا کرنے کی کہ جب تم چاہو، جب تمہیں سہولت ہو تم ادا کردینا۔ اس شخص کے دِل میں سچی طلب تھی، ہمارا نفس تو کہے گا کہ: ''میاں! اگر اس کے سامنے جاکر اِقرار کروگے تو تمہیں پکڑوادیں گے، پکڑے جائیں گے۔'' جب تم نے کسی سے رِشوت لی ہے، جب تم نے کسی کی چوری کی ہے، جب تم نے ڈاکا ڈالا ہے تو بھئی! پکڑ تو لازماً ہوگی، اگر یہاں نہیں پکڑے جاؤگے تو وہاں پکڑے جاؤگے، تم پکڑ سے بچ نہیں سکتے، اگر یہاں کی پولیس نہیں پکڑے گی تو وہاں کی پولیس پکڑے گی۔ حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: یہ شخص ہر ایک کے پاس گیا اور اللہ کی شان کہ اس نے سب سے ایسی بات کی، اللہ جانے کتنے اِخلاص کے ساتھ بات کی کہ ہر ایک نے لکھ دیا کہ میں نے اللہ کے لئے معاف کیا،

حتیٰ کہ ایک ہندو کی چوری کی تھی اس ہندو نے یہ لکھ دیا کہ میں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے معاف کردیا، یہاں تک کہ ایک ہندو نے لکھا: ''میں نے حسبۃً للہ معاف کردیا'' تب حضرتؒ نے اس کو بیعت فرمایا، یہ ہوئی ناپچی توبہ...!

تو حقوق اللہ ہوں یا حقوق العباد ہوں، ان کو اَدا کرنا اور جب تک ادا نہ ہوں، اپنے ذمے قرض سمجھنا لازم ہے، کسی کی دُکان غصب کی ہوئی ہے، کسی کی زمین غصب کی ہوئی ہے، کسی کی املاک پر قبضہ کیا ہوا ہے، کرائے کے مکان میں رہتے تھے، مالک کو کہہ دیا کہ: ''جاؤ کرلو جو تم سے ہوسکتا ہے، مکان نہیں چھوڑیں گے!'' اگر کوئی شخص لوگوں کی املاک پر غاصبانہ قبضہ جمالے اور پھر خانۂ کعبہ میں جاکر غلافِ کعبہ پکڑ کر توبہ کرے گا، تب بھی اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اس غصب سے توبہ کرکے اس کے مالک کو واپس نہیں کردیتا۔

تم مخلوق کو عاجز کرسکتے ہو، مگر اللہ کو عاجز نہیں کرسکتے، مخلوق کو دھوکا دے سکتے ہو، تمہارے تسبیح پڑھنے سے، تمہارے بار بار حج و عمرہ کرنے سے مخلوق دھوکا کھاسکتی ہے، لیکن اللہ کو دھوکا نہیں دیا جاسکتا، تم غلافِ کعبہ پکڑ کر اللہ سے توبہ کرو، لیکن تمہاری توبہ قبول نہیں ہوگی، جب تک کہ اَربابِ حقوق کے حقوق ادا نہیں کرتے یا ان سے معاف نہیں کرواتے۔

یہ چھ نمبر میں نے ذکر کردیئے ہیں، ان چھ نمبروں کو مکمل کرلیا جائے تو توبہ ہے، اور اگر یہ نہ ہو تو پھر توبہ نہیں ہے، صرف توبہ کے الفاظ ہیں۔ سارا دن ''روٹی، روٹی'' کا وظیفہ پڑھتے رہو، تمہارا پیٹ نہیں بھرے گا، جب تک کہ روٹی عملاً کھا نہیں لیتے، اور نہ تمہیں روٹی کا ذائقہ آئے گا، پیٹ تب بھرے گا جبکہ روٹی کو حلق سے نیچے اُتاروگے، تب قوّت بھی حاصل ہوگی اور پیٹ بھی بھرے گا۔ اَستغفر اللہ العظیم، اَستغفر اللہ العظیم، پوری تسبیح پڑھ دو، لیکن دِل میں معافی مانگنے کا مضمون نہیں ہے، نہ گناہ کو گناہ سمجھا، نہ آئندہ گناہ سے بچنے کا عزم کیا، نہ گزشتہ گناہوں پر افسوس ہوا، نہ

ان کا تدارک کیا، نہ حقوق اللہ ادا کئے، نہ حقوق العباد ادا کئے، نہ اللہ تعالیٰ سے معاملہ دُرست کیا، نہ بندوں سے معاملہ دُرست کیا، پھر چاہتے ہو کہ توبہ قبول ہوجائے، کیسے ہوگی...؟ اس کا نام تو توبہ نہیں ہے۔

سبحہ در کف، توبہ بر لب، دِل پُر از ذوقِ گناہ
معصیت را خندہ می آید بر اِستغفارِ ما

بزرگ فرماتے ہیں کہ ہاتھ میں تسبیح ہے، دانے پر دانہ پھینک رہا ہے، ٹھک ٹھک تسبیح چل رہی ہے، لیکن دِل گناہوں کی لذّت سے بھرا ہوا ہے، دِل میں گناہ سے کراہیت پیدا نہیں ہوئی، بلکہ دِل گناہوں کی لذّت سے بھرا ہوا ہے، ایسا اَستغفر اللہ پڑھنے پر گناہ ہنستا ہے، ایسے اِستغفار پر معصیت کو ہنسی آتی ہے، اور سچی بات یہ ہے کہ اگر صحیح توبہ ہوجائے تو آدمی کی زندگی کی لائن بدل جاتی ہے، جو معاملات ہم شریعت کے خلاف کرتے ہیں، توبہ کے معنی یہ ہیں کہ ہم ان غلط کاموں کو چھوڑ دیں، ہمارا کاروبار، ہماری دُکان، ہمارا کارخانہ اور ہمارا لین دین جو شرع کے خلاف ہے اس کی کل دُرست ہوجائے، اس کی لائن دُرست ہوجائے، یہ ہے توبہ، اگر وہی بے ڈھنگی چال ہے جو پہلے سے تھی تو پھر صحیح توبہ نہیں کی، زبان پر توبہ کے الفاظ ہیں، حقیقت توبہ کی نصیب نہیں ہوئی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں، میں توبہ کے فضائل بیان کرچکا ہوں، توبہ اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، ارشاد ہے:

”اِنَّ اللهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔“

(البقرہ:۲۲۲)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں کو، اور اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں خوب پاک صاف رہنے والوں کو۔“

خلاصہ:

خلاصہ اس سارے مضمون کا اتنا ہے کہ گناہ ایک گندگی ہے، جیسے پاخانہ، پیشاب ایک گندگی ہے، چونکہ ہماری ناک یہ بدبو نہیں سونگھتی، اس لئے ہمیں گناہوں سے بدبو نہیں آتی۔ مشکوٰۃ شریف میں حدیث ہے کہ جب یہ بندہ ایک لفظ جھوٹ کا زبان سے نکالتا ہے تو اس کی بدبو کی وجہ سے فرشتہ ایک میل دُور ہوجاتا ہے۔ اسی طرح جتنے بھی گناہ ہیں، یوں سمجھو کہ بدن کے اندر کوڑھ کی بیماری ہے، اور اس سے بدبودار مادّہ رِس رہا ہے، اس بدبودار مادّے کے ساتھ تم عبادت کرو اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقرّب ہوجاؤ، یہ کیسے ممکن ہے؟

تو میں نے کہا کہ خلاصہ ساری بات کا اتنا ہے کہ گناہ ایک نجاست ہے، اور ایسا تعفن کہ اگر ہم پر پردہ نہ ڈالا ہوتا تو اس کی بدبو اور تعفن کی وجہ سے ہمارے دِماغ پھٹ جاتے، اس گندگی سے صفائی صرف اس صورت میں ممکن ہے جبکہ ہم اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں اور آئندہ گناہ سے بچنے کا اور گزشتہ گناہوں کا تدارک کرنے کا فیصلہ کرلیں اور اللہ رَبّ العزّت سے عہد کرلیں تو اِن شاء اللہ فوراً معافی مل جائے گی، اللہ تعالیٰ ہمیں سچی توبہ کی توفیق عطا فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ
وَصَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلٰی خَیْرِ خَلْقِہٖ مُحَمَّدٍ وَّاٰلِہٖ
وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ!

حسد

کی بیماری اور اس کا علاج

حضرت حکیم الاُمت نوّر اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

”حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو، اس کے لئے ترقی کی خوب دُعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے، خواہ مال سے یا بدن سے یا دُعا سے، چند دنوں میں حسد دُور ہو جائے گا۔“ (انفاسِ عیسیٰ)

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

”اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!“

حسد کے معنی:

حسد ایک بیماری ہے دِل کی، جس کے معنی ہیں کسی کی نعمت سے جلنا، ایک شخص کے پاس ہم کوئی نعمت دیکھتے ہیں، مثلاً: اس کو کھانے کو اچھا ملتا ہے، یا پہننے کو اچھا مل گیا، کوئی رشتہ اچھا ہوگیا، مکان اچھا بن گیا، اس کا کاروبار چمک گیا، اس کو کوئی حیثیت مل گئی، کوئی عہدہ مل گیا، اس کی ان نعمتوں کو دیکھ کر بعض لوگوں کے دِل میں جلن پیدا ہوتی ہے کہ اس کو یہ چیز کیوں ملی؟ اور جی یوں چاہتا ہے کہ اس کے پاس سے یہ نعمت چھن جائے، یہ تو ”حسد“ کہلاتا ہے، اور اگر کسی کی نعمت دیکھ کر یہ تمنا پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ مجھے بھی یہ نعمت عطا فرمادیں تو اس کو ”غبطہ“ یعنی رشک کرنا کہتے ہیں۔

حسد اور غبطہ کے درمیان فرق:

رشک میں اس شخص سے نعمت کے زائل ہونے کی تمنا نہیں ہوتی، یعنی یہ تمنا نہیں ہوتی کہ یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، بلکہ یہ خیال ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو زیادہ عطا کرے، لیکن یہ تمنا بھی ہوتی ہے کہ کاش یہ نعمت مجھے بھی مل جائے، آدمی کا دِل نعمت کے حصول کے لئے للچاتا ہے، یہ ''رشک'' کہلاتا ہے، اور اس کی اجازت ہے، کیونکہ یہ انسان کی فطرت ہے کہ جب بھی کسی کے پاس کوئی نعمت دیکھتا ہے تو تمنا کرتا ہے کہ یہ نعمت مجھے بھی مل جائے۔

صرف دو نعمتیں لائقِ رشک ہیں:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ:

''لَا حَسَدَ اِلَّا فِیْ اِثْنَیْنِ: رَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ مَالًا فَسَلَّطَهٗ عَلٰی هَلَکَتِهٖ فِی الْحَقِّ، وَرَجُلٌ اٰتَاہُ اللہُ الْحِکْمَةَ فَهُوَ یَقْضِیْ بِهَا وَیُعَلِّمُهَا۔'' (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۳۲)

یعنی ''لائقِ رشک صرف دو آدمی ہیں'' یہاں حسد سے ''غبطہ'' اور ''رشک'' مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ دُنیا میں اگر کوئی لائقِ رشک ہے تو صرف دو آدمی ہیں جن پر آدمی کو رشک کرنا چاہئے۔ ''ایک وہ آدمی جس کو اللہ تعالیٰ نے مال عطا فرمایا ہے، مال عطا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلط کردیا اس کے ہلاک کرنے پر، یعنی اس کے خرچ کرنے پر، حق کے راستوں میں۔'' کہ وہ نیک کاموں میں مال کو خرچ کرتا ہے، تو یہ شخص قابلِ رشک ہے، اس سے معلوم ہوا کہ محض مال کا جانا قابلِ رشک نہیں، ہاں! کسی آدمی کو مال مل جائے اور پھر اللہ تعالیٰ اس کو توفیق دیں رضائے اِلٰہی کے مطابق اللہ کے راستے میں مال خرچ کرنے کی تو ایسا شخص واقعی لائقِ رشک ہے، اور اگر مال مل گیا لیکن وہ اس کو غلط راستوں پر خرچ کرتا ہے تو یہ شخص لائقِ رشک

نہیں، بلکہ لائقِ رحم ہے، اس کی تمنا نہیں کرنی چاہئے۔'' اور دُوسرا آدمی لائقِ رشک وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، وہ اپنے علم کے ساتھ خود بھی منتفع ہوتا ہے اور لوگوں کو بھی نفع پہنچاتا ہے۔'' یہ شخص لائقِ رشک ہے کہ اللہ ہمیں بھی ایسا بنادے، تو یہ دو آدمی لائقِ رشک ہیں، گویا دُنیا کی نعمتوں میں صرف دو نعمتیں ایسی ہیں جن پر رشک کیا جائے، ایک یہ کہ کسی کو اللہ تعالیٰ مال عطا فرمائیں اور وہ مال اللہ کے راستے میں خرچ کرتا ہو، دُوسرا وہ شخص جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا ہو اور وہ اس کو صحیح طور پر اِستعمال کرتا ہو۔

چار قسم کے آدمی:

ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ:

''.... اِنَّمَا الدُّنْیَا لِأَرْبَعَةِ نَفَرٍ عَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّعِلْمًا فَهُوَ يَتَّقِیْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَيَصِلُ رَحِمَهٗ وَيَعْمَلُ لِلّٰهِ فِيْهِ بِحَقِّهٖ، فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ رَزَقَهُ اللهُ عِلْمًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ مَالًا، فَهُوَ صَادِقُ النِّيَّةِ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ۔ وَعَبْدٌ رَزَقَهُ اللهُ مَالًا وَّلَمْ يَرْزُقْهُ عِلْمًا، فَهُوَ يَتَخَبَّطُ فِیْ مَالِهٖ بِغَيْرِ عِلْمٍ لَا يَتَّقِیْ فِيْهِ رَبَّهٗ وَلَا يَصِلُ رَحِمَهٗ وَلَا يَعْمَلُ فِيْهِ بِحَقٍّ، فَهٰذَا بِأَخْبَثِ الْمَنَازِلِ، وَعَبْدٍ لَمْ يَرْزُقْهُ اللهُ مَالًا وَّلَا عِلْمًا فَهُوَ يَقُوْلُ: لَوْ أَنَّ لِیْ مَالًا لَعَمِلْتُ فِيْهِ بِعَمَلِ فُلَانٍ، فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَآءٌ۔''
(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۴۵۱)

لوگ چار قسم کے ہیں، ایک وہ آدمی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال بھی عطا فرمایا اور علم بھی عطا فرمایا، اور وہ اس مال میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، صلہ رحمی

کرتا ہے، اور اس کو علم کے مطابق نیکی کے مصارف میں خرچ کرتا ہے، مسجدیں بنواتا ہے، مدارس بنواتا ہے، غریبوں، محتاجوں، بیواؤں اور یتیموں کی خدمت کرتا ہے، رفاہِ عامہ کے کاموں پر خرچ کرتا ہے، مخلوق کی خدمت کرتا ہے، اس کے بارے میں فرمایا کہ:
"فَهٰذَا بِأَفْضَلِ الْمَنَازِلِ" یعنی یہ شخص سب سے افضل اور اعلیٰ ترین مرتبے میں ہے۔

اور ایک شخص وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے علم عطا فرمایا، لیکن مال نہیں دیا، یہ اس پہلے آدمی کو دیکھ کر بہت رشک کرتا ہے اور دِل میں یہ تمنا کرتا ہے کہ اے کاش! مجھے بھی مال مل جاتا تو میں بھی اسی طرح اللہ تعالیٰ کے راستے میں خرچ کیا کرتا جس طرح یہ شخص خرچ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں کہ: "فَأَجْرُهُمَا سَوَاءٌ" یعنی اس شخص کو اللہ تعالیٰ اس کی نیت پر اتنا ہی اجر عطا فرمائیں گے جتنا خرچ کرنے والے کو عطا فرماتے ہیں، دونوں کا اجر برابر ہے۔

تیسرا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے، لیکن علم نہیں دیا، وہ اس مال میں خبط کرتا ہے یعنی نہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہے، نہ صلہ رحمی کرتا ہے، نہ خیر کے کاموں میں خرچ کرتا ہے، اور نہ دِین کے راستوں میں خرچ کرتا ہے، وہ مال کو خرچ کرتا ہے مگر اپنی خواہشِ نفس پر، خرچ کرتا ہے لغویات پر، خرچ کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں، یہ شخص سب سے بدترین مرتبے کا ہے۔

چوتھا آدمی وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے نہ علم دیا، نہ مال دیا، یہ شخص اس تیسرے آدمی کو دیکھ کر کہتا ہے کہ کاش! ہمارے پاس مال ہوتا تو ہم بھی ایسا ہی کرتے کہ اس نے لڑکے کے ختنے کی تقریب کیسی شان دار کی، کنجریاں نچوائیں، ڈھول بجائے، ہمارے پاس پیسہ ہوتا تو ہم بھی یہ سب کچھ کرتے، دیکھو! اس نے کیسی دُھوم دھام سے شادی کی، اور اس پر کتنا خرچ کیا، ہمارے پاس دولت ہوتی تو ہم بھی اسی طرح کرتے، اسی طرح مال دار کے گھر جتنے غلط کام ہوتے ہیں، یہ سب پر رشک کرتا ہے اور افسوس کرتا ہے کہ اس کے گھر میں ٹی وی ہے، فلاں فضول چیز ہے، فلاں

غلط چیز ہے، ہمارے پاس پیسے نہیں، اگر ہوتے تو ہم بھی یہ ساری چیزیں گھر میں لا ڈالتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "فَهُوَ نِيَّتُهٗ وَوِزْرُهُمَا سَوَآءٌ"۔ اس کو اس کے اِرادے اور قصد کی وجہ سے اتنا ہی گناہ ملے گا جتنا کہ اس تیسرے آدمی کو ملے گا، نعوذ باللہ! بڑا بدقسمت ہے یہ شخص کہ اپنے جہل کی وجہ سے بیٹھے بٹھائے گناہگار ہوگیا، اور گناہگاری میں حصہ لے لیا، تو میں عرض کر رہا تھا کہ رشک تو یہ ہے کہ ہم کسی شخص کی ریس کرنا چاہیں، دِل میں یہ خواہش پیدا ہو کہ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی یہ نعمت عطا فرمائیں، تو بھئی اگر رشک کرنا ہے تو کسی کی نیکی پر کرو، کسی کی بُرائی پر کیا رشک کرنا ہے، یہ دو آدمی ہیں قابلِ رشک، ان پر رشک کرو۔

حسد کا منشا تکبر ہے:

تو ایک ہوتا ہے "حسد" یعنی کسی کی نعمت کو دیکھ کر جل جانا کہ اس کو یہ نعمت کیوں ملی؟ اور کسی کی نعمت کو برداشت نہ کرسکنا، یہ تمنا کرنا کہ کاش! یہ نعمت اس کے پاس نہ رہے، مجھے بھلے ملے یا نہ ملے، یہ حسد دِل کی بیماری ہے، اور منشا اس کا تکبر ہے، یعنی اپنے آپ کو بڑا سمجھا، اور دُوسرے شخص کو چھوٹا سمجھا کہ یہ شخص تو اس نعمت کے لائق نہیں تھا، اس کو یہ نعمت کیوں دی گئی؟

حاسد کو اللہ تعالیٰ پر اِعتراض ہے:

حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اے مؤمن! تو کسی مسلمان بھائی کی نعمت کو دیکھ کر اس پر کیوں حسد کرتا ہے؟ کیوں جلتا ہے؟ اس لئے کہ اس کو جو نعمت ملی ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے ملی ہے، اور تم کو جو نہیں ملی، یہ بھی من جانب اللہ نہیں ملی، اب جو تم اس پر حسد کرتے ہو، اس کی دو ہی وجہیں ہوسکتی ہیں، ایک تو تم یہ کہتے ہو کہ یہ شخص اس نعمت کا اہل نہیں تھا، اس کو نہیں ملنی چاہئے تھی،

یہ اللہ تعالیٰ کو تقسیم نہیں کرنا آتا، نعوذ باللہ! تبھی تو تم اِعتراض کرتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نعمت اس شخص کو کیوں دے دی؟

شیطان حسد کی وجہ سے کافر بنا:

تمہیں معلوم ہوگا کہ دُنیا کا سب سے پہلا کافر اس حسد کی وجہ سے کافر بنا، شیطان کو اسی حسد نے شیطان بنایا، حضرت آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیفہ بنایا اور فرشتوں سے کہا کہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کرو، ملائکہ کو کیا عذر تھا؟ جبریل ہیں، اسرافیل ہیں، میکائیل ہیں، عزرائیل ہیں، ملائکہ مقرّبین ہیں، حاملینِ عرش ہیں، بڑے بڑے درجے کے فرشتے ہیں، لیکن سب حکمِ اِلٰہی کے تابع ہیں، دِل و جان کے ساتھ حکمِ اِلٰہی کے مطیع ہیں:

"لَا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ۔" (التحریم:٦)

ان کی شان یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو حکم ہوجائے، اس کی نافرمانی نہیں کرتے، اور ان کو جو حکم ہوجائے اسے کر ڈالتے ہیں، فرشتوں کو حکم ہوا کہ آدم کو سجدہ کرو، مالک کا حکم تھا بغیر توقف کے تمام کے تمام فوراً سجدے میں گرگئے، سب کے سب مل کر آدم علیہ السلام کے سامنے سجدہ بجالائے، "اِلَّآ اِبْلِيْسَ" مگر اِبلیس، آدم علیہ السلام کے سامنے نہیں جھکا، اس نے سجدہ کرنے سے انکار کردیا، اللہ تعالیٰ نے پوچھا کہ: تم نے سجدہ کیوں نہیں کیا؟ "قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ خَلَقْتَنِىْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ" کہنے لگا کہ آدم کو سجدہ نہیں کرسکتا، کیونکہ میں اس سے بہتر ہوں، آپ نے مجھے آگ سے اور اس کو مٹی سے پیدا کیا ہے، اب میں بڑا اور یہ چھوٹا، اور بڑے کو یہ کہنا کہ وہ چھوٹے کے سامنے جھکے یہ حکمت کے خلاف ہے، تو شیطان نے حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کیا، لیکن حضرت آدم علیہ السلام پر حسد کرنا درحقیقت اِعتراض تھا

اللہ تعالیٰ کے فعل پر، نعوذ باللہ! اس کا یہ مطلب تھا کہ آپ کا یہ حکم غلط ہے۔ شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تم جو کسی کی نعمت کو دیکھ کر حسد کرتے ہو، اور جلتے ہو، ذرا یہ تو سوچو کہ نعمت کے عطا کرنے والے تو اللہ تعالیٰ ہیں، یہ نعمت تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملی ہے، تو تم گویا یہ کہنا چاہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ غلط ہے، نعوذ باللہ! اب تم ہی بتاؤ کہ تمہارا مقام کیا ہوگا؟ جو شخص کہ فیصلۂ اِلٰہی پر اِعتراض کرتا ہو اس کا مقام کیا ہے؟

حسد کا دُوسرا منشا:

حسد کا دُوسرا منشا یہ ہوسکتا ہے کہ یہ نعمت مجھے ملنی چاہئے تھی، مجھے کیوں نہیں ملی؟ یہ ایک طرح سے اللہ تعالیٰ پر اِعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں کیوں محروم رکھا؟ تم جب کہتے ہو کہ یہ چیز مجھے ملنی چاہئے تھی تو گویا تم یہ دعویٰ کرتے ہو کہ یہ تمہارا ذاتی اِستحقاق ہے، اِبلیس نے بھی تو یہی کہا تھا کہ میں اس سے بہتر ہوں، میں اس کا مستحق تھا کہ آدم علیہ السلام میرے سامنے سجدہ کریں، نہ یہ کہ اُلٹا مجھے کہا جائے کہ میں آدم کو سجدہ کروں، تو نعمت کو تم نے اپنا ذاتی اِستحقاق سمجھا، ذاتی استحقاق سمجھتے ہوئے ہی تو شیطان نے فیصلۂ خداوندی پر اِعتراض کیا کہ اس نعمت کا حق تو میرا تھا، آپ نے میرے بجائے آدم علیہ السلام کو یہ نعمت دے دی، تو حاسد ایسا احمق ہے کہ وہ دراصل اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر معترض ہے۔

حاسد اپنی آگ میں خود جلتا ہے:

اور لطف کی بات یہ ہے کہ اس کے جلنے سے ہوگا کچھ نہیں، جس پر حسد کر رہا ہے اس کی نعمت زائل نہیں ہوگی، بلکہ یہ خود جلتا رہے گا، دُنیا میں بھی جلے گا اور آخرت میں بھی جلے گا، یہاں حسد کی آگ میں جلتا ہے، وہاں جاکر جہنم کی آگ میں جلے گا۔

حسد بہت سے گناہوں کا منبع ہے:

اور یہ حسد کی بیماری بہت سی بُرائیوں کا منبع ہے، جب اس کو کسی پر حسد ہوگا تو لوگوں کے سامنے اس کی بُرائی بیان کرے گا، تاکہ لوگوں کے دِل میں اس کی عزّت نہ رہے، کیونکہ یہ سمجھے گا کہ لوگوں کے دِل میں اس کی عزّت ہے، میری نہیں، اس نعمت کی وجہ سے اس کو نیچے گرانا چاہے گا تو اس کی بُرائیاں کرے گا، اس کو کوئی نہ کوئی ایذا پہنچانے کی کوشش کرے گا، اس کو کسی نہ کسی طرح ستائے گا، یہ وہ تمام افعال ہیں جن کی وجہ سے یہ غضبِ اِلٰہی کا مورد بنے گا۔ کسی مسلمان کی غیبت کرنا بھی کبیرہ گناہ، کسی مسلمان کو اِیذا پہنچانا بھی کبیرہ گناہ، یہ کوئی نہ کوئی تہمت تراشے گا، کوئی نہ کوئی بات بنائے گا، لوگوں کے ذہن کو اس کی طرف سے پھیرنے کے لئے کوئی نہ کوئی افسانہ تراشے گا، تو غیبت، بہتان تراشی اور اِیذا رسانی جیسے گناہ اس حسد سے پیدا ہوتے ہیں۔

حسد نیکیوں کو کھالیتا ہے:

اسی بنا پر حدیث شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

”اِیَّاکُمْ وَالْحَسَدَ! فَاِنَّ الْحَسَدَ یَأْکُلُ الْحَسَنَاتِ کَمَا تَأْکُلُ النَّارُ الْحَطَبَ۔“ (رواہ ابوداؤد، مشکوٰۃ ص:۴۲۸)

ترجمہ:... ”حسد سے بچو! کیونکہ حسد نیکیوں کو اس طرح کھالیتا ہے جس طرح آگ لکڑیوں کو کھالیتی ہے۔“

یہ حاسد بے چارہ حسد میں مشغول ہے کہ اوّل تو اس سے نیکیاں کی ہی نہیں جائیں گی، جس شخص کو فیصلۂ خداوندی پر اِعتراض ہو، وہ نیکی کیا کرے گا؟ جو شخص اللہ تعالیٰ سے ناخوش ہو، اسے طاعت وعبادت کی توفیق کیسے ہوگی؟ وہ تو آگ میں جلے گا، اور پھر حسد کرنے کی وجہ سے اس سے گناہ سرزد ہوں گے، کسی مسلمان کی غیبت کرنے کے، اس پر بہتان لگانے کے، اس کو ستانے کے، اس کے خلاف کوئی تدبیر

کرنے کے، لوگوں کو برگشتہ کرنے کے، اور آخرت کا اُصول یہ ہے کہ جتنی کسی مسلمان کی بُرائی کرے گا، اس کو ستائے گا، قیامت کے دن اس کی اتنی نیکیاں لے کر مظلوم کو دِلوادی جائیں گی۔

قیامت کے دن مفلس کون ہوگا؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"اَتَدْرُوْنَ مَا الْمُفْلِسُ؟ قَالُوْا: اَلْمُفْلِسُ فِیْنَا مَنْ لَّا دِرْهَمَ لَهٗ وَلَا مَتَاعَ! فَقَالَ: اِنَّ الْمُفْلِسَ مِنْ اُمَّتِیْ مَنْ يَّأْتِیْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ بِصَلٰوةٍ وَّصِيَامٍ وَّزَكٰوةٍ وَيَأْتِیْ قَدْ شَتَمَ هٰذَا، وَقَذَفَ هٰذَا، وَأَكَلَ مَالَ هٰذَا، وَسَفَکَ دَمَ هٰذَا، وَضَرَبَ هٰذَا، فَيُعْطٰى هٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، وَهٰذَا مِنْ حَسَنَاتِهٖ، فَاِنْ فَنِيَتْ حَسَنَاتُهٗ قَبْلَ اَنْ يُّقْضٰى مَا عَلَيْهِ اُخِذَ مِنْ خَطَايَاهُمْ فَطُرِحَتْ عَلَيْهِ ثُمَّ طُرِحَ فِی النَّارِ۔"

(رواہ مسلم، مشکوٰۃ ص:۴۳۵)

ترجمہ:... "جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہؓ نے عرض کیا: ہم تو مفلس اس کو کہتے ہیں جس کے پاس پیسہ نہ ہو، مال و دولت نہ ہو۔ ارشاد فرمایا کہ: میری اُمت کا مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ، زکوٰۃ (اور دیگر طاعات) لے کر آئے، لیکن اس حالت میں آئے کہ اس کو گالی دی تھی، اس پر تہمت لگائی تھی، اس کا مال کھایا تھا، اس کا خون بہایا تھا، اس کو مارا پیٹا تھا، پس اس کی کچھ نیکیاں یہ لے گیا، کچھ وہ لے گیا، اس کے ذمے جو حقوق ہیں اگر وہ ادا نہیں ہوئے کہ نیکیاں ختم

ہوگئیں، تو ان کے گناہ لے کر اس پر ڈال دیئے گئے اور اس کو جہنم میں پھینک دیا گیا۔"

دُوسروں سے اپنا معاملہ صاف رکھو!

تو یہ اپنے خیال میں لوگوں سے دُشمنی کر رہا ہے لیکن اتنا احمق ہے، نادان ہے کہ اپنی کمائی بھی انہی دُشمنوں کو دے رہا ہے، کماتا ہے اور کمائی کرکے ان کے بینک میں جمع کروا رہا ہے۔ ایک حدیث میں ہے:

"عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: جَاءَ رَجُلٌ فَقَعَدَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! اِنَّ لِیْ مَمْلُوْکِیْنِ یُکَذِّبُوْنَنِیْ وَیَخُوْنُوْنَنِیْ وَیَعْصُوْنَنِیْ وَأَشْتِمُھُمْ وَأَضْرِبُھُمْ فَکَیْفَ أَنَا مِنْھُمْ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیَامَةِ یُحْسَبُ مَا خَانُوْکَ وَعَصُوْکَ وَکَذَّبُوْکَ وَعِقَابُکَ اِیَّاھُمْ، فَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ بِقَدْرِ ذُنُوْبِھِمْ کَانَ کَفَافًا لَا لَکَ وَلَا عَلَیْکَ، وَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ دُوْنَ ذَنْبِھِمْ کَانَ فَضْلًا لَکَ، وَاِنْ کَانَ عِقَابُکَ اِیَّاھُمْ فَوْقَ ذُنُوْبِھِمْ اُقْتُصَّ لَھُمْ مِنْکَ الْفَضْلُ۔ فَتَنَحَّی الرَّجُلُ وَجَعَلَ یَھْتِفُ وَیَبْکِیْ، فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ: أَمَا تَقْرَأُ قَوْلَ اللهِ تَعَالٰی: "وَنَضَعُ الْمَوٰزِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ فَلَا تُظْلَمُ نَفْسٌ شَیْئًا وَاِنْ کَانَ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ اَتَیْنَا بِھَا، وَکَفٰی بِنَا حٰسِبِیْنَ۔" (الانبیاء:۴۷) فَقَالَ الرَّجُلُ: یَا رَسُوْلَ اللهِ! مَا أَجِدُ لِیْ وَلِھٰؤُلَاءِ شَیْئًا خَیْرًا مِّنْ مُّفَارَقَتِھِمْ،

أَشْهَدُکَ أَنَّهُمْ کُلُّهُمْ أَحْرَارٌ۔"

(رواہ الترمذی، مشکوٰۃ ص:۴۸۶، ۴۸۷)

ترجمہ:... "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میرے دو غلام ہیں، مجھے جھٹلاتے ہیں، میری خیانت کرتے ہیں، نافرمانی کرتے ہیں، اور میں ان کو گالیاں بکتا ہوں، مارتا پیٹتا ہوں، یا رسول اللہ! میرا اور ان کا معاملہ قیامت کے دن کیسا رہے گا؟ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: انہوں نے جو تیری خیانت کی ہوگی، جتنی نافرمانیاں کی ہوں گی، اور تجھے جھٹلایا ہوگا، قیامت کے دن اس کا بھی میزانیہ تیار کرلیا جائے گا، اور تو نے جو ان کو گالیاں دی ہوں گی، ان کو مارا پیٹا ہوگا، ان کو تکلیف پہنچائی ہوگی، اس کی بھی میزان لگادی جائے گی، پھر دونوں کا وزن کرلیا جائے گا، اگر دونوں برابر ہوگئے تو نہ تجھے کچھ دینا پڑا نہ لینا پڑا، اور اگر ان کا ستانا زیادہ تھا اور جو تم نے سزا دی وہ کم تھی تو تم بچت میں رہے، اور اگر تم نے سزا زیادہ دی تھی اور ان کا قصور کم تھا، تو زیادتی کے بقدر تم سے ان کا بدلہ لیا جائے گا اور تمہاری نیکیاں لے کر ان کو دے دی جائیں گی۔ وہ شخص یہ سن کر مسجد کے کونے میں بیٹھ کر رونے لگا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو بلوایا اور فرمایا: روتے کیوں ہو؟ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: "اور ہم قائم کریں گے انصاف کے تول قیامت کے دن، سو ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر ذرا بھی، اور اگر رائی کے دانے کے برابر کوئی عمل ہوگا

(اچھا یا بُرا) ہم اس کو لے آئیں گے، اور ہم کافی ہیں حساب لینے والے۔"

وہ صاحب کہنے لگے: یا رسول اللہ! بچاؤ کی صورت تو یہی نظر آتی ہے کہ ان سے اپنا معاملہ ختم کردوں، اور یا رسول اللہ! میں آپ کو گواہ بناتا ہوں کہ وہ لوَجہِ اللہ آزاد ہیں، میں ان کو آزاد کرتا ہوں۔"

اپنی نیکیاں دُوسروں کو دینا حماقت ہے:

بڑا ہی احمق ہے وہ شخص جو نیکیاں کرے اور نیکیاں کرکے پھر اپنے دُشمنوں کو، جن سے وہ دُشمنی رکھتا ہے، ان کے کھاتے میں جمع کرادے، اپنے خیال میں یہ ان کی بُرائی کر رہا ہے، ان کی غیبت کر رہا ہے، ان کو گرانا چاہتا ہے، ان کو اِیذا دینا چاہتا ہے، کبھی ان کے خلاف خفیہ سازشیں کرتا ہے، بعض لوگ تعویذ گنڈے کرتے ہیں، بعض لوگ ٹونے ٹوٹکے کرتے ہیں، اور بعض جادو کرتے ہیں کہ اس کا کام نہ ہو، یہ سب اسی بیماری کی شاخیں ہیں وہ جو اپنے اندر ہے، یعنی حسد کی جو بیماری ہے، یہ سب اس کی شاخیں ہیں، اور وہ تمہاری نیکیوں کو کھا رہی ہیں۔

ایک دفعہ ہم تبلیغی چلے میں گئے ہوئے تھے، میرے چھوٹے بھائی عبدالستار صاحب بھی میرے ساتھ تھے، ادھر پشاور کے علاقے میں گئے ہوئے تھے، کبھی جماعت کے ساتھیوں میں باہم رنجش ہوجاتی ہے، بعض دفعہ بعض ساتھی اناڑی ہوتے ہیں، اُصولوں کی پابندی نہیں ہوتی، فہم پورا نہیں ہوتا، آپس میں رنجش ہوجاتی ہے، چنانچہ ہمارے ساتھیوں میں بھی ایک ساتھی کا دُوسرے کے ساتھ کچھ ایسا ہی معاملہ ہوگیا، تو میرے بھائی صاحب کہنے لگے کہ: دراصل اس راستے میں نیکیاں بہت ملتی ہیں، اللہ کے راستے میں نکل کر نیکیاں بہت ملتی ہیں، اور شیطان نہیں چاہتا کہ ہم

ساری نیکیاں محفوظ کر کے لے جائیں، وہ چاہتا ہے کہ ہماری نیکیوں کی اس ٹینکی میں کوئی سوراخ کردیا جائے، تاکہ پانی ٹپکتا رہے اور ٹینکی خالی ہوتی رہے، اس لئے وہ ایسے شوشے چھوڑتا ہے ہمارے ساتھیوں کے درمیان تاکہ وہ اپنی نیکیوں کی خرجیاں بھر کر نہ لے جائیں، کچھ نہ کچھ بوجھ ہلکا کرتے جائیں۔ اللہ کے بندو! یہ تو سوچو کہ ہم سے نیکیاں ہوتی ہی کتنی ہیں؟ اور جو تھوڑی بہت بن پڑتی ہیں وہ بھی لوگوں کو دے کر چلے جاتے ہو...!

حاسد، شیطان کا چھوٹا بھائی ہے:

شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ: اللہ کے بندے! تو کسی مسلمان پر حسد کیوں کرتا ہے؟ اس کو نعمت اللہ تعالیٰ نے عطا فرمائی ہے، اگر تجھ کو اس پر اِعتراض ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو نعمت کیوں عطا فرمائی ہے؟ تو تو شیطان کا چھوٹا بھائی ہے، اس لئے کہ اس نے بھی یہی اعتراض کیا تھا، تیری ضد اس شخص کے ساتھ نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ ہے، تو دُشمنی اس کے ساتھ نہیں کر رہا، بلکہ دُشمنی اللہ تعالیٰ سے کر رہا ہے، اور اگر تجھے یہ شکایت ہے کہ یہ نعمت مجھے کیوں نہیں دی گئی؟ تو اس میں دو قباحتیں ہیں، ایک یہ کہ تجھ کو اللہ تعالیٰ پر اِعتراض ہے کہ اللہ نے تیرے ساتھ ناانصافی کی ہے کہ یہ نعمت تجھے نہیں دی۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو نعمت دے کر ...نعوذ باللہ... حکمت کے خلاف کیا۔

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جانتے نہیں ہو کہ حق تعالیٰ حکیم و علیم ہیں، ان کا جو معاملہ جس کے ساتھ بھی ہے وہ علم و حکمت پر مبنی ہے، تم کون ہوتے ہو دخل دینے والے...؟

اپنے اُوپر اِنعاماتِ اِلٰہیہ کو دیکھو:

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی نوّر اللہ مرقدہٗ بہت اچھی بات فرمایا کرتے تھے، فرماتے تھے کہ: تم دُوسروں کی طرف دیکھتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو کہ

اللہ تعالیٰ کا معاملہ میرے ساتھ کیسا ہے؟ زید کے ساتھ یہ ہے، عمرو کے ساتھ یہ ہے، بکر کے ساتھ یہ ہے، تم لوگوں کے بکھیڑے میں پڑتے ہی کیوں ہو؟ تم یہ دیکھو میرے ساتھ اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ کوئی ضرورت ہے تو مانگو اللہ تعالیٰ سے، ان کا دربار کھلا ہوا ہے، بند تو نہیں ہوا، اللہ کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا، اور تمہاری زبان بھی چلتی ہے، اللہ کے فضل سے گونگی نہیں ہے، تمہارے ہاتھ پھیلانے کے لئے موجود ہیں، اللہ کے سامنے ہاتھ کیوں نہیں پھیلاتے، کیوں اللہ تعالیٰ سے نہیں مانگتے ہو، وہ بخیل تو نہیں ہے کہ تمہیں نہیں دے گا...!

اگر اس بات پر نظر ہو جائے بھئی کہ لوگوں سے کیا واسطہ؟ مجھے تو یہ دیکھنا ہے کہ میرے ساتھ میرے اللہ کا معاملہ کیا ہے؟ تو ہماری ساری بیماریوں کا علاج ہو جائے، آدمی کیوں حسد کرے، کسی کے پاس نعمت دیکھ کر اس کے لئے دُعائے برکت کرو، اللہ تعالیٰ اس میں اور برکت عطا فرمائے۔

حسد کا علاج:

ہمارے حضرت حکیم الاُمت نوّر اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ:

> ''حسد کا علاج یہ ہے کہ جس سے حسد ہو، اس کے لئے ترقی کی خوب دُعا کرے، اور اس کے ساتھ احسان بھی کرتا رہے، خواہ مال سے یا بدن سے یا دُعا سے، چند دنوں میں حسد دُور ہو جائے گا۔'' (انفاس عیسیٰ)

اسی طرح جس سے حسد ہو، لوگوں کے سامنے اس کی تعریف کرو، اس کی تعریف کرنے کو جی تو نہیں چاہے گا، جی تو یہ چاہے گا کہ اس کی بُرائی کروں، لیکن بُرائی نہ کرو، بلکہ تعریف کرو، اس میں تمہیں تکلف سے کام لینا پڑے گا، اور نفس کی خواہش اور چاہت کے خلاف کرنا پڑے گا، اسی کا نام مجاہدہ ہے، اس مجاہدے کی برکت سے رفتہ رفتہ حسد کی بیماری اِن شاء اللہ جاتی رہے گی۔

علماء کا حسد:

یہ حسد کبھی تو ہوتا ہے دُنیا کے مال و دولت پر، عام لوگ اس میں مبتلا ہیں، کبھی ہوتا ہے جاہ و مرتبہ پر کہ اس کو یہ مرتبہ کیوں ملا؟ مجھے کیوں نہیں ملا؟ کبھی ہوتا ہے کسی کے علم و فضل پر، اس لئے اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، یہ حسد مولویوں کی خاص بیماری ہے، ایک روایت میں ہے کہ چھ آدمی چھ جرموں کی وجہ سے ایک سال پہلے بغیر حساب کے دوزخ میں ڈال دیئے جائیں گے، اُمراء و سلاطین ظلم و جور کی وجہ سے، عرب عصبیت (قومی تفاخر) کی وجہ سے، گاؤں کے چوہدری تکبر کی وجہ سے، تاجر لوگ جھوٹ اور خیانت کی وجہ سے، علماء حسد کی وجہ سے۔ (کنز العمال ج:۱ ص:۶۸۷)

ظلم، جہنم میں لے جانے والا ہے:

حکام ظلم اور جور کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت دی ہو، اس کو عدل کا حکم ہے، حق تعالیٰ شانہٗ کا ارشاد ہے:

”اِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ۔“

(النساء:۵۸)

ترجمہ:... ”اللہ تعالیٰ تمہیں یہ حکم دیتے ہیں کہ امانتیں، امانت والوں کے سپرد کرو، اور جب تم لوگوں کے درمیان فیصلہ کرو تو حق و انصاف کا فیصلہ کرو۔“

جس کو اللہ تعالیٰ نے قدرت عطا فرمائی ہو، حکومت عطا فرمائی ہو، اقتدار عطا فرمایا ہو، اس پر عدل کو لازم کردیا ہے، ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ارشاد فرماتے ہیں:

”یَا عِبَادِیْ! اِنِّیْ حَرَّمْتُ الظُّلْمَ عَلٰی نَفْسِیْ وَجَعَلَہٗ بَیْنَکُمْ مُحَرَّمًا، فَلَا تَظَالِمُوْا۔“

(مشکوٰۃ ص:۲۰۳، بروایت مسلم)

ترجمہ:... ”اے میرے بندو! میں نے ظلم کو اپنے اُوپر بھی بند رکھا ہے، اور اس کو تمہارے آپس میں بھی حرام قرار دیا ہے، اس لئے ایک دُوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔“

یعنی جب میں نے ظلم اور ناانصافی کو اپنے اُوپر بھی حرام کر رکھا ہے، تو تمہیں کیسے اس کی اجازت دُوں گا؟ جو چیز اللہ کے حق میں حرام ہے، اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنے لئے بھی ممنوع قرار دے رکھا ہے، تو وہ تمہارے لئے کیسے حلال ہوگی؟ اللہ تعالیٰ کسی سے بے انصافی نہیں فرماتے، اس لئے کسی کو ظلم کی اجازت بھی نہیں دیتے، تو حکام ظلم و جور کے مرتکب ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ جہنم کا ایندھن بنتے ہیں، اور گاؤں کے رئیس تکبر کے مرتکب ہوتے ہیں، ان کو تکبر کی وجہ سے، اور تاجر لوگوں کو خیانت کی وجہ سے دوزخ میں داخل کیا جائے گا، تاجر لوگ کھلا ضرور کرتے ہیں، تجارت میں، اور شیطان نے ان کے کان میں ایک بات پھونک دی ہے، یہ منتر پھونک دیا ہے، شیطان کے بھی مختلف منتر ہیں، ہر ایک کو دَم کرنے کے لئے اس نے الگ منتر اِیجاد کئے ہوئے ہیں، اس نے تاجروں کے کان میں یہ منتر پھونک دیا ہے کہ: ”میاں! اگر تم نے یہ نہ کیا تو تمہاری تجارت ٹھپ ہوجائے گی“ اس لئے تجارت میں کچھ نہ کچھ کھلا ضرور کرنا پڑتا ہے، ایک چیز میں عیب ہے، تمہیں معلوم ہے کہ اس میں عیب ہے، تم گاہک کو نہیں بتلاتے ہو، وہ انجان ہے، ناواقف ہے، وہ چیز کو لے جاتا ہے، اور تمہاری دیانت و امانت سے دھوکا کھا جاتا ہے، تم خوش ہوتے ہو کہ ہم نے مال نکال دیا، مال نکال نہیں دیا بلکہ خیانت اپنے کھاتے میں ڈال لی ہے۔

بدکار تاجر:

حدیث شریف میں ہے:

”اَلتُّجَّارُ یُحْشَرُوْنَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ فُجَّارًا اِلَّا مَنِ اتَّقٰی وَبَرَّ وَصَدَقَ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۴۴، بروایت ترمذی وغیرہ)

ترجمہ:... ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اُٹھائے جائیں گے، سوائے اس شخص کے جس نے تقویٰ سے کام لیا، نیکی سے کام لیا اور سچائی سے کام لیا، دیانت و امانت سے کام لیا۔“

ایک نیک تاجر کا قصہ:

اگر جھوٹ بول کر اور قسمیں کھا کر سودا بیچ دیا تو دو ٹکے تو ضرور مل گئے، لیکن تمہیں یہ معلوم نہیں کہ تم نے اپنا کتنا نقصان کرلیا۔ مؤمن کی شان تو یہ ہے کہ اس کے معاملے میں صفائی ہو۔ مجھے اپنے طالب علمی کے زمانے میں کتابوں کا بہت شوق ہوتا تھا، اب بوڑھا ہوگیا ہوں، مگر یہ شوق اب بھی کچھ کم نہیں ہے، اس شوق کی وجہ سے میں گرمی کے دنوں میں کتب خانوں میں گھومتا رہتا تھا، ہمارے ملتان میں ایک کتب خانہ تھا، جس کے مالک مولانا عبدالتواب تھے، اہل حدیث تھے، بے چارے اپاہج تھے، رینگ کر چلتے تھے، ایک دن مجھے ایک کتاب بہت پسند آئی، میں نے کتاب نکالی اور ان سے پوچھا کہ اس کی کتنی قیمت ہے؟ وہ مجھے فرماتے ہیں: ”یہ آپ کے لینے کی نہیں، معیوب ہے، اس میں عیب ہے۔“ میں لے جاتا تو مجھے پتا بھی نہ چلتا، سالوں بعد کبھی پڑھتا تو شاید پتا چلتا، میں ان مولانا صاحب کی تاجرانہ دیانت سے بہت متأثر ہوا، میرے ایک اور دوست دُکان دار تھے، میں ان سے کوئی چیز خریدتا تو پوچھتا تھا کہ: ”حاجی صاحب! کیسی ہے یہ چیز؟“ وہ فرماتے کہ: ”آپ کے سامنے ہے!“ کبھی تعریف نہیں کرتے تھے کہ اچھی ہے لے لو، نہیں! بلکہ صرف یہ کہہ دیتے کہ

تمہارے سامنے ہے، اب تو تاجر لوگ چیزوں میں کھوٹ ملاتے ہیں، ملاوٹ کرتے ہیں، اور نامعلوم کیا کیا کرتے ہیں؟ دیانت و امانت کا دامن ہم نے چھوڑ رکھا ہے، اور ماشاء اللہ سب کو تو نہیں کہتا، اللہ کے کچھ بندے اب بھی ہیں جو تجارت میں بھی دیانت و امانت سے کام لیتے ہیں، اور جس دن اللہ تعالیٰ کے یہ بندے نہیں رہیں گے اس دن آسمان و زمین کی ضرورت نہیں رہے گی، ان کو توڑ پھوڑ دیا جائے گا۔

بلاشبہ ابھی اللہ تعالیٰ کے کچھ بندے موجود ہیں، ورنہ اکثر لوگوں نے دیانت اور امانت کو چھوڑ رکھا ہے، جائز و ناجائز کا، حرام و حلال کا، کسی مسلمان کو نقصان پہنچانے کا، ان کا کوئی تصوّر ہی نہیں کہ یہ بھی کوئی بُرائی ہے، تو تاجر لوگ خیانت کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے، اسی لئے حدیث میں فرمایا: ”تاجر لوگ قیامت کے دن بدکار اور نافرمان لوگوں کے زُمرے میں اُٹھائے جائیں گے، مگر جس نے تقویٰ، سچائی اور نیکی سے کام لیا، وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔“

نیک تاجر کی فضیلت:

اور ان کے مقابلے میں جو تاجر کہ صدق اور امانت سے کام لیتا ہو، صدوق: سچ بولنے والا، اور امین: امانت سے کام لینے والا ہو، اس کے بارے میں فرمایا ہے کہ:

”اَلتَّاجِرُ الصُّدُوْقُ الْاَمِیْنُ مَعَ النَّبِیِّیْنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّھَدَآءِ۔“ (مشکوٰۃ ص:۲۴۳)

ترجمہ:...”جو تاجر کہ صادق و امین ہو، اس کا حشر قیامت کے دن نبیوں، صدیقوں، شہیدوں کے ساتھ ہوگا۔“

اُن کے ساتھ اُٹھایا جائے گا، اللہ تعالیٰ اسے ان کی معیت نصیب فرمائیں گے، کیسی عجیب بات ہے کہ اپنا کام بھی کر رہا ہے، اور اپنی آخرت بھی بنا رہا ہے، بھئی صدق و امانت کے ساتھ تجارت کرنے کا بڑا درجہ ہے، جبکہ آدمی دُوسرے کاموں میں بھی متقی ہو، پرہیزگار ہو۔

قاریوں اور مولویوں کا حسد:

قاریوں کے بارے میں جو فرمایا، اس سے مراد علماء بھی ہیں، قراء کے بارے میں فرمایا کہ یہ قاری لوگ حسد کی وجہ سے ایک سال پہلے جہنم میں ڈالے جائیں گے، حسد ان کی خاص بیماری ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے۔

حسد کم ظرفی کی علامت ہے:

یہ حسد کی بیماری دراصل احساسِ کمتری کی شاخ ہے، اصل میں آدمی جب سمجھتا ہے کہ اسے چھوٹا بنادیا گیا اور دُوسرا بڑا بن گیا یا بنادیا گیا، تو قدرتی طور پر حسد پیدا ہوتا ہے، یہ کم ظرفی کی علامت ہے، حوصلہ بلند ہو آدمی کا تو پھر دُوسرے پر حسد نہیں آتا۔

شیطان کے تین عین:

حسد ایسی بُری چیز ہے کہ اس کی وجہ سے شیطان راندۂ درگاہ ہوا، اور اس نے حکمِ اِلٰہی سے سرتابی کی، ہمارے حضرت ڈاکٹر صاحبؒ، حضرت تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ سے نقل کرتے تھے کہ شیطان میں تین عینیں تھیں، چوتھی عین نہیں تھی، وہ بڑا عالم تھا، اتنا بڑا عالم کہ معلّم الملکوت کہلاتا تھا، یعنی فرشتوں کا اُستاد، وہ عابد تھا، اور اتنا بڑا کہ اس نے آسمان کے چپے چپے پر سجدہ کیا تھا، وہ عارف بھی تھا، یعنی اللہ کی معرفت اس کو حاصل تھی، اور اتنا بڑا عارف کہ اللہ تعالیٰ اس کو فرماتے ہیں:

”فَاخْرُجْ مِنْهَا فَاِنَّکَ رَجِیْمٌ۔ وَاِنَّ عَلَیْکَ لَعْنَتِیٓ اِلٰی یَوْمِ الدِّیْنِ۔“ (الحجر:۳۴، ۳۵)

ترجمہ:... ”نکل جا یہاں سے تو مردود ہے، اور تجھ پر قیامت تک لعنت ہوگی۔“

لیکن وہ عین غضب کی حالت میں کہتا ہے:

’’رَبِّ فَاَنْظِرْنِیْ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ۔‘‘ (الحجر:۳۶)

ترجمہ:... ’’اے میرے ربّ! مجھے مہلت دیجئے قیامت تک۔‘‘

آپ مجھے راندۂ درگاہ تو کر رہے ہیں، یہ ایک بات تو منظور کرلیجئے، ظالم عین غضب کی حالت میں مانگ رہا ہے، کیا غصّے کی حالت میں کچھ مانگا جاتا ہے؟

حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: شیطان عارف تھا، جانتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا غضب اللہ تعالیٰ کو مغلوب نہیں کرتا، اس حالت میں بھی مانگوں تو وہ دیں گے، یہ تو ہماری شان ہے کہ ہم غصّے سے مغلوب ہوجاتے ہیں، اور جب تک غصہ اُترے نہیں اس وقت تک کسی کی سننے کے لئے تیار نہیں ہوتے، لیکن اللہ تعالیٰ کا غضب ایسا نہیں۔

حضرتؒ نے فرمایا کہ یہ تین عین تو شیطان میں تھے: عالم تھا، عابد تھا، عارف تھا، لیکن چوتھی عین اس کے پاس نہیں تھی، وہ عاشق نہیں تھا، اگر اللہ تعالیٰ کا عشق اس کو نصیب ہوتا اور اللہ کی محبت حاصل ہوتی تو حکمِ اِلٰہی سے سرتابی نہ کرتا بلکہ فوراً حکم بجالاتا، کیونکہ عاشق، محبوب کے حکم پر مرمٹتے ہیں:

زبان تازہ کردن باقرارِ تو
نینگیختن علت از کارِ تو

ترجمہ:... ’’ہمارا کام تو تیرے اقرار کے ساتھ زبان کو تازہ کرنا ہے، تیرے کاموں میں علّتیں تلاش کرنا ہمارا کام نہیں۔‘‘

ہم کون ہوتے ہیں کہ محبوبِ حقیقی کے حکم پر چوں چرا کریں؟ محبوب کی

طرف سے جو حکم ہو جائے، عاشق اس کو بجا لاتا ہے، اور اگر اہلِ عقل یہ کہیں کہ یہ تو بڑی ذِلت کی بات ہے جو تم کہہ رہے ہو، دُوسرے لوگ اسے فہمائش کریں گے کہ محبوب کا جو حکم بجا لائے یہ تو بڑی ذِلت کی بات ہے، تو وہ کہے گا عقل اور ننگ و نام تمہیں مبارک ہو:

ما نمی خواہیم ننگ و نام را

محبوب کے حکم کی تکمیل کرتے ہوئے نہ ہمیں شرم کی پروا ہے، نہ نام کی پروا ہے، اگر اس سے عزّت ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، اگر بے عزّتی ہوتی ہو تو اس کی پروا نہیں، بھئی اگر اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو پھر اللہ تعالیٰ کی تقسیم پر اِعتراض کرو؟ لوگوں سے حسد کرو؟ یہ نہیں ہوسکتا...!

حسد کرنا علم کے کچا ہونے کی علامت ہے:

اہلِ علم میں جو حسد ہوتا ہے تو اس کی وجہ یہ ہے کہ علم کچھ پکا ہوتا ہے، کچھ کچا، بھئی ہم جیسے لوگوں کا علم کچا ہے، اور تم جانتے ہو کہ کچا پھل تو کھٹا ہوتا ہے، تلخ ہوتا ہے، اور گیلی لکڑی کو جلاؤ تو دُھواں ہی دُھواں ہوتا ہے، ہم لوگ بھی اپنے دُھوئیں میں رہتے ہیں، اگر علم میں پختگی پیدا ہوجائے تو ہم میں بھی شیرینی پیدا ہوجائے، علم تو حقیقت سے آگاہ کرتا ہے، لیکن عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ علم کچا رہتا ہے، ہم لوگ علم کو پکاتے نہیں ہیں، اور وہ سوکھ جاتا ہے، ہم لوگ بوڑھے ہوجاتے ہیں اور علم کچا ہی رہتا ہے، اللہ تعالیٰ معاف فرمائیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حسد پیدا ہوتا ہے، ایک عالم کو دُوسرے عالم سے حسد ہوگیا کہ لوگ اس کے معتقد ہوجائیں گے، گویا یہ تقریر کرنے والا بھی لوگوں کو معتقد کرنے کے لئے تقریر کر رہا ہے، اللہ تعالیٰ معاف کرے، اللہ کی

رضا اس کا بھی مقصد نہیں، اور وہ جو دُوسرا احمق حسد کر رہا ہے، اس کے نزدیک بھی تقریر سے یا وعظ سے بس لوگوں کو معتقد بنانا مقصود ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

"مَنْ طَلَبَ الْعِلْمَ لِيُجَارِیَ بِهِ الْعُلَمَاءَ اَوْ لِيُمَارِیَ بِهِ السُّفَهَاءَ اَوْ يَصْرِفُ بِهِ وُجُوْهَ النَّاسِ اِلَيْهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ۔" (مشکوٰۃ ص:۳۴، بروایت ترمذی)

ترجمہ:... "جو شخص اس غرض سے علم حاصل کرتا ہے کہ اس کے ذریعے علماء سے بحث کرے گا، یا احمقوں سے جھگڑا کرے گا، یا لوگوں کی توجہ اپنی طرف پھیرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ میں داخل کریں گے۔"

تو یہ تمام علامتیں علم کے کچا ہونے کی ہیں کہ اس شخص کی نظر حقیقت پر نہیں گئی، اگر حقیقت پر نظر ہوتی تو حسد نہ ہوتا، اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر اِعتراض نہ کرتا، جس چیز پر اِعتراض ہے اس چیز کو بڑا نہ سمجھتا، حالانکہ سب سے بڑی چیز اور سب سے بڑی دولت تو اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں۔ حق تعالیٰ شانہٗ ہمیں حسد سے اور تمام اَمراضِ رُوحانی سے محفوظ رکھیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی رضا اور محبت نصیب فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ!

دُنیا کی محبت

کے بُرے اثرات

حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، جن کو اپنا خوف، اپنی محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں، ان کو دُنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں، ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں، پاک اور ناپاک، اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دِلوں کو دُنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دِل میں یہ محبت موجود ہے، وہ سمجھے کہ اس کے دِل میں اللہ کی محبت نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم
الحمدللہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ وَنَسْتَغْفِرُہٗ وَنُؤْمِنُ بِہٖ وَنَتَوَکَّلُ عَلَیْہِ، وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا، مَنْ یَھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَنَا وَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ، صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَبَارَکَ وَسَلَّمَ تَسْلِیْمًا کَثِیْرًا کَثِیْرًا، اَمَّا بَعْدُ!"

فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ،
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

"فَقَدْ اَخْرَجَ اَبُوْ نُعَیْمٍ فِی الْحِلْیَۃِ، عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ قَالَ: لَا تَزَالُ نَفْسُ اَحَدِکُمْ شَابَّۃً فِیْ حُبِّ الشَّیْءِ وَلَوِ الْتَقَتْ تَرْقُوَتَاہُ مِنَ الْکِبَرِ اِلَّا الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰہُ قُلُوْبَھُمْ لِلتَّقْوٰی، وَقَلِیْلٌ مَّاھُمْ۔ وَاَخْرَجَہُ ابْنُ عَسَاکِرٍ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ مِثْلَہٗ کَمَا فِی الْکَنْزِ۔"

(حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۵۱۸)

”وَاَخرَجَ اَبُوْ نُعَیمٍ فِی الْحِلْیَۃِ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: ثَـلَاثٌ مِنْ مِّـلَاکِ امْرِ ابْنِ اٰدَمَ، لَا تَشْکِ مُصِیْبَتَکَ، وَلَا تَحدِثْ بِوَجْعِکَ، وَلَا تُزَکِّ نَفْسَکَ بِلِسَانِکَ۔“

”وَاَخرَجَ اَبُوْ نُعَیمٍ فِی الْحِلْیَۃِ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ قَالَ: اِیَّاکُمْ وَدَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ وَدَعْوَۃَ الْیَتِیْمِ فَاِنَّھُمَا تَسْرِیَانِ بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ۔ وَعِنْدَہٗ اَیْضًا عَنْہُ قَالَ: اِنَّ اَبْغَضَ النَّاسِ اِلَیَّ اَنْ اَظْلِمَہٗ مَنْ لَّا یَسْتَعِیْنُ عَلَیَّ اِلَّا بِاللہِ عَزَّ وَجَلَّ۔“ (حیاۃ الصحابہ ج:۳ ص:۵۱۸)

ترجمہ:... ”حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، انہوں نے فرمایا کہ: تم میں سے کسی ایک شخص کا نفس جوان ہوتا جاتا ہے کسی چیز کی محبت میں، خواہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کے دونوں جبڑے مل گئے ہوں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دِل کو اللہ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں۔“

ترجمہ:... ”ابونعیمؒ نے حلیہ میں نقل کیا ہے کہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے تھے: تین چیزیں بندے کے معاملے کا مدار ہیں، ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی شکایت نہ کرو، دوم یہ کہ اپنی تکلیف لوگوں کو نہ بتاؤ، سوم یہ کہ اپنی زبان سے اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو، یعنی اپنے منہ سے اپنے آپ کو پاک نہ بتاؤ۔“

ترجمہ:... ”ابونعیمؒ نے حلیہ میں حضرت ابولدرداء رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ فرماتے تھے کہ: مظلوم کی اور یتیم کی

بدُعا سے بچا کرو، اس لئے کہ یہ دونوں چیزیں رات کے وقت چلتی ہیں جبکہ لوگ سو رہے ہوں۔ اور ایک روایت میں ان سے منقول ہے کہ سب سے ناپسندیدہ چیز میرے نزدیک یہ ہے کہ میں کسی ایسے شخص پر ظلم کروں جو اللہ تعالیٰ کے سوا میرے مقابلے میں کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔"

یہ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کے چند مواعظ ہیں، ایک کہ کسی چیز کی محبت میں آدمی کا نفس ہمیشہ جوان رہتا ہے، چاہے اتنا بڑھا ہوگیا ہو کہ اس کے جبڑے بھی مل گئے ہیں، منہ نہیں کھلتا لیکن نفس کی جوانی نہیں جاتی، وہ اب تک جوان ہے، سوائے ان لوگوں کے جن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہو وہ تو مستثنیٰ ہیں، اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت ہی کم، یہ مضمون حدیث شریف کا ہے، ایک حدیث میں فرمایا ہے:

"یَهْرُمُ ابْنُ اٰدَمَ وَیَشِبُّ مِنْهُ اثْنَانِ، اَلْحِرْصُ عَلَی الْمَالِ وَالْحِرْصُ عَلَی الْعُمُرِ۔" (متفق علیہ، مشکوٰۃ ص:۴۴۹)

یعنی آدمی بڑھا ہوتا رہتا ہے، لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، جیسے جیسے اس کی عمر ڈھلتی ہے، ویسے ویسے اس کی یہ دو حالتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، ایک مال کی محبت، دُوسرے طول الامل، لمبی لمبی اُمیدیں یعنی زیادہ زندہ رہنے کی محبت، یہ انسان میں فطری طور پر رکھی گئی ہے۔ یہ چیز رکھی بھی ایسی گئی ہے کہ بوڑھا ہونے کے بعد آدمی کا دِل سرد ہوجاتا ہے تمام چیزوں سے، بہتیرا کھالیا، بہتیرا کمالیا، اب چھوڑ دیں، اللہ نے گھربار دیا ہے، آل و اولاد دی ہے تو دُنیا میں بہتیرا کھالیا، اب آگے کی تیاری کریں، لیکن نہیں بڑے میاں کا دِل نہیں بھرتا، اس حالت میں بھی کہ جب پاؤں قبر میں لٹکے ہوئے ہیں چاہتا ہے کہ مال زیادہ سے زیادہ ہو اور اپنی آرزوئیں بناتا رہتا ہے شیخ چلی کی طرح، یہ فطری چیز ہے سوائے ان لوگوں کے جن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ

نے تقویٰ کے ساتھ مخصوص کر دیا ہے، خوفِ خدا ان کے دِل میں ہے، ان کا دِل سرد ہو جاتا ہے۔

ایک درباری شیخ الاسلام کا قصہ:

ایک بادشاہ کے بارے میں کہتے ہیں کہ وہ ایک بزرگ کے پاس گیا، بادشاہ کا شیخ الاسلام بھی ساتھ تھا، ''سرکاری شیخ الاسلام'' جیسے بے نظیر نے کوثر نیازی کو ''شیخ الاسلام'' بنایا ہوا تھا، (اللہ معاف کرے) تو بادشاہ اس بزرگ سے بہت ادب سے ملا، اور بادشاہوں میں یہ چیز ہوتی ہے کہ جب کسی اللہ والے کو دیکھتے ہیں تو اِخلاص سے ملتے ہیں، شیخ الاسلام جل گئے کہ بزرگ کی اتنی تعظیم بادشاہ کرتا ہے اور ہمیں گھاس بھی نہیں ڈالتا۔ چلتے ہوئے بادشاہ نے کچھ ہدیہ پیش کیا، نقدی کی ایک تھیلی پیش کی، بزرگ فرمانے لگے کہ: بادشاہ سلامت! ہم اس کو کیا کریں گے؟ ہمارے کام کی یہ چیز نہیں، آپ لے جایئے اور ضرورت مندوں کو تقسیم کر دیجئے، میرے کام یہ چیز نہیں ہے۔ دُنیا ایک ایسی چیز ہے کہ اس کا ایک تجربہ کر کے دیکھ لو کہ جس شخص کے دِل میں اس کی عزّت نہ ہو اس کی عزّت ہمارے دِل میں آجاتی ہے، اور جس کے دِل میں اس کی حرص ہو، وہ خواہ اپنی جگہ کتنے ہی اس دُنیا کے حریص نہ ہوں لیکن جب دُوسرے کے دِل میں ہم دُنیا کی محبت دیکھتے ہیں اور روپے پیسے کی محبت دیکھتے ہیں تو اس کی قدر و قیمت ہمارے دِل سے مٹ جاتی ہے یا کم ہوجاتی ہے۔ اس بزرگ نے جب بادشاہ سے یہ بات کہی تو شیخ الاسلام صاحب نے سمجھا کہ بادشاہ کے دِل میں تو اس کی اور وقعت پیدا ہوجائے گی۔

شیخ الاسلام نے وہی حدیث پڑھی جو میں نے پڑھی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''یَهْرُمُ ابْنُ اٰدَمَ وَيَشِبُّ مِنْهُ خَصْلَتَانِ'' یعنی آدم کا بیٹا بوڑھا ہوتا رہتا ہے، لیکن دو خصلتیں اس میں جوان ہوتی رہتی ہیں، پرورِش پاتی رہتی ہیں، مال کی محبت اور دُنیا میں رہنے کی محبت۔

مقصد اس بزرگ پر چوٹ کرنا تھا کہ یہ چیزیں آپ میں بھی موجود ہیں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان برحق ہے، لیکن نمائش کے طور پر آپ ترکِ دُنیا ظاہر کرتے ہیں کہ مجھے دُنیا کی ضرورت نہیں۔ وہ بزرگ فرمانے لگے کہ: حضرت! آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یہ دو خصلتیں جوان ہوتی رہتی ہیں، جوان وہ ہوتا ہے جو پیدا ہوگیا ہو، اللہ کا شکر ہے کہ یہاں پیدا ہی نہیں ہوا۔ یعنی یہ دو چیزیں یہاں پیدا ہی نہیں ہوئیں، پیدا ہوتیں تو جوان ہوتیں! یہ سن کر شیخ الاسلام صاحب اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ بزرگ فرمانے لگے کہ ایک حدیث میں بھی سنادوں، وہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

"اَلْعُلَمَآءُ اُمَنَاءُ الرُّسُلِ مَا لَمْ يُخَالِطُوا السُّلْطَانَ، فَاِذَا خَالَطُوا السُّلْطَانَ وَدَاخَلُوا الدُّنْيَا فَقَدْ خَانُوا الرُّسُلَ، فَاحْذَرُوْهُمْ!" (کنز العمال ج۱۰ حدیث:۲۸۹۵۳)

ترجمہ:... "علماء رسولوں کے امین ہیں، جب تک حکومت کی ہاں میں ہاں نہ ملائیں، بادشاہ کے قریب ہوکر نہ رہیں۔ اگر وہ بادشاہ کے قریب ہوکر رہیں، حکومت کے اقتدار کے قریب ہوکر رہیں اور دُنیا میں داخل ہوجائیں تو ان سے بچو! (کیونکہ وہ دِین کے ڈاکو ہیں، یعنی غلام احمد قادیانی کی طرح تقدس کے پردے میں دِین و ایمان کے چور اور ڈاکو ہیں)۔"

شیخ الاسلام صاحب مناظرہ ہار گئے، اور اس حدیثِ نبوی کا ان کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دُنیا کی اور اللہ کی محبت جمع نہیں ہوسکتیں:

اس لئے حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں، سوائے ان لوگوں کے جن کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے چن لیا ہے، جن کو اپنا خوف، اپنی

محبت اور اپنی رضا نصیب فرمادیتے ہیں، ان کو دُنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں، ایک برتن میں دو چیزیں نہیں ڈالی جاسکتیں، پاک اور ناپاک، اور ایک ہی دسترخوان پر گندی اور پاک دونوں چیزوں کو جمع نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں کے دِلوں کو اللہ تعالیٰ اپنی محبت کے لئے چن لیتے ہیں، ان کے دِلوں کو دُنیا کی محبت سے پاک کردیتے ہیں، اور جس شخص کے دِل میں یہ محبت موجود ہے، وہ سمجھے کہ اس کے دِل میں اللہ کی محبت نہیں ہے، اور اگر اس کا نفس اس کو دھوکا دیتا ہے کہ ہمیں بھی اللہ سے محبت ہے، تو وہ جھوٹ بولتا ہے، اس دِل کے اندر اگر اللہ کی محبت ہے تو ناپاک (دُنیا) کی محبت نہیں ہوسکتی، اور ناپاک کی محبت جب تک ہے اور اس سے دِل پاک نہیں ہوا اس وقت تک اللہ کی محبت نہیں آئے گی۔ اور ایسے لوگ بہت کم ہیں، بہت کم ہیں، بہت ہی کم ہیں کہ جن کے دِلوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ دُنیا کی محبت سے پاک فرمادیتے ہیں، ان کے لئے مال و دولت کا آنا جانا برابر ہوتا ہے، دُنیا آئے خوشی نہیں ہوتی، جائے تو غم نہیں۔ دُنیاوی نقصان پر ان کا ہارٹ فیل نہیں ہوتا، بہت سے لوگوں کو نقصان کی اطلاع پہنچ جائے کہ مال کا نقصان ہوگیا تو دِل کا دورہ ہوجاتا ہے، اس وقت معلوم ہوا کہ مال کی محبت دِل کے اندر رچی بسی تھی، دُنیا کی محبت دِل کو کمزور کرتی ہے اور اللہ کی محبت دِل کو قوی کرتی ہے، دُنیا کی محبت تشویش لاتی ہے اور اللہ کی محبت دِل کو سکون اور اِطمینان کی دولت مہیا کرتی ہے، دُنیا کی محبت خارش کی طرح ہے، جتنی آدمی کو خارش ہوتی ہے اس کو کھجلی ہوتی ہے، خارش کرتا رہتا ہے اس کو مزہ آتا رہتا ہے، اور جب خارش بند کردی جلن شروع ہوگئی ہم لوگ بے حس ہوگئے ہیں، ہمارے دِلوں میں احساس نہیں رہا، ورنہ ہمیں معلوم ہوتا کہ دُنیا کی محبت سے دِلوں پر کیا گزرتی ہے:

”اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔“ (الرعد:۲۸)

ترجمہ:... ”سنو! اللہ ہی کے ذکر سے (اور اللہ ہی کی یاد سے) چین آتا ہے دِلوں کو۔“

جن لوگوں کو اللہ کے ذکر کے بغیر اطمینان ہے، وہ بے چارے دھوکے میں ہیں، غرضیکہ یہ چیز لائقِ علاج ہے، قابلِ علاج ہے، جوانی آئی دُنیا کی محبت بڑھتی گئی، ہم بھی بڑھ رہے تھے، یہ محبت بھی بڑھ رہی تھی، جوانی سے بڑھاپے میں قدم رکھا تو ہم تو بوڑھا ہونا شروع ہوگئے مگر دُنیا کی محبت ابھی تک جوان ہے، اور بڑھاپے سے قبر میں قدم لٹکا ہوا ہے لیکن اس کی محبت اب تک ختم نہیں ہوئی۔ تمام اعضاء وقویٰ جواب دے گئے، لیکن یہ جو دُنیا کی محبت کی بلا ساتھ لگی ہوئی تھی، یہ بوڑھی نہیں بلکہ اور جوان بلکہ جوان تر ہوگئی، اور جب یہ مرے گا تو رضائے اِلٰہی کے لئے اور اللہ کی محبت کے لئے تو کوئی محنت نہیں کی تھی، محنت کی تھی ان چیزوں کے لئے، اب ان کو دیکھ دیکھ کر حسرت کرے گا، ہائے! فلاں چیز کو چھوڑ کر جارہا ہوں، بڑے شوق سے مکان بنایا تھا، بڑے شوق سے یہ کیا تھا، بڑے شوق سے وہ کیا تھا، یہ سب شوق دھرے کے دھرے رہ گئے اور جہاں جانا تھا، یعنی قبر، اس کے لئے کوئی سامان ہی نہیں کیا، اور نہ ہی قبر کے اندھیرے کے لئے کوئی تیاری کی، نہ کبھی بجلی کی فٹنگ وہاں کی، نہ کوئی ٹارچ کی روشنی لے کے گئے، نہ کوئی وہاں بستر کا سامان کیا، نہ کوئی وہاں کی تنہائی اور وحشت کے لئے سوچا، جیسے دُنیا میں خالی ہاتھ آئے تھے، اب یہاں پر سب کما کر یہیں چھوڑ کر خالی ہاتھ قبر میں چلے گئے۔

کوئی غیرملک کمانے کے لئے گیا ہو، اگر تو وہاں سے زَرِمبادلہ لانے کی اس کو اِجازت مل جائے تب تو ٹھیک ہے، اور اگر سب کچھ وہیں چھین لیا جائے تو اس نے بیس تیس سال ضائع بھی کئے اور خالی ہاتھ آگیا، اس کے دوست احباب، بیوی بچے پوچھنے لگے کہ کیا لائے ہو؟ کہنے لگا کہ: ''کچھ نہیں لایا ہوں، سب کچھ چھین لیا گیا!'' ہم لوگ بھی یہاں محنتیں کر رہے ہیں اور جب جائیں گے تو سب کچھ چھین لیں گے، جو اپنے اندر تھا وہ تو ساتھ جائے گا، باہر کی سب چیزیں ہم سے چھین لی جائیں گی کپڑے تک چھین لیتے ہیں، اللہ کے بندے یہ بھی نہیں کہتے کہ مولوی صاحب کے

کپڑے تو رہنے دو یار، ہم ان کو بہت اچھے اچھے کپڑے بنا کر دیا کرتے تھے، رہنے دو، لے جانے دو، کہتے ہیں: نہیں صاحب! سلے ہوئے کپڑے لے جانے کی بھی اجازت نہیں، چادر دیں گے لٹھے کی دو چادریں پہنا دیں گے بس، نہ عمامہ ہے، نہ کھسّہ ہے، تم خود ہی چھینتے ہو، اس غریب کو ذلیل کر کے آجاتے ہو لحد میں، کون سی چیز رہنے دی اس کے پاس؟ اے کاش! مرنے سے پہلے ہمیں عقل آجاتی۔

اور یہاں سے یہ چیز بھی معلوم ہوگئی کہ یہ چیزیں قابلِ علاج ہیں، اللہ والوں سے ان چیزوں کا علاج کروایا جاتا ہے، میرے دِل کے اندر دُنیا کی محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے، یہ چیز قابلِ علاج ہے، یہ دُنیا کی محبت کس طرح نکل جائے؟ مال کی محبت کس طرح نکل جائے؟ اور مال کی محبت ہونے کا معیار کیا ہے؟ یہ چیزیں بزرگوں کے سامنے ذکر کرنے کی ہوتی ہیں، شیخ سے اصلاحی تعلق ہونے کا یہی مطلب ہوتا ہے۔

تمام معاملات کا مدار:

دُوسرا اِرشاد حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کا نقل کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ: ابنِ آدم کے تمام معاملات کا مدار تین چیزیں ہیں، جس کو تین چیزیں حاصل ہوگئیں سمجھو کہ بیڑا پار ہوگیا، ایک یہ کہ اپنی مصیبت کی کسی سے شکایت نہ کرو، دُوسری یہ کہ اپنے دُکھ کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو، اور تیسری یہ کہ اپنی زبان سے اپنی صفائی اور پاکیزگی بیان نہ کرو، جی میں تو بے گناہ ہوں، اپنی بے گناہی کو تو زرداری اور بےنظیر بھی بیان کریں گے، زبان سے:

اتنی نہ بڑھا پاکیٔ داماں کی حکایت
دامن کو ذرا دیکھ! ذرا بندِ قبا دیکھ!

اپنی مصیبت کی شکایت کسی سے نہ کرو:

اپنی مصیبت کی شکایت اللہ کے سامنے کرو، مخلوق کے سامنے نہ کرو، جب حضرت بنیامین کو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے پاس روک لیا مصر میں اور

بھائی خالی ہاتھ گئے، انہوں نے جا کر اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا: ''اِنَّ ابۡنَکَ سَرَقَ'' تیرے بیٹے نے چوری کی ہے، اس کو اپنے پاس رکھ لیا ہے عزیز مصر نے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا کہ: نہیں بیٹے نے چوری نہیں کی ہے، تمہارے نفسوں نے کوئی بات بنائی ہے، خیر میں صبرِ جمیل اختیار کروں گا۔ یوسف علیہ السلام تو پہلے سے گم تھے، ان کا بھائی بھی ہاتھ سے گیا، بے اختیار حضرت یعقوب علیہ السلام کے دِل سے آہ نکلی: ''یٰۤاَسَفٰی عَلٰی یُوۡسُفَ'' ہائے حسرت یوسف پر! ''وَابۡیَضَّتۡ عَیۡنٰہُ مِنَ الۡحُزۡنِ فَھُوَ کَظِیۡمٌ'' (یوسف:۸۴) اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ غم کی وجہ سے ان کی آنکھیں سفید ہوگئیں، آنکھوں کا نور جاتا رہا، آنکھوں کی چمک ختم ہوگئی اور اتنا شدید غم تھا کہ گویا گلا کٹا جاتا ہے، بچوں نے کہا: ''تَفۡتَؤُا تَذۡکُرُ یُوۡسُفَ'' آپ ہمیشہ یوسف کو یاد کرتے رہیں گے ''حَتّٰی تَکُوۡنَ حَرَضًا اَوۡ تَکُوۡنَ مِنَ الۡھٰلِکِیۡنَ'' یہاں تک آپ گھل گھل کر ختم ہوجائیں گے، ہڈیاں بھی ختم ہوگئیں غمِ یوسف میں۔ میں جو سنانا چاہتا ہوں وہ اگلی بات ہے: ''قَالَ اِنَّمَاۤ اَشۡکُوۡا بَثِّیۡ وَحُزۡنِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ'' (یوسف:۸۶) میں اپنے غم اور پریشانی کا اظہار صرف اللہ کے سامنے کرتا ہوں۔ کبھی کسی کے سامنے شکایت کی حضرت یعقوب علیہ السلام نے؟ میں نے کبھی تذکرہ کیا کسی بندے کے سامنے؟ صرف ایک مالک سے شکایت کرتا ہوں، اپنی پریشانی کی بھی اور اپنے غم کی بھی۔ اگر اس کے پاس بھی نہ کروں تو اور کس کے پاس کروں؟

کوئی آفت اور کوئی مصیبت آن پڑی، شکایت کرو لیکن مولا کے سامنے کرو، شکایت بھی شکایت کے انداز میں نہیں، بلکہ اپنی حالتِ زار کو اس کے سامنے رکھ کر اپنی عبدیت کا اظہار کرنے کے لئے، مخلوق کے سامنے اپنی شکایت نہ کرو، اس لئے کہ مخلوق خواہ چھوٹی ہو یا بڑی ہو، آسمان ولی ہو یا زمین والی ہو، تمہاری شکایت رفع نہیں کرسکتی، ایک ہی ہے جو شکایتوں کو رفع کرسکتا ہے، اس لئے فرماتے ہیں: ''لَا تَشۡکُ مُصِیۡبَتَکَ'' اپنی مصیبت کی کسی کے سامنے شکایت نہ کرو سوائے اللہ تعالیٰ کے، اور اپنے درد کا اظہار کسی کے سامنے نہ کرو، صرف اُسی کے سامنے کرو، ''اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ

وَاَنۡتَ اَرۡحَمَ الرّٰحِمِیۡنَ'' حضرت ایوب صابر علیہ الصلوٰۃ والسلام، اللہ کے سامنے کہہ رہے ہیں: پروردگار! مجھے تکلیف پہنچی ہوئی ہے، اور آپ ارحم الراحمین ہیں، ہٹا سکتے ہیں، لگانے والے بھی آپ ہیں، ہٹانے والے بھی آپ ہیں، وہاں کوئی دوا دارو کرنے کی ضرورت تھی، ''اُرۡکُضۡ بِرِجۡلِکَ''حکم دیا: اپنی ایڑی کو مارو زمین پر، جب ایڑی ماری چشمہ پھوٹ پڑا اور فرمایا: ''هٰذَا مُغۡتَسَلٌۢ بَارِدٌ وَّشَرَابٌ'' (صٓ:۸۲) ٹھنڈا پانی بھی پیئو اور نہاؤ بھی، غسل کیا اور پانی پیا، پھر کیا تھا جیسے چودھویں رات کا چاند نکل آیا، وہاں فوراً تکلیف دُور ہوگئی۔ بتانا چاہتے تھے کہ لگانا چاہیں تو کوئی ہٹا نہیں سکتا، اور جب ہٹانا چاہیں تو ان کے لئے تدبیروں کی کوئی ضرورت نہیں، چشمے کا پانی اس سے غسل کیا سب کچھ دُور ہوگیا، تمام بیماریاں دُور ہوگئیں۔

اپنی تکلیف کا اظہار اللہ کے سامنے کرو، سجدے میں گر جاؤ اور پھر حضرت ایوب علیہ السلام کی دُعا پڑھو: ''اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ''۔ ہمارے مولانا ادریس میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ بیمار ہوگئے تھے، فرمانے لگے کہ: آج مجھے شفا ہوجائے گی! عرض کیا گیا کہ: کس طرح شفا ہوجائے گی؟ فرمایا کہ: ''میں نے اپنے سجدے میں یہ دُعا کی ہے: ''اَنِّیۡ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنۡتَ اَرۡحَمُ الرّٰحِمِیۡنَ'' (الانبیاء:۸۳)۔ واقعی شفا ہوگئی۔ تم سے دُعا منگواتے اس لئے ہیں کہ انہوں نے دُعا قبول کرنی ہوتی ہے، اگر منظوری نہ دیں تو تم سے دُعا نہ کروائیں، تمہیں دُعا کرنے کی توفیق نہ دیں۔ لیکن جیسے اللہ کے دربار میں اِلتجا کرتے ہو ویسے اس کی رضا پر بھی راضی رہو، دِل میں تنگی کا مضمون نہیں آنا چاہئے:

زندہ کنی عطائے تو
گر بہ کشتی رضائے تو

زندہ کریں آپ کی عطا ہے، مار ڈالیں آپ کی رضا ہے، آپ جو کچھ کریں آپ کی جو بھی رضا ہو اس پر راضی ہوں۔ ہمارے مولانا حضرت حکیم الاُمتؒ ارشاد فرماتے تھے: علاج مقصود ہے شفا مقصود نہیں، تمہارا کام ہے تمہیں علاج بتلایا کرتے

رہیں۔ ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی نوّر اللہ مرقدہٗ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ: آخری دنوں میں مجھ سے حضرت حکیم الأمتؒ نے فرمایا کہ: ''میاں! کیا تمہارے ہاں اس کا علاج نہیں ہوتا؟'' میں نے کہا: حضرت! ہوتا ہے۔ فرمایا کہ: ''پھر تم علاج کرو!'' کہنے لگے: بہت اچھا! فرمانے لگے: ہمارے ہاں نزاکت زیادہ ہے، پرہیز بہت ہوتا ہے! فرمایا کہ: ''تم علاج شروع کرو نتیجہ مجھے معلوم ہے!'' تو حضرتؒ فرماتے ہیں کہ: میں نے علاج شروع کیا تو ذرا ہومیو پیتھک کا علاج نازک اور پرہیز بہت ہوتا ہے، تو میں نے عرض کیا کہ: حضرت! تھوڑا سا پرہیز ہوگا۔ ارشاد فرمایا کہ: ''ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا، معمولی نوک پلک دُرست کرکے چلتا کردیا، یہ سارے دُنیا بھر کے پرہیز ہمارے لئے رکھے تھے!'' حضرتؒ فرمانے لگے کہ: یہ ارشاد سن کر سر سے پاؤں تک پسینہ آگیا، ہم نے تو کوئی پرہیز نہیں کروایا تھا، معمولی سی نوک پلک دُرست کرکے چلتا کردیا۔ بھائی! بیماری کا آخری انجام کیا ہے؟ موت! کیا مرنا نہیں ہے؟ اس سے کیا گھبرانا؟ ہاں! سنت ہے علاج کرنا، کرو! علاج کی تدبیر کرکے اللہ پر چھوڑ دو، چاہیں گے شفا دے دیں گے، نہیں چاہیں گے تو ان کی رضا، ہمیں اپنے پاس لے جانا چاہیں گے، چلئے حاضر ہیں، بصد خوشی حاضر ہیں!

اپنی پاکیزگی بیان نہ کرو:

اور تیسرے یہ کہ اپنے نفس کا تزکیہ نہ کرو، قرآن مجید میں آتا ہے کہ: ''فَلَا تُزَکُّوْا اَنْفُسَکُمْ ھُوَ اَعْلَمُ بِمَنِ اتَّقٰی'' (النجم:۳۲) اپنے نفسوں کا تزکیہ نہ کیا کرو کہ ہم اچھے ہیں، ہم یہ ہیں، ہم وہ ہیں، اپنی صفائی دینے کی کوشش نہ کرو، اللہ تعالیٰ بہت بہتر جاننے والے ہیں جو تم میں سے بچنے والا ہے یعنی متقی ہے، ارے مخلوق کے سامنے تو صفائی پیش کرتے ہو، کیا اللہ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ کیا اللہ کے سامنے بھی صفائی پیش کرتے ہو؟ مخلوق کو تو کہہ سکتے ہو کہ تمہیں بدگمانی ہوئی میرے بارے میں، میں ایسا نہیں تھا تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، کیا اللہ کو بھی کہو گے کہ تمہیں بدگمانی ہوئی ہے؟ نعوذ باللہ!

آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے، اللہ کے سامنے اپنی پاکیزگی کا تصوّر کرتے ہو، اپنی سراپا گندگی کا تصوّر کرو، اللہ کا کرم ہے کہ ہمیں چلتا پھرتا چھوڑ دیا ورنہ یہ نجاست تو دفن کے لائق تھی، ایک شخص کی نظر اس پر ہو تو وہ اپنے منہ سے اپنی پاکیزگی اور صفائی پیش نہیں کرے گا، اور اگر کوئی کرتا ہے تو جھوٹا ہے۔

تیسرے ارشاد میں فرمایا کہ: دو آدمیوں کی بددُعاؤں سے بچو، ایک مظلوم کی بددُعا اور ایک یتیم کی بددُعا، یہ اس وقت آ کے سر اُٹھاتی ہیں جب لوگ سو رہے ہوتے ہیں رات کے دو بجے، مظلوموں کی بددُعا سے بچو، اور یتیموں کی آہ سے بچو!

مظلوم کی بددُعا سے بچو:

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن تشریف لے جارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو رُخصت فرمارہے تھے، ساتھ چل رہے تھے، رُخصت کرنے کے لئے چلتے چلتے آخری جو نصیحت فرمائی وہ یہ تھی: ''یَا مَعَاذُ! لَعَلَّنِیْ لَا تَرَنِیْ بَعْدَ ھٰذَا'' شاید تم اس کے بعد مجھے نہیں دیکھ سکوگے، لیکن میں تمھیں ایک نصیحت کرتا ہوں: ''اِیَّاکَ وَدَعْوَۃَ الْمَظْلُوْمِ'' مظلوم کی بددُعا سے بچنا، بچتے رہنا، ''لَیْسَ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللہِ حِجَابٌ'' اس کے درمیان اور اللہ کے درمیان کوئی پردہ نہیں، سیدھی عرش پر جاکر پہنچتی ہے۔ اسی کو فارسی شاعر کہتا ہے:

بترس آہ مظلوماں کہ ہنگام دُعا کردن
اجابت در حق بر اِستقبال می آید

مظلوموں کی بددُعا سے بچو! اس لئے کہ جب وہ دُعا کرتے ہیں تو قبولیت عرشِ اِلٰہی سے اس کے استقبال کے لئے آتی ہے۔ اور اسی طرح یتیم کی بددُعا سے بچو! یتیم کا مال نہ کھاؤ! خواہ تیجہ، دسواں، چالیسواں کے عنوان سے ہو۔ یتیم پر ظلم نہ کرو، اور یتیم کا مال نہ ہتھیاؤ، اس لئے کہ ان کی آہ لگتی ہے تو بیڑا غرق کردیتی ہے۔

کراچی میں کتنے بچے یتیم کیے گئے، ان کی آہیں نہیں لگیں؟ کتنے بے گناہوں کو تختۂ ستم اور تختۂ مشق بنایا گیا، کیا ان کی آہیں رائیگاں جائیں گی؟ ایک نکتہ یاد رکھو! کہ مظلوم کا ولی اللہ ہونا شرط نہیں ہے کہ مظلوم اگر ولی اللہ ہو تو اس کی بددُعا لگتی ہے، واللہ! مظلوم اگر کافر بھی ہو، اس کی بھی بددُعا لگتی ہے، فاجر و فاسق ہو اس کی بھی بددُعا آدمی کو مار دیتی ہے۔ اس لئے کسی شخص پر ظلم و ستم کرنا، کسی سے زیادتی کرنا، کسی کا حق اپنے ذمے لینا، اس سے ڈرو! اور یہ قیامت تک ساتھ نہیں چھوڑتی، چاہے کتنی معافیاں اللہ میاں سے مانگو، معافی نہیں ملتی جب تک کہ صاحبِ معاملہ معاف نہ کردے۔ اور حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک سب سے بُری صورتِ حال یہ ہے کہ میں ایسے آدمی پر ظلم کروں جو میرے مقابلے میں اللہ کے سوا کسی سے مدد نہیں لے سکتا۔ لوگ تو سمجھتے ہیں کہ اس کا کوئی نہیں، کوئی تھانہ کچہری والا اس کا واقف نہیں، کوئی بڑا آدمی اس کی سفارش کرنے والا نہیں، اور کوئی اس کے ساتھ جتھا نہیں جو اس کے ساتھ پیروی کرے، اس کی کوئی حیثیت نہیں، کچل دو، مار دو، لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ سب سے بڑا اس کے ساتھ موجود ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دُعا فرمایا کرتے تھے کہ: ”یَا رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ!“ اے کمزوروں کے ربّ! مجھے یہ دُعا پیاری لگتی ہے، مجھے یہ لفظ بہت مزہ دیتا ہے: ”یَا رَبَّ الْمُسْتَضْعَفِیْنَ“ اے کمزوروں کے ربّ! جن کا دُنیا میں کوئی شنوا نہیں، ان کی کوئی سننے والا نہیں تو ان کا بھی ربّ ہے، اور تو ان کا بھی انتقام لیتا ہے، ان کی بھی فریادرسی کرتا ہے، مدد کرتا ہے، لوگ سمجھتے ہیں کہ کمزور کا کوئی نہیں، یہ نہیں دیکھتے کہ سب سے بڑا مالک ان کے ساتھ ہے، اور جس کا کوئی نہیں ہوتا خدا اس کے ساتھ ہوتا ہے، اور اللہ نہ کرے اگر اللہ تعالیٰ کسی سے انتقام لیں تو پھر اس کا جو حشر ہونا چاہئے وہ ہوتا ہے۔

مظلوم کا انتقام اللہ تعالیٰ خود لیتے ہیں:

میں نے آپ کو ایک قصہ سنایا تھا کہ ایک بزرگ تھے، ان کو کسی نے بُرا بھلا کہا، وہ اپنے ایک ساتھی سے کہنے لگے کہ فوراً اس کے ایک تھپڑ ماردو، اس نے ذرا دیر کردی تأخیر کردی، وہ آدمی وہیں پھسلا اور اس کی ایک ٹانگ ٹوٹ گئی، یہ بزرگ اس ساتھی سے کہنے لگے کہ: تو نے اس کی ٹانگ توڑ دی، تو اس کے تھپڑ لگا دیتا تو اس کی ٹانگ نہ ٹوٹتی، میں نے اس لئے کہا تھا کہ میرا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ یہ ہے کہ اگر میں کسی کی زیادتی کا بدلہ خود لے لوں تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ٹھیک کیا، لیکن اگر میں انتقام نہ لوں وہ خود اِنتقام لے لیتے ہیں۔ اور میں کہتا ہوں کہ یہ صرف اس بزرگ میں منحصر نہیں، اس معاملے میں تم سارے بزرگ ہو، جو شخص اپنا انتقام نہیں لے سکتا، اللہ تبارک و تعالیٰ خود اس کا انتقام لیتے ہیں، اِلَّا یہ کہ تم معاف کردو، اللہ سے کہہ دو کہ ہماری صلح ہوگئی ہے، مقدمہ داخل دفتر کردو ورنہ اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لیتے ہیں، تاہم جلد بازی نہیں کرتے، بندوں کو مہلت دیتے ہیں کہ نادان ہیں، شاید آپس میں معاملہ دُرست کرلیں، غرضیکہ ایسا شخص جس کا کوئی انتقام لینے والا نہ ہو اللہ تعالیٰ کے سوا اس پر ظلم کرتے ہوئے زیادہ ڈرو، مخلوق کے انتقام کی تو تم تاب لاسکتے ہو، اللہ کے انتقام کی تم تاب نہیں لاسکتے، اللہ تعالیٰ ہم پر رحم فرمائیں۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

صبر کے درجات

شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر صبر نہیں کر سکتے تو تصبر کرو، یعنی صبر کرنے والوں کا نقشہ بنالو، تکلیف اور بناوٹ کے ساتھ ہی صبر کا اہتمام کرو، شروع شروع میں ایسا ہوگا لیکن رفتہ رفتہ مشق ہوجائے گی۔ بقول حضرت حاجی اِمداداللہ مہاجرِ مکی صاحبؒ کے: پہلے رِیا ہوگی، پھر عادت بنے گی، پھر عبادت بنے گی۔ پہلے تو صرف دِکھاوا ہوگا، نام ہوگا، پھر مشق کرتے کرتے عبادت کی ایسی عادت ہوجائے گی کہ کوئی تم سے چھڑانا چاہے تو تم چھوڑ نہیں سکوگے،

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم
الحمدللّٰہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفی!

ایک موقع پر حضرت شاہ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفویض اور تسلیم کو بیان فرماتے ہوئے فرمایا، یہ حضراتِ صوفیاء کی اصطلاحات ہیں، اور قرآنِ کریم میں بھی یہ لفظ آیا ہے: ''وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْ اِلَی اللّٰہِ'' (المؤمن:۴۴) (میں سپرد کرتا ہوں اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے) اس کو'' تفویض وتسلیم'' کہتے ہیں، یعنی اپنا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد کردینا اور مالک کی جانب سے جو معاملہ ہو اس کے سامنے سرِتسلیم خم کردینا۔ شیخ رحمہ اللہ نے فرمایا کہ: نہ تو نعمتوں کو حاصل کرنا اپنے لئے اختیار کرو اور نہ مصائب کو دفع کرنا اپنے لئے تجویز کرو، نعمتیں تم تک بہرحال پہنچیں گی، جو تمہاری قسمت میں لکھی جاچکی ہیں، خواہ تم ان کے لئے تگ و دو کرو یا نہ کرو، محنت کرو یا نہ کرو، اور مصیبتیں اور تکالیف تم تک آکر رہیں گی خواہ تم ان کو ناگوار سمجھو، ان پر بے قراری کا اظہار کرو یا جو چاہو کرو، یہ مصائب اور تکالیف تم سے ٹل نہیں سکتیں، اس لئے اگر حق تعالیٰ شانہٗ کی طرف سے کوئی نعمت آئے تو اس کا استقبال شکر کے ساتھ کرو اور اگر کوئی مصیبت آئے تو اس کا استقبال صبر کے ساتھ کرو۔ لیکن اس معاملے میں لوگوں کے درجات مختلف ہیں۔

رونا نہ آئے تو شکل ہی بنالو:

سب سے پہلا درجہ ہے تصبر، یعنی تکلیف کے ساتھ صبر کرنے کی اور اسے سہارنے کی کوشش کرنا، اگر آدمی سے صبر نہ ہوسکے تو صابروں کی سی شکل وصورت بنالینا، جو حضرات اللہ تعالیٰ کے ہاں محبوب ہیں ان کی شکل وصورت بنالینا بھی اللہ کے یہاں بڑا محبوب ہے، ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

’’اُبْكُوا فَاِنْ لَّمْ تَبْكُوا فَتَبَاكَوْا‘‘ (ابنِ ماجہ ص:۳۰۹)

ترجمہ:... ’’رویا کرو، اور اگر تمہیں رونا نہ آئے تو رونے والوں کی سی شکل بنالو۔‘‘

اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑانا چاہئے، لیکن ہمیں رونا نہیں آتا، آنکھوں میں آنسو نہیں آتے، دِل میں رقت پیدا نہیں ہوتی، بھائی! اگر رونا نہیں آتا تو رونے والوں کی سی شکل تو بنالو، اللہ تعالیٰ اس بہانے سے رونا بھی عطا فرمادیں گے۔ ہمارے شیخ قطب الاقطاب حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی نوّر اللہ مرقدہٗ وقدس سرہٗ فرماتے ہیں کہ: میں نے اپنے اکابر میں دو بزرگوں کو اَخیر شب میں آواز سے روتے دیکھا ہے، ایک اپنے والد ماجد حضرت مولانا یحییٰ کو، دُوسرے شیخ الاسلام حضرت مولانا سیّد حسین احمد مدنی کو، رحمہما اللہ تعالیٰ، یہ دونوں بزرگ اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے اور بلبلاتے جیسے کسی بچے کی پٹائی ہورہی ہو اور وہ رو رہا ہو، لیکن دن کے وقت اور لوگوں سے ملتے وقت ہمیشہ مسکراتے رہتے تھے۔ تو اللہ کے بعض بندے ایسے ہیں جو واقعۃً اللہ تعالیٰ کے سامنے رونے کا حق ادا کرتے ہیں، اللہ کے سامنے رونا اپنی عبدیت کا اظہار کرنا ہے، حضرتِ شیخ رحمہ اللہ کے یہ الفاظ کہ: ’’جس طرح بچے کی پٹائی کی جارہی ہو‘‘ بڑے عجیب الفاظ ہیں۔

تو رونے والے اللہ تعالیٰ کے سامنے روتے ہیں، تمہیں اگر رونا نہیں آتا تو

رونے کی شکل ہی بنالو، اللہ کے سامنے گڑگڑاؤ اور اگر گڑگڑانے کی کیفیت پیدا نہیں ہوتی تو اللہ کے سامنے گڑگڑانے کی شکل بنالو، اور اگر اصل بھی نہیں ہوتی اور نقل بھی نہیں تو پھر پیچھے کیا باقی رہا...؟

حضرت بنوریؒ کا جماعت نہ ملنے پر رونا:

ایک دن ہمارے حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ تعالیٰ کی عصر کی جماعت رہ گئی، کیونکہ معتقدین تو بڑا ہجوم کرتے ہیں، پھر ماشاء اللہ جمعہ کے دن تو کیا ہی کہنے؟ غالباً کسی دُکان کا افتتاح تھا، حضرتؒ کو لے گئے، حضرتؒ نے فرمایا: بھائی! جمعہ کی عصر کی جماعت اپنی مسجد میں پڑھتا ہوں، میری عصر کی نماز جماعت سے نہ رہ جائے، انہوں نے کہا کہ: نہیں جی! ہم پہنچائیں گے۔ لے جاتے وقت تو لوگ بہت مستعد ہوتے ہیں، اپنے کام کا خیال ہوتا ہے دُوسرے کا خیال نہیں ہوتا۔ حضرت بنوریؒ جب واپس پہنچے تو نماز ہوچکی تھی، اس پر حضرتؒ بڑا روئے، اس دن میں نے حضرتؒ کو خوب روتے ہوئے دیکھا، بہت روئے اور فرمانے لگے کہ: ہمارے پاس اصل تو ہے نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل ہے، نماز تو ہمیں پڑھنی آتی نہیں، بس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل کرلیتے ہیں، یہ نقل بھی ہمارے پاس نہ رہے تو پھر ہمارے پاس کیا رہا؟ اللہ تعالیٰ ہمیں معاف فرمائے، ہمیں اس چیز کی قدر نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا تکبیرِ تحریمہ کا اہتمام:

پوری زندگی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دو تین مواقع پر تکبیرِ تحریمہ میں شامل نہیں ہوسکے، ایک دفعہ بنوعمرو بن عوف میں صلح کرانے کے لئے تشریف لے گئے تھے اور حضرت بلالؓ سے فرماگئے تھے کہ نماز کا وقت ہوجائے اور میں نہ آؤں تو ابوبکر سے کہنا نماز پڑھادیں گے۔ چنانچہ نماز کا وقت ہوا، حضرت بلالؓ نے اَذان کہی اور

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا: آپ نماز پڑھائیں گے؟ انہوں نے کہا: ”نَعَمْ اِنْ شِئْتَ“ (ہاں! اگر تم کہو تو پڑھا دیں گے)۔ چنانچہ کچھ دیر اِنتظار کے بعد جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے تو حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ: نماز پڑھایئے! انہوں نے نماز شروع کردی، نماز ابھی شروع ہوئی تھی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے، اب لوگوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو توجہ دِلانے کے لئے تالیاں پیٹنا شروع کردیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے ہیں، ”وَکَانَ اَبُوْبَکْرٍ لَا یَلْتَفِتُ“ (حضرت ابوبکرؓ جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے تو ان کو کسی اور چیز کی طرف اِلتفات نہیں ہوتا تھا)۔ جب لوگوں نے بہت تالیاں بجائیں تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تنبہ ہوا، انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ کے اشارے سے فرمایا: ”کھڑے رہو!“ انہوں نے اظہارِ تشکر کے لئے دُعا کے انداز میں ہاتھ اُٹھائے اور پھر پیچھے ہٹ گئے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آگے بڑھ کر نماز پڑھادی، نماز سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا: ”تم لوگ تالیاں کیوں بجا رہے تھے؟ جب تم میں سے کسی کو نماز میں کوئی چیز پیش آجائے یعنی اِمام کو متنبہ کرنے کی ضرورت ہو تو تسبیح کہا کرو، کیونکہ جب تسبیح کہی جائے گی تو اِمام کو تنبہ ہوجائے گا، ”فَاِنَّمَا التَّصْفِیْقُ لِلنِّسَآءِ“ (تالیاں بجانے کا حکم عورتوں کے لئے ہے، مردوں کے لئے نہیں)، مردوں کے لئے تسبیح ہے یعنی ”سبحان اللہ“ کہے۔ اور پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب میں نے کہا تھا کہ اپنی جگہ کھڑے رہو اور نماز پڑھاؤ تو تم پیچھے کیوں ہٹے؟ انہوں نے عرض کیا:

”مَا کَانَ لِابْنِ اَبِیْ قُحَافَةَ اَنْ یُّصَلِّیَ بَیْنَ یَدَیْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ۔“

ترجمہ:... ”ابوقحافہ کے بیٹے سے یہ نہیں ہوسکتا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آگے ہوکر نماز پڑھائے۔“

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے ہوں اور میں نماز پڑھاؤں، یہ میرے بس کی بات نہیں، اس قسم کا ایک واقعہ مرض الوفات میں بھی پیش آیا تھا، طبیعت مبارک ٹھیک نہیں تھی، طبیعت پر ثقل تھا، اس لئے مسجد میں تشریف نہیں لا سکتے تھے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے نماز پڑھاتے تھے، ایک دن ذرا تھوڑا طبیعت میں سکون اور خفت محسوس ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو آدمیوں کے سہارے سے مسجد میں تشریف لے گئے، ایک حضرت علی تھے اور دُوسرے حضرت فضل بن عباس تھے، رضی اللہ عنہم۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لاکر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پہلو میں بیٹھ گئے۔

”فَكَانَ اَبُوْ بَكْرٍ يُصَلِّىْ بِصَلٰوةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَالنَّاسُ يُصَلُّوْنَ بِصَلٰوةِ اَبِىْ بَكْرٍ رَضِىَ اللّٰهُ عَنْهُ۔“ (صحیح بخاری ج:۱ ص:۹۴)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کی اِقتدا کر رہے تھے، اور لوگ حضرت ابوبکرؓ کی اِقتدا کر رہے تھے۔ اس میں علماء کا اختلاف ہوا ہے کہ اس نماز میں اِمام کون تھا؟ حضرت ابوبکرؓ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم؟ غالباً مذکورہ بالا الفاظ کے پیشِ نظر صحیح یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اِمام تھے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ جو پہلے اِمام تھے اب ان کی حیثیت مکبّر کی بن گئی تھی۔ یہ دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نماز شروع ہونے کے بعد تشریف لائے۔

ایک اور موقع پر سفر میں، غالباً یہ سفرِ تبوک کا واقعہ ہے، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم صبح کے وقت ضرورت کے لئے تشریف لے گئے تھے، میں پانی کا لوٹا لے کر پیچھے پیچھے گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

فارغ ہوئے تو میں نے وضو کروایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شامی جبہ پہنا ہوا تھا، اس کی آستینیں تنگ تھیں، آستینیں اُوپر کو نہیں اُٹھتی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اُتار کر کندھے پر ڈال لیا، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چمڑے کے موزے پہنے ہوئے تھے، میں لپکا کہ ان کو اُتاروں، فرمایا: رہنے دو، میں نے ان کو پاک حالت میں پہنا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے موزوں پر مسح فرمایا۔ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: جب ہم وہاں سے واپس آئے تو جماعت کھڑی ہوچکی تھی کیونکہ ذرا دیر ہوگئی تھی، لوگوں نے اِنتظار کیا لیکن جب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تشریف نہیں لائے، ممکن ہے پیچھے رہ گئے ہوں، ان کو اندیشہ ہوا کہ کہیں نماز قضا نہ ہوجائے تو حضراتِ صحابہؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کو اِمام بنالیا، جماعت کی ایک رکعت ہوچکی تھی کہ صحابہؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسبوق ہیں اور ایک رکعت رہ گئی ہے، صحابہؓ بہت پریشان ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رکعت پوری کرنے کے بعد ان کو اِطمینان دِلانے کے لئے فرمایا کہ: تم نے بہت اچھا کیا کہ نماز شروع کرلی۔ یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی خصوصیت ہے کہ صحابہؓ کی جماعت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی اِقتدا میں نماز اَدا کرنے کا موقع ملا اور انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھائی، یہ عشرہ مبشرہ میں سے ہیں، سابقینِ اوّلین میں سے ہیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے قرآن پڑھا کرتے تھے، جو ان کے بچوں کے برابر تھے، ان سے قرآن پڑھا کرتے تھے، یہ ان کی تواضع تھی، ترمذی کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمہات المؤمنین سے فرمایا تھا کہ:

”اِنَّ اَمرَکُنَّ مِمَّا یَھِمُنِیْ بَعْدِیْ وَلَنْ یَّصْبِرَ عَلَیْکُنَّ بَعْدِیْ اِلَّا الصَّابِرُوْنَ۔“

(ترمذی باب مناقب عبدالرحمٰن بن عوفؓ، کنز ج:۱۲ حدیث:۳۴۳۳۳، وج:۱۶ حدیث:۴۴۹۶۱)

ترجمہ:...''تمہارا معاملہ مجھے فکرمند کرتا ہے اپنے بعد، اور تمہارے معاملے میں صابرین ہی کچھ خدمت کریں گے۔''

یعنی میرے بعد تمہاری کفالت کی کیا شکل ہوگی؟ اس کا کبھی مجھے خیال آجاتا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اپنے اہل و عیال کے بارے میں فکرمند ہونا بھی سنتِ نبوی ہے، اور یہ توکل کے خلاف نہیں ہے، آخر اِنسان، انسان ہے، پتھر نہیں ہے، گوشت پوست کا انسان ہے۔ اور پھر فرمایا جس کا مفہوم یہ ہے کہ: اللہ کے نیک و مقبول بندے صابرین تمہاری خدمت کیا کریں گے۔ ان حضرات میں سب سے نمایاں شخصیت حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کی تھی جو حضراتِ اُمہات المؤمنینؓ کی خدمت کیا کرتے تھے اور ان کے پاس اپنے ہدایا بھیجا کرتے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کو بہت دُعائیں دیتی تھیں، حضرات اُمہات المؤمنین رضی اللہ عنہنّ اپنے پاس کچھ نہ رکھتی تھیں، جو آتا اسی وقت لٹادیتی تھیں، وہ بھی تو آخر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں تھیں، لاکھوں کے عطیات آتے تھے۔ ایک دن اُمّ المؤمنین کے پاس دراہم کا ڈھیر لگا ہوا تھا، تقسیم کرتی رہیں حتیٰ کہ سارا تقسیم کردیا تو خادمہ کہنے لگی کہ: حضور کا روزہ ہے، شام کو کچھ اِفطار کے لئے بچالیتیں! فرمانے لگیں: پہلے یاد دِلادیتی، اب عورتوں کی طرح طعنہ دینے کا کیا فائدہ؟ یعنی یہ بات بھی یاد دِلانے کی ہے کہ تمہارا روزہ ہے، کچھ اِفطار کرنے کے لئے رکھ لو۔

تو میں عرض کر رہا تھا کہ صحیح معنی میں تو ایک ہی نماز نکلی جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک رکعت نکل گئی تھی، پوری زندگی میں دو واقعات ایسے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کا ابتدائی حصہ نہیں ملا، اور ہماری جماعت تو کیا پوری نماز بھی رہ جائے تو ہماری مسلمانی میں کچھ فرق نہیں آتا، بھئی نقل تو اُتارو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی، اللہ کے بندو! اگر اصل بھی نہ ہو اور نقل بھی نہ ہو تو پھر کیا رہے؟ کچھ بھی نہیں رہے گا...!

اصل نہیں تو نقل ہی اُتارو:

نقل تو اُتارو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی، اور یہ نقل بھی اللہ تعالیٰ کو بہت محبوب ہے، فکرمند نہ ہوا کرو کہ ہمارے پاس اصل نہیں، یا جیسی نماز ہونی چاہئے ویسی نماز نہیں ہے ہمارے پاس، جیسی تلاوت ہونی چاہئے وہ نہیں ہے، جیسا درجہ احسان کا عبادت میں ہونا چاہئے، ویسا درجہ حاصل نہیں، ہو بھی نہیں سکتا، کیسے ہوسکتا ہے؟ اس میں زیادہ فکرمند نہ ہوا کرو، بس کوشش کرو کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نقل اُتارو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کا نقشہ کھینچو، بس اِن شاء اللہ وہ نماز قبول ہوجائے گی۔

صبر نہیں، تو صبر والوں کی شکل ہی بنالو:

تو شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: اگر صبر نہیں کرسکتے تو تصبر کرو، یعنی صبر کرنے والوں کا نقشہ بنالو، تکلیف اور بناوٹ کے ساتھ ہی صبر کا اہتمام کرو، شروع شروع میں ایسا ہوگا لیکن رفتہ رفتہ مشق ہوجائے گی۔ بقول حضرت حاجی اِمداداللہ مہاجرِ مکی صاحبؒ کے: پہلے رِیا ہوگی، پھر عادت بنے گی، پھر عبادت بنے گی۔ پہلے تو صرف دِکھاوا ہوگا، نام ہوگا، پھر مشق کرتے کرتے عبادت کی ایسی عادت ہوجائے گی کہ کوئی تم سے چھڑانا چاہے تو تم چھوڑ نہیں سکوگے، اور جب اتنی پختگی ہوجائے گی تو پھر عبادت کی طرف تیسرا قدم اُٹھے گا کہ اللہ کے سامنے جھک رہے ہیں، اس میں حقیقت آنا شروع ہوجائے گی، اور اسی کا نام مجاہدہ ہے، یہی محنت ہے جو مطلوب ہے، ہم لوگ چاہتے ہیں کہ پہلے دن جنید بغدادیؒ بن جائیں، اگر جنید بغدادیؒ جیسی نماز پڑھیں تو پڑھیں، ورنہ پھر نماز سے کیا فائدہ؟ یہ بات غلط ہے!

صبر کے درجات:

تو شیخ نوّر اللہ مرقدہٗ فرماتے ہیں کہ اگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی تکلیف

پہنچے، کوئی مصیبت آئے تو صبر کے ذریعے اس کا استقبال کرو، اور اس کے بہت سے درجات ہیں۔

پہلا درجہ تصبر کا ہے، یعنی بہ تکلف صبر کرو، پھر اس کے بعد دُوسرا درجہ آئے گا صبر کا۔

مصائب کی حکمت؟

حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانوی نوّر اللہ مرقدہٗ ارشاد فرماتے ہیں کہ: جو تکلیف ہمیں پہنچتی ہے اس کے بارے میں یہ عقیدہ تو تمہارا ہوگا ہی کہ یہ اللہ کی جانب سے ہے، کیونکہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہے، اب یہ چیز جو من جانب اللہ آتی ہے، یہ کسی مقصد کے لئے ہے یا بے فائدہ ہے؟ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ حکیم ہے، حکیم کا کوئی کام مقصد سے خالی نہیں ہوتا، چلو یہ بات بھی طے ہوگئی کہ اس میں کوئی فائدہ ضرور بہ ضرور ہوگا، اب فائدے میں تین احتمال ہیں، ایک یہ کہ اللہ میاں کا کوئی فائدہ ہوگا، دوم یہ کہ تمہارا کوئی فائدہ ہوگا، سوم یہ کہ مشترکہ فائدہ ہو کہ تھوڑا سا اللہ تعالیٰ کا فائدہ ہے، اور کچھ تمہارا بھی ہے۔ لیکن پہلی اور تیسری صورت غلط ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ فائدہ حاصل کرنے سے بے نیاز ہیں، وہ تو مخلوق کو فائدہ پہنچاتے ہیں، یہ اس کا عام فیض ہے کہ سب کو فائدہ پہنچاتے ہیں، لیکن مخلوق سے کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے، اسی لئے اللہ تعالیٰ کو ''منعمِ حقیقی'' کہتے ہیں کہ وہ سب کو نعمتیں عطا کرتے ہیں، سب پر اِحسان کرتے ہیں، مگر مخلوق سے کوئی نفع اور کوئی فائدہ حاصل نہیں کرتے۔ واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا جتنے منعم ہیں، احسان کرنے والے ہیں، وہ احسان و اِنعام میں کوئی نہ کوئی اپنا فائدہ ضرور رکھتے ہیں، کوئی شخص ثواب کی نیت کرتا ہے کہ مجھے اس کا ثواب ملے گا، یہ بھی فائدہ حاصل کرنا ہوا، اور اگر کوئی اور فائدہ نہ ہو تو کم از کم یہی ہے کہ کسی کی بدحالی کو دیکھ کر دِل میں جو کُڑھن پیدا ہوگئی تھی، احسان

کے ذریعے وہ کڑھن دِل سے جاتی رہے گی، کسی کو دیکھ کر جو ہمارے دِل کو تکلیف ہوتی تھی وہ ہمارے دِل کی تکلیف دُور ہوگی، بعض لوگوں ووٹوں کے لئے احسان کرتے ہیں، خدمتِ خلق کرتے ہیں، مگر نام آوری کے لئے، سرداری حاصل کرنے کے لئے، قیادت حاصل کرنے کے لئے، کوئی احسان کرتا ہے آخرت کا ثواب حاصل کرنے کے لئے، ''اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ''جیسی کسی کی نیت ہوگی حق تعالیٰ شانہٗ ویسا ہی اس کے ساتھ معاملہ فرمائیں گے، لیکن بہرحال مخلوق کی طرف سے کسی پر جو اِحسانات ہورہے ہیں ان میں کوئی نہ کوئی فائدہ اپنا بھی ہوتا ہے، خواہ کسی درجے کا بھی ہو، اپنا فائدہ بھی مدِنظر ہوتا ہے، یہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذاتِ عالی ہے کہ تمام مخلوق پر اِنعام فرمارہے ہیں لیکن اپنا کوئی فائدہ نہیں، مولانا رُومی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

من نہ کردم خلق تا سودے کنم
بلکہ تا بر بندگاں جودے کنم

یعنی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ: میں نے یہ مخلوق اس لئے نہیں بنائی کہ میں ان سے کوئی نفع کا معاملہ کرنا چاہتا ہوں، کوئی سودا کرنا چاہتا ہوں، نہیں بلکہ صرف بندوں پر اِحسان کرنے کے لئے یہ تخلیق فرمائی ہے، پس اللہ تعالیٰ کا محض اِحسان ہی اِحسان ہے، فضل ہی فضل، اِنعام ہی اِنعام ہے، تو اللہ کی طرف سے اگر کوئی تکلیف آتی ہے اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، وہ فائدے سے پاک ہے، قرآنِ کریم میں ہے کہ:

''مَا یَفْعَلُ اللّٰہُ بِعَذَابِکُمْ اِنْ شَکَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ''

(النساء:۱۴۷)

ترجمہ:...''اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کریں گے، تمہیں تکلیف دے کر کیا کریں گے، اگر تم شکر کرو اور اِیمان لاؤ۔''

تو یہ طے ہوگیا کہ جو کچھ ہو رہا ہے تمہارے فائدے کے لئے ہو رہا ہے،

اللہ تعالیٰ کا کوئی فائدہ نہیں، لیکن بات یہ کہ فائدہ کبھی محسوس ہوتا ہے، کبھی محسوس نہیں ہوتا، مولاناؒ فرماتے ہیں:

طفل می لرزد زنیش احتجام
مادرِ مشفق ازاں غم شاد کام

بچے کے پھوڑا نکل آیا تھا، ماں نشتر لگانے والے کے پاس لے گئی تاکہ اس کا آپریشن کردیا جائے، نشتر بعد میں لگے گا، بچے نے اس جراح کو دیکھ کر ہی چلّانا شروع کردیا، بہرحال اس کو جیسے کیسے پکڑ کر نشتر لگوادیا اور پیپ گندگی سب نکل گئی، زخم کو صاف کرکے مرہم لگادیا، تو بچہ لرز رہا ہے، کانپ رہا ہے، لیکن ماں خوش ہورہی ہے کہ بچے کی تکلیف دُور ہوگئی، شکریہ بھی ادا کرتی ہے ڈاکٹر صاحب کا اور اس کو فیس بھی دیتی ہے، اِحسان بھی مانتی ہے، تو ماں جو اپنے بچے کے نشتر لگواتی ہے یہ بچے کے ساتھ اس کی شفقت و محبت ہے، مگر بچہ اپنی نادانی کی وجہ سے یوں سمجھتا ہے کہ ماں اس پر بڑا ظلم کررہی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہمارے ساتھ جو معاملہ ہوتا ہے وہ دراصل ہمارے گندے مواد کا آپریشن ہوتا ہے، ہم اپنی کم عقلی اور نادانی کی وجہ سے اس کو نہیں سمجھتے، یہ بھی رحمت ہی کا معاملہ ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ جب نظر ذرا زیادہ صحیح کردیتے ہیں تو بات سمجھ میں بھی آنے لگتی ہے کہ یہ معاملہ میرے ساتھ کیوں ہورہا ہے؟ اس کی وجہ بھی سمجھ میں آنے لگتی ہے۔

دُوسرا درجہ:

بہرحال دُوسرا درجہ صبر کا ہے، جس کا مطلب کسی مصیبت کو من جانب اللہ سمجھتے ہوئے اس کو سہارنا، اس پر شکایت نہ کرنا، صبر کے بڑے درجات ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ”وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ“ (اور خوش خبری دے دو صبر کرنے والوں کو) ”اَلَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَةٌ“ (صبر کرنے والے وہ لوگ ہیں کہ جب ان کو کوئی مصیبت پہنچتی ہے) ”قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ“ (تو یوں کہتے ہیں: ہم اللہ کے

لئے ہے، اللہ کا مال ہیں، اور اللہ کی طرف جانے والے ہیں) "اُولٰٓئِکَ عَلَیۡھِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّھِمۡ وَرَحۡمَةٌ" (شاہ عبدالقادر دہلویؒ ترجمہ فرماتے ہیں: یہ لوگ ہیں کہ ان کو شاباشیں ان کے رَبّ کی جانب سے، اور ان پر رحمت ہے)۔ یعنی ان پر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خاص رحمتیں ہیں، "وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الۡمُھۡتَدُوۡنَ" (اور یہی لوگ ہیں صحیح راستہ پانے والے) "اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیۡنَ" (بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)۔

تکلیف محبوب کا عطیہ ہے:

پس جو تکلیف آئے اسے محبوب کا عطیہ سمجھتے ہیں اور صبر کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کی معیت نصیب ہوتی ہے، اس کی شکایت نہ کرو، بس یہی صبر ہے۔

بزرگ فرماتے ہیں کہ: صبر کی تین علامتیں ہیں، ایک یہ کہ شکوہ شکایت نہ کرے، دُوسری یہ کہ ضرورت سے زیادہ جزع فزع نہ کرے، ویسے آدمی کمزور ہے، جب تکلیف ہو تو "ہائے!" کرے گا، اس کی اجازت ہے، اس کا مضائقہ نہیں، بھئی ہم تو بندے ہیں، "ہائے!" کہنا بندگی کا اظہار ہے، اپنے عجز کا اظہار ہے، اپنی کمزوری کے اظہار کے لئے منہ سے ہائے بھی نکلے گی، تکلیف بھی ہوگی، لیکن جزع فزع کی اجازت نہیں، جس سے بے صبری کا اظہار ہو، اور شکوہ شکایت کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

ہمارے حضرت ڈاکٹر عبدالحی عارفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ: جب کوئی مزاج پُرسی کرے تو بیمار کو چاہئے کہ پہلے "الحمدللہ" کہے، اس کے بعد اپنی بیماری کو بیان کرے، تاکہ بیماری کا ذکر کرنا اللہ تعالیٰ کی شکایت نہ سمجھا جائے۔

تیسرے یہ کہ مصیبت کی وجہ سے تمہارے اعمالِ شرعیہ یا طبعیہ میں کسی قسم کا تغیر پیدا نہ ہو، اگر تکلیف کی وجہ سے مصیبت کی وجہ سے نمازیں قضا ہوگئیں یا اور معمولات میں فرق آنے لگا، تو یہ صبر کے خلاف ہے، یہ تین چیزیں اگر پائی جائیں تو

یہ صبرِ جمیل ہے، اور ان لوگوں پر اللہ تعالیٰ کی دُنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت سی عنایتیں ہیں، بڑی ہی عنایتیں ہیں۔

تیسرا درجہ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: تیسرا درجہ موافقت ہے، جو معاملہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوا، اس پر رضائے اِلٰہی کی موافقت کرو، جب اس طرف نظر چلی جائے کہ معاملہ مالک کی طرف سے کیا جارہا ہے تو موافقت پیدا ہوجاتی ہے، یہ صبر سے اُونچا درجہ ہے۔ وہ قصہ مشہور ہے کہ شاہ دولہ رحمہ اللہ کو لوگوں نے کہا کہ: دریا میں کٹاؤ لگا ہوا ہے آپ ذرا دُعا کردیجئے کہ دریا کا رُخ بدل جائے۔ فرمایا کہ: مجھے وہاں لے چلو! لے گئے، فرمایا: ذرا کدال دے دو، کدال دے دیا گیا، تو خود گرانے لگے، لوگوں نے کہا کہ: یہ کیا غضب ہے؟ فرمایا: جدھر مولا اُدھر شاہ دولہ! اگر مولا ہی چاہتا ہے کہ اس کو گرایا جائے تو شاہ دولہ کون ہوتا ہے جو کہے کہ نہ گراؤ، اور ان کی اس موافقت کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دریا کا بہاؤ دُوسری طرف پھیر دیا، کٹاؤ بند ہوگیا، اور دریا کا بہاؤ دُوسری طرف مڑ گیا، اللہ تعالیٰ کا معاملہ اپنے بندوں کے ساتھ عجیب ہوتا ہے، تو یہ تیسرا درجہ ہے بھئی! جدھر مولا اُدھر شاہ دولہ۔

چوتھا درجہ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: چوتھا درجہ اس سے بھی اُوپر کا ہے، اور وہ ہے تنعّم و تلذّذ کا، جب یہ چیز اور آگے بڑھتی ہے تو جس طرح نعمتوں سے لذّت حاصل ہوتی ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو مصائب اور تکالیف آتی ہیں ان سے آدمی کو لذّت حاصل ہونے لگتی ہے، جیسے بچے حلوا کھاتے ہیں، ان کو لذیذ لگتا ہے، لیکن بعض لوگ مرچیں کھاتے ہیں، ناک سے پانی بہہ رہا ہے، آنکھوں سے بھی پانی بہہ رہا ہے، سی سی بھی کر رہے ہیں، لیکن کھا رہے ہیں، اس کے بغیر کھانا لذیذ معلوم نہیں ہوتا، ہم

لوگوں کو جس طرح نعمتوں سے لذّت حاصل ہوتی ہے اسی طرح ان مقبولانِ الٰہی کو ان معاملات سے جن کو تکالیف و مصائب کہتے ہیں لذّت حاصل ہوتی ہے، یہ چھوٹا درجہ نہیں بہت بڑا درجہ ہے۔

حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما دونوں باپ بیٹا صحابی ہیں، حضرت عمرانؓ بہت اُونچے درجے کے بہت پیارے صحابی ہیں، وہ بھی تکلیف میں مبتلا ہوگئے تھے، انہوں نے داغ لگوایا، پُرانے زمانے میں داغ دے کر، یعنی لوہا گرم کرکے داغ لگاتے تھے اور اس کے ذریعے بعض بیماریوں کا علاج کرتے تھے، تو آپؓ نے کسی آدمی سے شکایت کی کہ: میں جب سے اس تکلیف میں مبتلا ہوا تھا تو مجھے فرشتے روزانہ سلام کرتے تھے، جب سے داغ لگوایا تو انہوں نے سلام بند کردیا، لیکن بعد میں اللہ تعالیٰ نے یہ دولت دوبارہ نصیب فرمادی۔

الغرض! چوتھا درجہ یہ ہے کہ تکلیف اور مصیبت کو محبوب کی جانب سے جان کر اس سے لذّت حاصل کی جائے، کیونکہ محبوب کی جانب سے جو تکلیف آئے وہ عاشق کے لئے موجبِ مسرّت ہوا کرتی ہے۔ ہمارے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی مثال بیان فرمائی ہے کہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کہ کئی سالوں کے فراق کے بعد کسی کا محبوب اچانک ملا ہو، اور وہ پیچھے سے آکر اس کو دبادے، اب محبوب موٹا تازہ فربہ اور عاشق بے چارہ ہڈیوں کا ڈھانچہ بنا ہوا ہے، محبوب نے جو اس کو زور سے دبایا تو عاشق کی ہائے نکل گئی، محبوب نے کہا کہ: تمہیں تکلیف ہورہی ہو تو تمہیں چھوڑ کر رقیب کو پکڑلوں؟ اس حال پر عاشق کیا کہے گا؟ وہ تو یہی کہے گا:

نشود نصیب دُشمن کہ شود ہلاکت تیغت
سر دوستاں سلامت کہ تو خنجر آزمائی

ترجمہ:... ''دُشمن کو یہ بات نصیب نہ ہو کہ وہ تیری تلوار سے ہلاک ہوا کرے، دوستوں کا سر سلامت رہے کہ آپ

خنجر آزمائی کریں۔‘‘

صبر کرنے والوں کے بڑے درجات ہیں، یہاں اِمام غزالی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بہت عجیب بحث کی ہے، وہ فرماتے ہیں: ایک ہے مصیبت پر اَجر، ایک ہے صبر پر اَجر، یہ دونوں الگ الگ اَجر ہیں، اگر کوئی صبر نہ کرے گا تو اس کو بھی اللہ تعالیٰ تکلیف اور مصیبت کا اَجر عطا کریں گے، اور اگر صبر کرے گا تو صبر کا اَجر الگ ملے گا اور تکلیف کا اَجر الگ عطا فرمائیں گے۔

درجۂ تلذّذ:

شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: دُوسرا درجہ صبر کا ہے اور تیسرا درجہ اس سے بڑھ کر آگے ہے، یعنی یہ دیکھ کر کہ یہ مالک کی طرف سے ہے، پھر آدمی میں جذبۂ موافقت پیدا ہوجاتا ہے، اور چوتھا درجہ مصیبت سے تلذّذ کا ہے، ہمارے حضرت مفتی محمد حسن صاحبؒ جامعہ اشرفیہ لاہور کے بانی، حضرت حکیم الاُمت مولانا اشرف علی تھانویؒ کے اجل خلفاء میں سے تھے، ان کی ٹانگ میں تکلیف ہوگئی تھی، ڈاکٹروں نے کہا: ٹانگ کاٹنا پڑے گی، فرمایا: بہتر ہے، ڈاکٹروں نے بے ہوش کرنے کو کہا تو فرمایا: تم اپنا کام کرو، ہم اپنا کام کریں گے، بے ہوش کرنے کی ضرورت نہیں ہے، بس تم اپنا کام کرو۔ اب اندازہ کیجئے کہ زندہ آدمی ہے، اس کی ٹانگ کاٹی جارہی ہے، مگر وہ اُف تک نہیں کرتا، سی بھی نہیں کرتا، ہائے بھی نہیں کرتا، سبحان اللہ! ان لوگوں کا کیا مقام ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام اللہ کے نبی تھے، ان پر جو گزری وہ آپ کو معلوم ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

’’اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا، نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗٓ اَوَّابٌ‘‘

(صٓ:۴۴)

ترجمہ:... ’’ہم نے اس کو صبر کرنے والا پایا، بڑا اچھا بندہ تھا، بڑا رُجوع کرنے والا تھا۔‘‘

سبحان اللہ کیا بات ہے! مالک کہہ رہا ہے بندے کو کہ وہ بڑا رُجوع کرنے والا تھا۔

تو جب موافقت کے مقام سے بندہ ترقی کرتا ہے تو تنعّم اور تلذّذ کے مقام پر پہنچتا ہے کہ جس طرح نعمتوں سے لذّت حاصل کرتا ہے، اسی طرح اس کو تکلیف و مصائب سے راحت ملتی ہے۔

درجۂ فنا:

لیکن قصہ یہیں ختم نہیں ہوا، اس سے اُوپر بھی ایک درجہ ہے، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وہ درجہ فنا کا ہے کہ مالک کے سامنے بندے کا ارادہ و اِختیار ختم ہوجائے، اس کے حکم کے سامنے ہماری کوئی خواہش باقی نہیں رہ گئی فنا ہوگئی، ’’مردہ بدستِ زندہ‘‘ والا مضمون ہوگیا، اب مردے بے چارے کی کیا خواہش ہے؟ اس کو جہاں چاہو رکھ دو، جس طرف چاہو پلٹ دو، اپنے آپ کو مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کے حوالے کردینا کہ نہ لذّت رہے نہ تکلیف، نہ راحت نہ تکلف، اس کی کوئی چاہت ہی نہیں رہی، یہ فنا کا مقام ہے، یہ آخری مرتبہ ہے، اس کے بعد کوئی مرتبہ نہیں، اور یہ اصل مقامِ عبدیت ہے، یہ ہے بندے کا اصل مقام، یہ تو ظاہر ہے کہ جو کچھ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کرتے ہیں، اور بندہ چاہے نہ چاہے اس کے چاہنے سے کچھ نہیں ہوگا، اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہوگا، جس کو چاہے عزّت دے، جس کو چاہے ذِلت دے، جس کو چاہے غنی کردے، جس کو چاہے فقیر کردے، صحت اس کے قبضے میں ہے، بیماری اس کے قبضے میں ہے، راحت اس کے قبضے میں ہے، تکلیف اس کے قبضے میں ہے، یہ سب چیزیں جو اَسباب کی دُنیا میں ہیں ان اسباب کو تمہارے موافق کردیں، یہ اس کے قبضے میں ہے، اور تمہارے خلاف برگشتہ کردیں، یہ اس کے قبضے میں ہے، دُشمن کو

سرنگوں کردیں، یہ اس کے قبضے میں ہے، کمزوروں کو تم پر مسلط کردیں، یہ اس کے قبضے میں ہے، یہ تو ظاہر ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے کرنے سے ہی ہوتا ہے، لیکن بندہ عملی طور پر اس مقام پر آجائے، یہ مقامِ بندگی ہے، بندہ اس مقام پر نہ آئے سرکش رہے، ...نعوذ باللہ... اللہ تعالیٰ کی شکایتیں کرتا پھرے، تب بھی ہوگا وہی جو وہ چاہے گا، لیکن یہ محروم رہا۔

یہ اصل مقامِ عبدیت ہے، شیخ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب اس مقامِ عبدیت پر آئے گا تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنی رحمتوں اور عنایتوں کے دروازے کھول دیں گے اور اپنی رحمت و رضا کی آغوش میں اس کی پرورش فرمائیں گے، حق تعالیٰ شانہٗ اپنے لطف وکرم سے ہمیں بھی اپنی رضا کی دولت نصیب فرمائے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ!

اصلاحی مواعظ (۸ جلدیں) ایک نظر میں

جلد اول

مقصد حیات دنیا نہیں ۔۔ آخرت
محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم
لیلۃ القدر کی برکات
فضائل اعتکاف
عظمت قرآن
توبہ کیسے کریں؟
حسد کا علاج
غیبت ایک اخلاقی برائی
دنیا کی حقیقت
صبر کے درجات

جلد دوم

حضرت آدم علیہ السلام کا تذکرہ
انسان پر گزرنے والے ادوار
روضہ اقدس پر حاضری
شب برات ۔۔ ایک تحقیقی جائزہ
صبر و شکر
زبان کی حفاظت
بہترین تاجر کی علامت
خوف خدا اور فکر آخرت
قبر کی تیاری ضروری ہے
مقام بندگی اور دعاء کی حقیقت

جلد سوم

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ذریعہ معاش
موذن کے فضائل
اعتکاف کے آداب
رجال آخرت
تبلیغ والوں کے لئے ہدایات
شیعان علی اور حضرات اہل بیت
غصہ کے اسباب اور اس کا علاج
حج کے انعامات
غدار کی سزا
جواہر پارے

جلد چہارم

حضورؐ کے سفر حج کی تفصیلات
فضیلت شیخین رضی اللہ عنہما
حضرت عمرؓ کی چھ نصیحتیں
حضرت علیؓ کی شہادت
دو بڑے بدبخت
شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کی چند دعائیں
ریاکاری اور اخلاص
۱۲ ربیع الاول اور اس کے تقاضے
مدرسہ کے چار بنیادی اصول
اللہ کی نعمتوں کا استحضار

جلد پنجم

بڑوں کے بعد چھوٹوں کی ذمہ داری
جذبہ ایثار، حکمت و دانائی
حضرت ابو درداءؓ کی پانچ نصیحتیں
عورتوں کا فتنہ
بدعت کی حقیقت
قرآن سیکھ کر پڑھنے کے فضائل
صوفیاء کے اخلاق
شہادت کی فضیلت اور اقسام
موت کے وقت کے احوال
شاہراہ انسانیت کی روشن قندیلیں

جلد ششم

قرابت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا فائدہ
مہاجرینؓ و انصارؓ کی فضیلت
خواجہ معین الدین چشتیؒ
آداب تعلیم و تربیت
جھگڑے کے اسباب
صبر، تمام مسائل کا علاج ہے
جھوٹی گواہی، بدترین سود اور شرک
ظلم و ستم اور حرص کے نقصانات
کمزور اور مظلوم کی مدد کرنا
عذاب الٰہی سے بچاؤ کی صورت

جلد ہفتم

معرفت الٰہی
صحابہؓ کا ایمان سیکھنا
اوقات نماز کی حکمتیں
آخرت کی تیاری
تین طلاق کا حکم
زندگی کے مراحل
مسجد کی تعمیر و آبادی کا ذوق
مخلوق کے ساتھ حسن سلوک
حرام اشیاء کی خرید و فروخت

جلد ہشتم

سنت کے مطابق نماز پڑھنا
نماز ۔۔ مناجات الٰہی کا نام
اللہ تعالیٰ کی وحدانیت
نیک لوگوں کی صحبت
عبدیت کاملہ
امت میں اختلاف کا سبب
جدید تعلیم کے نتائج
بغیر علم کے مسئلہ بتانا
گیارہویں شریف
تعلق مع اللہ اور تصوف